جب تک شی میدان میں رہی' شہر میں چار ناموں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ان میں سرِفہرست میرا نام تھا' جہانگیر میرے دستِ راست کے طور پر پہچانا جاتا تھا۔ کالو کمرانی نے جوں ہی ان دنوں کے حوالے سے واقعات کا ذکر شروع کیا' نسیم یا دوسرے شخص کا ذہن تازہ ترین اخباری اشتہاروں کی طرف مبذول ہوگیا۔

امریکیوں نے میری گرفتاری میں مقامی شہریوں کی مدد حاصل کرنے کے لیے کار آمد اطلاعات فراہم کرنے والے کے لئے خطیر رقم کے ساتھ متعدد تحفظات فراہم کرنے کی پیشکش کا ان ہی دنوں اخبارات میں اعادہ کیا تھا۔ یقیناً کسی کے ذہن میں یہ خیال سما چکا تھا کہ جہانگیر کے ذریعے میرا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ دونوں کچھ مذموم عزائم کے ساتھ سڑک پر اپنی پرانی گاڑی میں بیٹھے' جہانگیر کی دکان بند ہونے کا انتظار کررہے تھے۔ اسے فوری طور پر مدد اور تحفظ کی ضرورت تھی۔

جہانگیر کے ساتھ جو کچھ ہوا اور ہونے والا تھا' اس کا میری آمد سے ذرا سا بھی تعلق نہیں تھا۔ خوبرو عورتوں کے بارے میں اس کے ذہن میں جو جراثیم ہر وقت کلبلاتے رہتے تھے' ان کی تحریک کے نتیجے میں اسے نسیم کے ہاتھوں جلد یا بدیر اسی انجام سے دوچار ہونا تھا۔ میری آمد سے فرق صرف اتنا پڑا تھا کہ میرے اکسانے کی وجہ سے جہانگیر نے اس کھیل کو اس کے فطری انجام تک پہنچنے سے پہلے ہی دواؤں کے پورے داموں کا مطالبہ کرکے اختتام کو پہنچا دیا تھا۔ شاید اسے اندازہ تک نہیں تھا کہ نسیم کے حسین روپ میں الجھ کر وہ اپنے لئے کتنے بڑے خطرے کو دعوت دے بیٹھا تھا۔

ایس ٹی ایف کے آدمی سے اپریٹس پر میری مختصر سی گفتگو ختم ہوتے ہی سلمٰی میرے سامنے تن کر کھڑی ہوگئی۔ "کیا تم مجھے بالکل ہی بے وقوف اور گاؤدی سمجھتے ہو؟" اس نے غصے سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔ "مجھ سے الجھ کر وقت ضائع مت کرو۔ گاڑی کی چابی دو اور مجھے جانے دو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اسے کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوجائیں۔"

"اگر وہ ڈاکو ہی ہیں تو کیا وہ تمہارے پہنچنے کے انتظار میں اپنی کارروائی کو التوا میں رکھیں گے؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تلخی سے سوال کیا۔ "سچ سچ بتاؤ کہ کیا چکر ہے؟"

"یہ وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوگا کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہورہا ہے جیسے وہ جہانگیر کو لوٹنے کے لئے دکان بند ہونے کا انتظار کررہے ہیں۔ روشنیاں گل کرکے وہ دروازہ بند کررہا ہوگا تو ڈاکو اسے گھیر لیں گے۔ شاید تم نے سنا نہیں کہ میں نے اپنے پہنچنے سے پہلے اسے دکان بند نہ کرنے کا مشورہ دیا ہے۔"

"میں نے یہی ایک بات پوری طرح سنی تھی۔" وہ بولی۔ "جب تک تم نہیں پہنچو گے' وہ دکان بند نہیں کریں گے اور جب تک دکان بند نہیں ہوگی' ان پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔ وقت ضائع نہیں ہورہا۔ تم میری بات کا جواب دو۔ مجھے مطمئن نہیں کروگے تو میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"زیادہ تفصیل جاننے کا شوق ہے تو میرا مغز چاٹنے کے بجائے اپنے چہیتے شوہر کو فون کرلو۔" میں نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں مطمئن کرسکتا ہوں' نہ ساتھ لے جاسکتا ہوں۔"

"مجھے یہاں کے در و دیوار سے خوف محسوس ہورہا ہے۔" یکایک اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور وہ فکرمند نظر آنے لگی۔ "لوٹ مار' قتل و غارت اور دہشت کے سائے میں' میں سہم سہم کر مرجاؤں گی۔"

"مایوسی کو اپنے اوپر مسلط نہ کرو۔" اس بار میں نے بھی ہمدردانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "یہ محض اتفاقات ہیں۔ اپنے گھر کی چار دیواری میں تم خیریت سے ہو۔ تھوڑی دیر میں جہانگیر بھی میرے ساتھ لوٹ آئے گا۔ شہر میں رہنے والے ہر وقت ایسے ناگہانی مسائل سے دوچار رہتے ہیں۔ ان سے گھبرانا نہیں چاہیے۔"

سلمٰی کے دل میں دراصل خوف گھر کرچکا تھا جسے وہ بڑی اور غصے کے لبادے میں چھپانے کی کوشش کررہی تھی۔ میں نے چند منٹ کی ہمدردانہ گفتگو کے بعد اسے مطمئن کردیا اور اس نے اپنی گاڑی کی چابی میرے حوالے کرتے ہوئے اپنے ریوالور کے بارے میں استفسار کیا۔

میں نے الجھن آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "تمہیں دوبارہ کوئی دورہ پڑا تو تم پھر اسے اپنے اوپر استعمال کربیٹھوگی۔"

اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔ "میں زندگی کی قدر و قیمت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اسے ذرا سی بات پر ضائع نہیں کیا جاسکتا۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم نے بہت خطرناک حرکت کی تھی۔" میں نے صوفے کے نیچے سے خالی ریوالور اور اس کی گولیاں

Downloaded from https://paksociety.com

نکالتے ہوئے ملامت سے کہا۔

"وہ محض دھمکی تھی۔ مجھے خود نہیں معلوم تھا کہ اس کا سیفٹی کیچ ہٹا ہوا تھا۔"

"المناک حادثے ایسی ہی بے خبری میں ہوتے ہیں۔ آئندہ ایسی حماقت نہ کرنا۔"

گولیاں چیمبر میں ڈال کر میں نے ریوالور کا سیفٹی کیچ لگایا اور اس کے حوالے کر کے فلیٹ سے نکل گیا۔

جہانگیر کی دواؤں کی دکان میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی مگر مجھے یہ معلوم تھا کہ اس نے اپنا وہ کاروبار لی مارکیٹ کے علاقے میں شروع کیا تھا۔

سلمٰی کی سفید کرولا میں قدم رکھتے ہی اول خان کا آدمی کہیں سے نکل کر میرے پاس آگیا۔ نیم تاریکی میں میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ بچل شاہ تھا جو پچھلی شام اول خان کے گھر سے میرا سامان لایا تھا۔

ایس ٹی ایف کے اہلکار میدان میں ہوتے تھے تو ہر وقت مسلح رہتے تھے۔ اس بارے میں مجھے بچل شاہ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے چلنے سے قبل بھرا ہوا پستول اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ آخری ہتھیار کے طور پر بیم گن پہلے سے میری جیکٹ کی جیب میں موجود تھی۔

لی مارکیٹ کراچی کا ایک قدیم اور بارونق علاقہ ہے جہاں آبادی اور ٹریفک میں ہولناک اضافے کی وجہ سے آلودگی، شور وغل اور بھیڑ بھاڑ میں آج بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے مگر پھر بھی اس علاقے کے چیدہ چیدہ حصوں میں قدیم کراچی کی بود و باش کی کچھ کچھ جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

کچھ دیر تک ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد میں اس تنگ اور مصروف سڑک پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جہاں سڑک کی داہنی جانب واقع سامان سے اٹی ہوئی دکانوں کے درمیان گولڈن فارمیسی کا بورڈ دور سے نظر آرہا تھا۔ میں نے گاڑی کی رفتار قدرے سست کر دی۔

دکان روشنیوں سے جگمگا رہی تھی۔ کاؤنٹر کے پیچھے جہانگیر کھڑا ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں سڑک کی طرف مرکوز تھیں۔ بادی النظر میں یہ گمان ہو رہا تھا کہ وہ فٹ پاتھ سے گزرنے والوں میں اپنے گاہکوں کو تلاش کر رہا ہے۔

اس کی دکان سے ذرا پہلے کھڑی ہوئی وہ پرانی اور بوسیدہ کار میری نظروں سے نہ بچ سکی جس کی اگلی نشستوں پر بھاری ڈیل ڈول والے دو افراد موجود تھے۔ گاڑی میں روشنی نہ ہونے کی وجہ سے میں ان کے چہرے نہیں دیکھ سکا لیکن مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہی دونوں میرے حریف تھے۔ کالو مکرانی سے میرا باقاعدہ تعارف نہیں تھا لیکن شہر میں ہیروئن فروشوں کی کارکردگی کا خفیہ جائزہ لیتے ہوئے ایک آدھ بار میں دور سے اسے دیکھ چکا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ ان دونوں سے سامنا ہونے کی نوبت آگئی تو میں کالو مکرانی کو ضرور پہچان لوں گا۔

وہ دونوں گاڑی میں بیٹھے سگریٹوں کا دھواں اڑا رہے تھے اور عقب نما آئینے میں گولڈن فارمیسی کی نگرانی کر رہے تھے۔ ان سے آگے نکلتے ہی ہم جہانگیر کی نظروں میں آگئے۔ سامنے سے آنے والی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی نے ہماری شناخت میں اس کی مدد کی تھی۔

اس نے اضطراری انداز میں ہاتھ کو فضا میں قدرے بلند کر کے مجھے اشارہ کیا۔ میں نے بھی کھلی ہوئی کھڑکی میں سے ہاتھ ہلایا اور گاڑی آگے لیتا چلا گیا۔

ابتدائی طور پر میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میں سلمٰی کی گاڑی بچل شاہ کے حوالے کر دوں اور خود جہانگیر سے جا ملوں۔ اگر ہم دونوں کا پیچھا کیا جائے تو بچل شاہ ہمارے تعاقب کرنے والوں کے پیچھے چل پڑے اور اپنی صوابدید کے مطابق انہیں جہانگیر کے گھر تک نہ پہنچنے دے۔

میں نے گولڈن فارمیسی سے آگے جا کر یوٹرن لینے تک اس تجویز کو اپنے ذہن میں کئی مرتبہ گھمایا اور پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ میرے جہانگیر کے ساتھ مل جانے سے کالو مکرانی ہوشیار ہو سکتا تھا۔ دونوں طرف برابر کی نفری ہونے کی وجہ سے وہ شاید اس رات جہانگیر کے ساتھ کسی ٹکراؤ کا ارادہ ملتوی کر دیتا اور بعد میں زیادہ تیاری کے ساتھ اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرتا۔

اس وقت وہ ہماری نظروں میں تھا۔ کوئی بھی حرکت کرتا تو رنگے ہاتھوں پکڑا جا سکتا تھا۔ اگر وہ اپنے عزائم کو کسی موزوں وقت کے لئے ملتوی کر دیتا تو بعد میں ہمیں اس کے بارے میں کچھ علم نہ ہوتا اور وہ ہماری بے خبری میں کوئی کامیاب وار کر گزرتا۔

دوسری خرابی یہ تھی کہ مجھے جہانگیر کو اپنے ساتھ لے کر ہر حال میں ان لوگوں کے چنگل سے نکل جانا تھا۔ کالو مکرانی اور اس کے ساتھی سے نمٹنے کی ساری ذمے داری بچل شاہ کے کاندھوں پر آجاتی۔ وہ صورتِ حال سے پوری طرح باخبر نہیں تھا۔ اس وجہ سے وہ ان دونوں کے بارے میں عین وقت پر کوئی غلط فیصلہ کر کے نادانستہ طور پر کھیل بگاڑ سکتا تھا۔

سلمٰی کی گاڑی بچل شاہ کو سونپ دینے میں اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے خطرات مرتے جو میرے ذہن میں یکے بعد

Downloaded from https://paksociety.com

دیگرے ابھرتے چلے آئے اور میں نے اپنے اس ارادے پر بچل شاہ سے بات کرنے سے قبل ہی فیصلہ بدل دیا۔

رات گہری ہو چلی تھی۔ اس گنجان اور تنگ سڑک پر واقع بعض دفاتر اور دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ ان کے مالکان کی گاڑیاں روانہ ہو جانے کی وجہ سے کہیں پارکنگ کی جگہ نظر آ رہی تھی۔ میں نے جہانگیر کی دکان سے پہلے ہی ایک خالی جگہ میں اپنی گاڑی اس طرح پھنسا دی کہ ضرورت پیش آنے پر اسے نکالنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

سچویشن کچھ ایسی تھی کہ کالو مکرانی اپنے ہمراہی سمیت گولڈن فارمیسی سے ذرا آگے اپنی گاڑی میں بیٹھا شاید جہانگیر کی نگرانی کر رہا تھا۔ ہم دونوں جہانگیر کے میڈیکل اسٹور سے پہلے براہِ راست دونوں حریفوں کو دیکھ رہے تھے۔ درمیان میں گولڈن فارمیسی کی روشنیاں گل ہو چکی تھیں۔

جہانگیر اس وقت اتنا زیادہ پریشان تھا کہ اس نے شاید میری ایک جھلک دیکھتے ہی اپنی دکان بند کرنے کی تیاری شروع کر دی تھی۔

ذرا سی دیر میں تاریک دکان سے تین سائے باہر فٹ پاتھ پر نکل آئے۔ دوسری دکانوں اور اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں وہ تینوں دور سے ہی پہچانے جا رہے تھے۔ جہانگیر اپنی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے الگ کھڑا رہا۔ بقیہ دونوں ملازمین نے سرکنے والے آہنی جنگلے کھینچنے کے بعد پُرشور آوازوں سے شٹر گرائے اور انہیں مقفل کرنے میں مصروف ہو گئے۔

اپنی ذمے داری پوری کرنے کے بعد انہوں نے چابیوں کا گچھا جہانگیر کے حوالے کیا اور اسے سلام کر کے آگے بس اسٹاپ کی طرف چل دیے۔ جہانگیر اپنی دکان کے سامنے کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ چند ثانیوں میں اس کی گاڑی پارکنگ سے نکل کر سڑک پر رینگ آئی۔

میں اپنی کار کا انجن اسٹارٹ کر کے اعصابی کشیدگی کے عالم میں کالو مکرانی کے ردِعمل کا منتظر رہا۔ جب جہانگیر کی گاڑی رفتار پکڑ کر ان سے آگے نکل گئی تو ان کی کار بھی تیزی سے حرکت میں آ گئی۔ جہانگیر کا شبہ غلط نہیں تھا۔ وہ دونوں خبیث واقعی اس کی روانگی کے منتظر تھے۔

میں نے ان کی سال خوردہ کار کے نمبر ذہن نشین کیے اور ان کے پیچھے چل پڑا۔

"تمہارا دوست سب سے اگلی کار میں اکیلا ہے جبکہ پیچھا کرنے والے دو ہیں۔" بچل شاہ نے ان الفاظ کے ذریعے مجھے اپنے مشاہدے سے آگاہ کیا۔

"بس اسی طرح آنکھیں کھلی رکھو۔ ہمیں دیکھنا ہو گا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ "ویسے وہ اکیلا بھی ان دونوں پر بھاری رہے گا۔"

واپسی کے سفر میں مجھے پہلی بار یہ سوچنا پڑا کہ جہانگیر نے کلفٹن میں رہتے ہوئے اتنے دور افتادہ مقام پر نئے کاروبار کی داغ بیل کیوں ڈالی تھی؟ اس کا سہل ترین جواب یہی ہو سکتا تھا کہ اس نے ناکام ڈاکٹر سے صرف فارمیسی کا لائسنس ہی نہیں' اس کی دکان بھی خریدی ہو گی۔ اس لائن میں ضروری تجربہ حاصل کرنے کے بعد وہ اپنی دکان شہر کے کسی اور حصے میں بھی منتقل کر سکتا تھا۔ اس وقت تک اسے بس ایک سہولت حاصل رہتی کہ سہلی وقت بے وقت اس کی موجودہ دکان پر نازل نہیں ہو سکتی تھی۔

شہر کے قدیم بازاروں کے پرہجوم ٹریفک میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے میں نے یہ بات جلد ہی نوٹ کر لی تھی کہ کالو مکرانی جارحانہ انداز میں جہانگیر کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس نے کہیں بھی اپنی گاڑی کو جہانگیر کی نظروں سے اوجھل یا کسی مخصوص فاصلے پر رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بظاہر یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بائیں طرف سے جہانگیر کی کار کو اوور ٹیک کرنا چاہ رہا ہو۔

لی مارکیٹ کو براہِ راست آئی آئی چندریگر روڈ سے ملانے والی سڑک کے تقریباً وسط میں داہنی طرف کراچی کا روایتی بازارِ حسن واقع ہے جہاں میں کچھ ہی دنوں پہلے عجیب و غریب تجربات سے گزر چکا تھا۔

رات بھیگ چکی تھی۔ اس بازار کے قریب سے گزرتے ہوئے ٹریفک کے تیز شور میں بھی جا بجا سازوں کی پُرشور آواز سنائی دے رہی تھی۔ گلیوں اور گلیاروں میں روشن چلمنوں کے پیچھے بیٹھے ہوئے' بالاخانوں کے مجاور ہارمونیم اور طبلوں پر اونچی اونچی تانیں لگا کر تماش بینوں کو اپنی سجی سجائی دکانوں کی طرف متوجہ کر رہے تھے۔

یہ دوڑ اسی طرح جاری رہی۔ ایم اے جناح روڈ اور نیو چالی کے چوراہوں سے گزر کر ہم آئی آئی چندریگر روڈ پر پہنچے تو ٹریفک کے دباؤ میں نمایاں کمی آ چکی تھی۔

آئی آئی چندریگر روڈ کراچی میں بینکوں' تجارتی اور مالیاتی اداروں کے دفاتر کے سب سے بڑے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان دفاتر میں عام طور پر پانچ بجے چھٹی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کے نیچے میں کراچی کے اس سرے سے نکلنے والے ٹریفک کا دباؤ یکایک بڑھ جاتا ہے۔ مختلف چھوٹے بڑے دفاتر میں چھٹی کا یہ سلسلہ دیر تک چلتا رہتا ہے لیکن

Downloaded from https://paksociety.com

آٹھ بجے کے بعد ٹریفک کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔ نو بجے سڑک پر رواں گاڑیوں کی تعداد میں نمایاں کمی کی وجہ سے یہ سڑک بہت چوڑی نظر آنے لگتی ہے۔ اس وقت ہمارے لئے بھی میدان تقریباً صاف ہی تھا۔

بائیں موڑ پر ہی کالو مکرانی کی پرانی گاڑی' جہانگیر کی کار کے بائیں جانب گھستی چلی گئی۔ جہانگیر نے کسی نمایاں تقسیم سے عاری اس دو رویہ سڑک کے تقریباً وسط میں جا کر اپنے حریف کو آگے نکل جانے کا موقع فراہم کیا مگر وہ شرارت پر آمادہ تھا۔

رفتار بڑھا کر آگے نکل جانے کے بجائے وہ مسلسل جہانگیر کو داہنی طرف دباتا رہا۔ اسی وقت مخالف سمت سے دو بسیں ریس لگاتی اور ایک دوسرے کے متوازی دوڑتی ہوئی سامنے آگئیں۔ جہانگیر مزید راستہ دینے کی کوشش کرتا تو ایک بس اسے بری طرح روند ڈالتی۔

کالو مکرانی کو شاید ایسے ہی کسی موقع کی تلاش تھی۔ اس کی گاڑی کا پچھلا حصہ پرشور آواز کے ساتھ جہانگیر کی کار کے بائیں فینڈر سے ٹکرایا۔ جہانگیر کی گاڑی لمحہ بھر کے لئے لہرائی اور پھر اس نے پورے بریک لگا دیے۔

وہ رکنے پر مجبور تھا کیونکہ تصادم ہوتے ہی کھٹارا گاڑی اپنی جگہ رک گئی تھی۔ فوراً ہی اگلے دونوں دروازوں سے دو خطرناک افراد برآمد ہو کر تیزی سے جہانگیر کی کار کی طرف لپکے۔ جہانگیر کو اپنی نشست سے نکلنے کا موقع دیے بغیر ایک نے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔

میں محض احتیاط کے پیش نظر ان دونوں گاڑیوں سے قدرے فاصلے پر تھا۔ جنرل پوسٹ آفس کے سامنے کئے جانے والے اس دانستہ تصادم کے وقت میں ریلوے اسٹیڈیم کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ بدلتی ہوئی صورتِ حال دیکھتے ہی میں نے رفتار بڑھائی اور لمحہ بھر میں جائے واردات تک پہنچ گیا۔ میں انجن بند کر کے اترا تو بچل شاہ پہلے ہی سڑک پر پہنچ چکا تھا۔

"سالا شرابی..... اندھا ہو کر گاڑی چلاتا ہے۔ تیری....." میرے کانوں میں مغلظات کے ساتھ ایک ہلکی سی کراہ کی آواز آئی۔ ان دونوں میں سے کسی نے اپنی شرارت جہانگیر کے سر تھوپ کر اس کے ساتھ ہاتھا پائی شروع کر دی تھی۔

بچل شاہ نے اپنے ماؤزر کے دستے سے مار پیٹ کرنے والے بدکلام شخص کی گردن پر ایسی شدید ضرب لگائی کہ اس نے بلبلا کر جہانگیر کا گریبان چھوڑ دیا۔ وہ مکا تان کر پلٹا تو بچل شاہ اسے اپنے ماؤزر کی زد پر لے چکا تھا۔

وہ غنڈا گردی شہر کی ایک معروف شاہراہ پر ہو رہی تھی۔ اتفاق سے اس وقت دور دور تک کوئی راہ گیر نظر نہیں آرہا تھا جو اس فیصلہ کن تصادم میں مداخلت کرتا۔ قریب سے گزرنے والی گاڑیوں کے ڈرائیور رفتار کم کر کے وہاں رونما ہونے والے واقعے کا مشاہدہ کر کے اپنی راہ پر بڑھتے رہے۔ کسی نے رک کر دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

دہشت اور ناامیدی کے ساتھ ساتھ وہ تیسرا موذی مرض تھا جو تیزی سے کراچی کے باسیوں کی رگوں میں اتر رہا تھا۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر لوگ ایک دوسرے سے بے تعلق ہوئے جا رہے تھے۔ کوئی بھی دوسرے کے پھٹے میں ٹانگ اڑانے پر آمادہ نہیں تھا۔ کہیں ظلم ہو رہا ہو تو خاموشی سے تماشا دیکھتے رہو' دیکھنے کی تاب نہ لا سکو تو اپنی آنکھیں بند کر لو کہ اسی میں عافیت ہے۔ پتا نہیں ظالم کا ہاتھ کتنا دراز ہو۔ اس کی پہنچ کہاں تک ہو۔ وہ اپنے شکار کو بھول کر تمہارا ہی بھرتا نہ بنا دے۔

وہ کیفیت افسوس ناک تھی مگر اس وقت اس کا تمام تر فائدہ ہمیں پہنچنے کی امید تھی۔ میں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا کہ جہانگیر کو تشدد کا نشانہ بنانے والا کالو مکرانی تھا۔ بچل شاہ کے ہاتھ میں دبے ہوئے ماؤزر کی دہشت ناک نال دیکھ کر ان دونوں نے ہاتھ اوپر اٹھا لئے تھے۔

"تم کون لوگ ہے.....؟ یہ ہمارا گاڑی کو سائیڈ مارا ہے۔ تم اس پھٹے میں کیوں پڑتا ہے؟" کالو مکرانی نے اپنے اوسان پر قابو پاتے ہوئے احتجاج کیا۔

"جلدی سے گاڑی میں پیچھے بیٹھو۔" بچل شاہ نے حقارت سے اس کی پنڈلی پر ٹھوکر مار کر ماؤزر کی نال سے جہانگیر کی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

کالو کے حلق سے غراہٹ سے مشابہ چیخ برآمد ہوئی۔ اس نے پھر منہ کھولنا چاہا لیکن بچل شاہ نے سفاکانہ انداز میں ایک قدم اس کی طرف بڑھا کر کہا۔ "جو کہا جا رہا ہے اس پر فوراً عمل کرو ورنہ تم دونوں کو ٹھوکروں سے اڑا دوں گا۔"

اس وقت تک جہانگیر بھی سنبھل کر کار کی ڈرائیونگ سیٹ سے نکل آیا تھا۔ وقت اور حالات کے تحت اس نے شریفانہ چلن اپنا لیا تھا ورنہ ایک زمانے میں وہ خود بھی دادا گیر ہوا کرتا تھا۔ اس نے ہاتھ گھما کر پیچھے سے کالو کے داہنے جبڑے پر اتنا زوردار مکا رسید کیا کہ اس کے دانت بج کے رہ گئے۔ میں کالو کے ساتھی کے سر پر سوار تھا۔

ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں بھی مسلح رہے ہوں لیکن انہوں

Downloaded from https://paksociety.com

نے ہتھیاروں کے بجائے محض اپنے زورِ بازو سے جہانگیر کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کی تھی اور اس میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ وہ اس وقت بچل شاہ کے ماؤزر کی زد میں تھے' اس کے جارحانہ تیور دیکھ چکے تھے اس لئے دروازے کھول کر زیرِلب کچھ بڑبڑاتے ہوئے جہانگیر کی گاڑی کی عقبی نشست پر بیٹھ گئے۔

اس سے پہلے کہ کالو کا ساتھی دروازہ بند کرتا' میں نے اس کی کنپٹی پر ایک زوردار اور نپا تلا مُکا رسید کیا۔ اس کے منہ سے کراہنے کی آواز نکلی۔ اس نے کسی اندھے کی طرح فضا میں اپنے دونوں ہاتھ یوں لہرائے جیسے ڈوبنے سے بچنے کے لئے کسی چیز کو پکڑنے کی کوشش کررہا ہو پھر کسی مُردے کی طرح گردن ڈال کر وہیں ڈھیر ہوگیا۔

میرے اور بچل شاہ کے درمیان پہلے سے کچھ طے نہیں تھا لیکن مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ موقع کی نزاکت بھانپ کر اس نے مجھ سے کوئی ہدایت لئے بغیر کالو مکرانی کے ساتھ بعینہٖ وہی سلوک کیا تھا۔

میں نے جہانگیر کی کار کا پچھلا دروازہ بند کرتے ہوئے اسے ہدایت کی۔ "تم سلمٰی کی گاڑی لے کر فوراً گھر پہنچ جاؤ۔ اس واقعے کے بارے میں کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں تھوڑی دیر میں گھر واپس پہنچوں گا تو طے کیا جائے گا کہ اب کیا کرنا ہے۔"

"کہو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔" اس نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی۔ "آج برسوں بعد کسی پر ہاتھ اٹھایا ہے تو خون گرم ہوگیا ہے۔ میں تمہارا کام کافی آسان کردوں گا۔"

"باسی کڑھی کے اس ابال کو بھول کر فوراً یہاں سے دفع ہوجاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ پیچھے سے سیم یہاں پہنچ کر تمہارا گریبان تھام لے" میری وہ دھمکی کارگر رہی اور وہ مزید کچھ کہے بغیر فوراً سلمٰی کی گاڑی کی طرف بڑھ گیا جس کی چابی اگنیشن میں موجود تھی۔

اس تصادم میں پہل ہمارے حریفوں نے کی تھی لیکن وہ اپنی پہل کا کوئی فائدہ اٹھانے میں سرے سے ناکام رہے تھے۔ میری اور بچل شاہ کی بروقت مداخلت نے ان کا مذموم منصوبہ ناکام بنادیا تھا۔ بظاہر وہ تیز ترانداز میں پیش آنے والے واقعات کا ایک تسلسل تھا جو ذرا سی دیر میں نمٹ گیا تھا۔ اس سے قبل کہ کسی غیر متعلقہ فریق کو رکنے اور مداخلت کرنے کا دھیان آتا' سب کچھ نارمل ہوچکا تھا۔ بس سڑک کے وسط میں دو آپس میں ٹکرائی ہوئی گاڑیاں کھڑی رہ گئی تھیں۔

ہم دو افراد تھے' گاڑیاں بھی دو ہی تھیں۔ کالو مکرانی کی کھٹارا اگر یوں ہی سڑک کے وسط میں چھوڑ دی جاتی تو بہت جلد ٹریفک پولیس وغیرہ کی نظروں میں آجاتی۔ میں نے بچل شاہ کو وہ گاڑی وہاں سے لے جاکر صدر میں کسی جگہ پارک کرنے کی ہدایت کی اور پھر جہانگیر کی کار میں دو بے ہوش قیدیوں کو لے کر اس کے پیچھے ہولیا۔

بچل شاہ نے اخبارات کے دفاتر والے' شب و روز مصروف رہنے والے علاقے میں وہ کھٹارا ایک گلی میں پارک کردی۔ میں مین روڈ پر اس کا منتظر رہا' گاڑی چھوڑ کر اور اس کی چابی پائیدان پر پھینک کر وہ چند لمحوں میں میرے پاس پہنچ گیا اور میں نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھادی۔ اس دوران میں جہانگیر ہم سے بہت دور نکل کر نگاہوں سے اوجھل ہوچکا تھا۔

"اب ان دونوں کا کیا کرنا ہے سر!" اسی سڑک پر شاہین کمپلیکس کے چوراہے سے گزرنے کے بعد بچل شاہ نے دھیمی اور پُرسکون آواز میں پوچھا۔

میرا ذہن بھی اسی مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ ہم نے جہانگیر سے الجھنے والوں کو پکڑ کر بے ہوش ضرور کرلیا تھا مگر ان کا مصرف میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ان کا قصور اتنا سنگین نہیں تھا کہ انہیں بے رحمی سے ختم کردیا جاتا۔ ان کے اصل عزائم کی نشاندہی باز پرس کے بعد ہی ہوسکتی تھی۔ انہیں کہیں قید کیا جاتا تو ان کی طویل غیر حاضری پر سیم نامی خوبرو عورت جہانگیر کی گولڈن فارمیسی کے خلاف کوئی بڑا ہنگامہ کھڑا کرسکتی تھی۔ ہم اس کے ٹھکانے سے باخبر ہوتے' تب بھی اس آزاد خیال یا شاید بے راہ رو عورت پر ہاتھ نہ ڈالتے اور وہ ہم سب کے لیے مشکلات پیدا کردیتی۔

میری طرف سے فوراً جواب نہ ملنے پر بچل شاہ نے اپنی بات جاری رکھی "فکرمندی کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ چھوٹی جگہ پر یہ ہوش میں آتے ہی اودھم مچائیں گے۔ ابھی ان کو سیدھے اسٹیشن فورلے چلتے ہیں وہاں ان کے دماغوں کے کیڑے جھڑ جائیں گے۔"

اس کی تجویز بہت مناسب تھی۔ میں نے اتفاق ظاہر کرتے ہوئے کہا "فاصلہ بہت طویل ہے۔ یہ دونوں مُردوں کی طرح بے ہوش پڑے ہوئے ہیں۔ راستے میں کوئی پولیس پارٹی نہ روک لے۔"

اسٹریٹ لیمپس کے بار بار گھٹتے بڑھتے انعکاس میں مجھے اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی فاخرانہ مسکراہٹ نظر آئی اور وہ بولا "سر! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پولیس کی فکر ہی نہ کرو۔ ہماری فورس والوں کو ہر قدم پر پولیس کی رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑے تو ہم ایک دن بھی کام نہیں کرسکتے۔"

مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا۔ مزید تجسس بے سود تھا۔ مجھے یاد آیا کہ ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کی وجہ سے میں پہلے بھی پولیس والوں کی چھان بین سے بچ چکا تھا۔ ہماری گاڑی شارعِ فیصل پر جانے کے لیے فلیٹ کلب والی سڑک پر پہنچی تو وہاں پیٹرول پمپ کے قریب' اندھیرے میں پولیس کی ایک سوزوکی موبائل کھڑی ہوئی تھی۔ مسلح اہل کار کئی گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں کو روکے کاغذات کی دیکھ بھال اور تلاشی میں مصروف تھے۔

وہاں سے گزرنے والے ٹریفک میں سے مشتبہ گاڑیوں کو [illegible] جانے والی گاڑیوں

Downloaded from https://paksociety.com

سے کوئی تعرض نہ کیا تو مجھے خوشی ہوئی کہ شاید بچل شاہ کو اپنی شناخت کی اہمیت بتانے کا موقع نہ مل سکے مگر اس مسلح سپاہی نے گویا دور ہی سے میرے دل کی تحریر پڑھ کر مجھے رواں ٹریفک سے الگ ہو کر رکنے کا اشارہ کیا اور میں نے بادلِ ناخواستہ کار کی رفتار کم کر کے اسے بائیں طرف کاٹنا شروع کر دیا۔

گاڑی رکتے رکتے کئی مسلح سپاہیوں نے چھپتی ہوئی عقابی نظروں سے ہمارا جائزہ لیا اور عقبی نشست پر موجود بے حس و حرکت افراد کو دیکھ کر چوکنا ہو گئے۔ انہوں نے کسی امکانی مزاحمت سے نمٹنے کے لیے اپنے خود کار ہتھیار سیدھے کر لیے تھے۔

"اوئے! انجن بند کر کے نیچے اتر آؤ تم دونوں!" ایک ادھیڑ عمر پولیس افسر نے ہماری رینگتی ہوئی کار سے دور ہٹ کر ہمیں للکارا۔

"سر! تم اندر بیٹھے رہو۔ میں انہیں سمجھا لیتا ہوں" گاڑی رکتے ہی بچل شاہ یہ کہہ کر نیچے اتر گیا۔ اس نے پولیس کی مسلح نفری کو اپنی نیک نیتی کا یقین دلانے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلا کر قدرے اوپر اٹھا لیے تھے۔

"وہیں ٹھہرجا....." میرے کانوں میں ادھیڑ عمر افسر کی شناسا مگر اضطراری آواز آئی "تیرا ساتھی گاڑی میں کیوں مرا ہوا ہے اور اندر دو لاشیں کس کی ہیں؟"

اس کی زبان سے لاشوں کے ذکر نے سنسنی پھیلا دی۔ بیک وقت کئی رائفلوں میں میگزین چڑھائے جانے کی خوفناک آوازیں سنائی دیں۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں مفروضہ خطرے کے پیشِ نظر ان میں سے کوئی گولی نہ چلا دے۔

مجھے دروازے پر لگے ہوئے عقب نما آئینے میں پیچھے کا منظر نظر آ رہا تھا۔ توہین آمیز للکار سنتے ہی بچل شاہ اپنی جگہ جم کر رہ گیا پھر اس کی سپاٹ آواز ابھری "وہ لاشیں نہیں، دو مریض ہیں..... مجھے روک دیا ہے تو خود آگے آ کر میری جامہ تلاشی لے ڈالو۔ میری شناخت کے بعد تمہارے سارے اعتراضات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔"

"دیکھ لو..... شاہ جی! ذرا بڑھ کر دیکھ لو" وہ کسی افسر کی تحکمانہ آواز تھی "یہ اپنی ہی کسی ایجنسی کا بندہ معلوم ہو رہا ہے۔"

میں اس نامعلوم افسر کے مشاہدے پر حیران رہ گیا۔ شاید اس نے محض بچل شاہ کے لب و لہجے میں پوشیدہ اطمینان سے یہ اندازہ لگا لیا تھا۔

ایک باوردی سایہ رائفل تانے، بچل شاہ کے قریب آیا اور چند لمحوں بعد ہی واپس لوٹ گیا۔ بچل شاہ اطمینان سے واپس میرے پہلو میں آ بیٹھا "سر! نکل چلو، بات ہو گئی۔"

وہ ایک دشوار مرحلہ تھا جو خیر و خوبی سے گزر گیا اور ہم دوبارہ اپنی راہ پر ہو لیے۔

شارعِ فیصل پر آنے کے بعد بچل شاہ نے نشست پر یوں پہلو بدل لیا کہ بے ہوش قیدی اس کی نظروں میں رہ سکیں۔ میرے اندازے کے برعکس وہ راستے بھر دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر پڑے رہے اور ہم طویل راستہ طے کر کے ملیر چھاؤنی کے علاقے میں واقع اسپیشل ٹاسک فورس کے کیمپ آفس میں پہنچ گئے۔

جب سے سراب گوٹھ کے مضافات میں امریکی بحریہ کا ایک ہیلی کاپٹر کمانڈوز کی بھاری نفری کے ساتھ جل کر راکھ کا ڈھیر ہوا تھا اور پھر وہیں پر راس المیڈا ویرا کے ہاتھوں مارا گیا تھا، ایس ٹی ایف والوں نے متروک بیرکوں میں واقع ٹھکانے کو خیرباد کہہ کر ملیر چھاؤنی میں ایسا پڑاؤ ڈالا تھا کہ ایک مدت گزر جانے کے بعد یہ وہیں مقیم تھے۔

اول خان مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ جب تک ملیر چھاؤنی میں بھیجی جانے والی کسی نئی رجمنٹ کو اس قطعۂ زمین کی ضرورت پیش نہیں آتی، اسٹیشن فورہیں برقرار رہے گا۔

وہاں کے رنگ ڈھنگ میرے لیے نئے نہیں تھے۔ وہاں پہنچنے کے بعد ہمیں کسی کے ساتھ سر نہیں کھپانا پڑا۔ ملک و قوم کے خفیہ اور معزز دشمنوں کی سرکوبی میں شب و روز مصروف رہنے والے جوانوں نے مشینی انداز میں دونوں قیدیوں کو لمبی بیرک کے ایک کمرے میں پہنچا دیا۔

اس ذمے داری سے نمٹنے کے بعد بچل شاہ کو اپنے ساتھی کا خیال آیا اور اس نے اپنا اپریٹس آن کر کے اس سے رابطہ قائم کرنا چاہا تو اس پر اول خان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ میری سمجھ میں نہ آنے والی کسی جناتی زبان میں کچھ بول رہا تھا۔

اول خان کے بیان کے مطابق اس فری کوئنسی پر کام کرنے والے صرف چار اپریٹس فیلڈ میں تھے۔ دو میرے اور بچل شاہ کے پاس تھے۔ تیسرا خود اول خان کے استعمال میں تھا۔ چوتھا اس محافظ کے پاس تھا جو جہانگیر کے گھر پر مامور تھا۔

صاف ظاہر تھا کہ اول خان چوتھے آدمی سے بات کر رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اس وقت کراچی سے کافی دور نکل چکا ہو گا۔ اس کے باوجود وہ ہماری دسترس میں تھا۔

جوں ہی گاڑی کے انجن اور ریڈیائی لہروں کے ملے جلے شور میں اول خان کی آواز معدوم ہوئی، بچل شاہ نے اپنے اپریٹس کا ٹرانس میٹنگ بٹن دبا کر اسی جناتی زبان میں چند فقرے ادا کیے پھر بولا "ہم دو آدمی اپنے گھر لے آئے ہیں۔ یہاں پوری خیریت ہے..... جہانگیر اپنے گھر پہنچ چکا ہو گا..... اوور۔"

"شکر ہے کہ تمہیں اپنا اپریٹس آن کرنے کا ہوش آ گیا" اول خان کی تلخ آواز ابھری "میں نوری آباد سے آگے نکل چکا ہوں مگر تم دونوں کی طرف سے پریشان تھا۔ جہانگیر کے گھر پہنچنے کی رپورٹ مجھے مل چکی ہے، ڈیڑھ سے میری بات کراؤ۔"

میرا اپریٹس اس وقت بھی آف تھا۔ بچل شاہ نے اپنا ٹرانسمیٹر میری طرف بڑھا دیا۔

"سوری خان!" میں نے فوراً کہا "مجھے معلوم نہیں تھا کہ

Downloaded from https://paksociety.com

تمہارے اس سسٹم کی ریچ اتنی زیادہ ہے ورنہ میں اب تک دس بار تم سے بات کرچکا ہوتا۔ میں تمہاری کمی شدت سے محسوس کررہا تھا۔ تمہاری آواز سن کر میرے آدھے تفکرات ختم ہوگئے ہیں۔"

"تفکرات سے پہلے یہ بتاؤ کہ جہانگیر کو کیا خطرہ درپیش تھا" اس نے مطالبہ کیا۔

مجھے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔ اسے پورے واقعات سے آگاہ کرنے کے بعد میں نے یہ بھی بتادیا کہ کالو مکرانی کو اس کے ساتھی سمیت بے دست وپا کرلینے کے بعد میں کن ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہوچکا تھا۔

"تم بے فکر ہوکر ان کی زبانیں کھلواؤ۔ میں واپسی پر ان کا کوئی بندوبست کرلوں گا۔ اگر ان کے عزائم سنگین تھے تو انہیں پولیس کی تحویل میں بھی دیا جاسکتا ہے۔ صبح تک نسیم بھی زبان نہیں کھولے گی۔ اس سے پہلے میں کراچی لوٹ آؤں گا۔ ان الزامات میں پولیس آسانی سے نسیم کو اٹھالے گی۔"

ان تینوں کو ان کے حلقوں سے کاٹ کر پولیس کی تحویل میں دینے کی بات بہت موزوں تھی۔ یہ امکان غالب تھا کہ انہوں نے اپنی مجرمانہ سازش میں رازداری کا پورا اہتمام رکھا ہوگا۔ جب تک نسیم کو ان دونوں کی واپسی کی طرف سے مایوسی نہ ہوجاتی' وہ دوسروں کو کچھ نہیں بتاسکتی تھی۔ اس کا پہلا اور امکانی ردعمل یہ ہوتا کہ وہ اگلے دن گولڈن فارمیسی کھلنے کا بے تابی سے انتظار کرتی اور پھر جہانگیر کے سریر مسلط ہوکر اس سے اپنے دونوں ساتھیوں کے بارے میں حقائق اگلوانے کی کوشش کرتی۔ اس کے بعد ہی وہ پولیس یا زیرِ زمین دنیا کے خطرناک افراد سے رجوع کرسکتی تھی۔

ان دونوں کے بارے میں مختصر سی گفتگو کے بعد اول خان نے کھٹمول راجوانی کا ذکر چھیڑدیا۔ وہ اپنے سفر کا بڑا حصہ طے کرچکا تھا مگر پھر بھی خاصی مسافت باقی تھی۔ شیطان کی آنت کی طرح طویل سپرہائی وے پر وقت گزاری کے لیے یہ مشغلہ نہایت مناسب تھا۔ اس کی گفتگو کے درمیان کہیں کہیں سلطان شاہ بھی چمک کر اپنی موجودگی کا ثبوت دے رہا تھا۔

گفتگو کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد میں نے اپنا اپریٹس بھی آن کرلیا تاکہ میں بچل شاہ کی غیر موجودگی میں بھی دوسروں سے رابطے میں رہ سکوں۔

تھوڑی دیر بعد اطلاع ملی کہ دونوں قیدی ہوش میں آرہے ہیں۔ ہم دونوں اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں فرش پر بستروں کے سوا کوئی سہولت موجود نہیں تھی۔ ان دونوں کے ہاتھ پشت پر باندھ دیے گئے تھے اور وہ پُرتشویش انداز میں پلکیں جھپکا رہے تھے۔

دروازہ کھلتے ہی ان کی ہراساں نظریں ہمارے چہرے پر مرکوز ہوگئیں جن میں میرے لیے شناسائی کا ذرا سا بھی شائبہ نہیں تھا۔

"تم لوگ کون ہے' ہم کدھر ہے؟" کالو مکرانی نے اپنے مخصوص لب ولہجے میں زبان کھولی۔

میں نے پُرسکون انداز میں آگے بڑھ کر اس کے منہ پر زوردار طمانچہ رسید کردیا۔ تڑاخ کی آواز کے ساتھ اس کا منہ پھر گیا۔

"دونوں اپنے نام اور رتے بتاؤ" میں نے غرا کر حکم دیا "کوئی سوال کرنے کی کوشش کی تو ادھیڑ کر رکھ دیے جاؤ گے۔"

کالو مکرانی کے ساتھی کا نام قاسم تھا اور وہ دونوں میراں ناکا کے رہنے والے تھے۔ کالو مکرانی کہہ رہا تھا "نام پتا' سب لے لو مگر ئی باپ' یہ ظلم ہے۔ ہم لوگ نے کچھ نہیں کیا۔ دوسرا آدمی نے ہمارا گاڑی کو سائیڈ مارا تھا۔۔۔"

اس بار کالو مکرانی کے لیے میرا مکا زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوا۔ میں نے پوچھا "تم اس شریف آدمی کا پیچھا کیوں کررہے تھے؟ کیا اسے نادان کے لیے اغوا کرنے کا ارادہ تھا؟"

"اڑے قاسو مردارا تم بھی بولونی۔ وہ تمہارا عورت کو کیا بولتا تھا" کالو دوسری بار مار کھا کر اپنے ساتھی پر برس پڑا۔

"وہ ہمارا بیوی کو چھیڑتا تا۔ ہم لوگ اسی کا بات کرنے آیا تھا" قاسم نے بھاری آواز میں کہا۔

نسیم سے اس کا رشتہ معلوم ہوتے ہی میری ساری توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی "تو وہ بدمعاش عورت تمہاری بیوی ہے! وہ روز وہاں سے دوائیں لینے کیوں جاتی تھی؟"

"گالی نہیں دو۔۔۔ ہمارا عورت کو گالی نہیں دو" قاسم نے تلخ لہجے میں احتجاج کیا "بیمار لوگ کا واسطے دوا لینا جرم نہیں ہے۔"

اس بار میں نے اسے مکوں پر رکھ لیا۔ میری نظروں میں وہ کالو سے زیادہ قابلِ نفرت تھا۔ خود پسِ پردہ رہ کر اپنی بیوی سے مجرمانہ مفادات کے حصول میں مدد لیتا تھا۔

ذرا سی دیر میں مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ دونوں ہی ڈھیٹ اور ضدی تھے۔ ان سے آسانی سے کچھ نہیں اگلوایا جاسکتا تھا۔ اپنے سوالات سے میں نے انہیں یہی تاثر دینے کی کوشش کی تھی جیسے ہمارا تعلق امن وامان برقرار رکھنے والے کسی خفیہ ادارے سے ہو۔

بچل شاہ تابعدارانہ انداز میں میرے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ کالو کا بتایا ہوا پتا ایک کاغذ پر نوٹ کرچکا تھا۔ میں نے اس کی طرف متوجہ ہوکر کہا "آدمی بلاؤ۔ یہ تھرڈ ڈگری چاہتے ہیں تو پھر یہی سہی۔"

دونوں نے میرے تیور بھانپ کر فوراً ہی شور مچانا شروع کردیا مگر بچل شاہ ان پر دھیان دیے بغیر تیزی سے باہر نکل گیا۔ اچانک تشدد سے ان دونوں کو تحیر زدہ کردینے کے بارے میں ہمارے درمیان پہلے ہی مشورہ ہوچکا تھا۔

چند منٹ بعد بچل شاہ واپس آیا تو اس کے ساتھ چست لباس میں ملبوس' کسرتی جسم والا ایک فسٹ آور کمانڈو بھی موجود تھا۔ اس نے آتے ہی نیم فوجی انداز میں مجھے سلام کیا اور اگلے ہی لمحے پھرتی سے فضا میں اڑتا ہوا ان دونوں پر جاپڑا۔ کمرا ان دونوں کی بے

Downloaded from https://paksociety.com

ساختہ چیخوں سے گونج اٹھا۔ فضا میں تیزی سے گردش کرتی ہوئی ایک لات ہی قاسم کا جبڑا ادھیڑ کر کالو کے سینے پر پڑی تھی اور وہ دونوں منگے فرش پر ڈھیر ہو چکے تھے۔

ان دونوں کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے لڑھک کر فرش سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن نووارد کمانڈو کسی برقی کوندے کی طرح دوبارہ ان پر ٹوٹ پڑا۔ وہ مارشل آرٹ میں نمایاں مہارت رکھتا تھا۔ اس نے ان دونوں کو اس بری طرح اپنی فلائنگ کک اور کھڑی ہتھیلی کے واروں پر لیا کہ وہ بار بار سنبھلنے کے باوجود دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑے نہ ہو سکے۔ اونچی چھت والا وہ سیل یا قید خانہ ان کی درد آمیز چیخوں سے گونجتا رہا۔

کافی تشدد سہہ لینے کے بعد بھی ان کے کس بل برقرار نظر آرہے تھے۔ میں خاموش کھڑا تماشا دیکھتا رہا۔ ایس ٹی ایف کا مشاق کمانڈو پوری تن دہی سے انہیں تاک تاک کر نشانہ بناتا رہا۔ پہلے وہ چیخوں کے درمیان دنیا جہان کی قسمیں کھا کھا کر اپنی بے گناہی کا اعلان کرتے رہے۔ حالت ابتر ہونے کے بعد انہیں اپنے اس دعوے کا ہوش نہیں رہا۔

میرے ساتھ پہلی بھی ان کی سخت جانی پر حیران تھا۔ اچانک اور تیزی سے ہونے والا جسمانی تشدد اکثر بڑے بڑے سورماؤں کو چند لمحوں میں حواس باختہ کر دیتا ہے مگر وہ اپنے چہرے بگڑ جانے کے باوجود کسی اعتراف پر آمادہ نہیں تھے۔

یہ طویل سلسلہ تقریباً آٹھ دس منٹ تک جاری رہا۔ کالو پٹتے پٹتے بے ہوش ہو گیا تو قاسم کے اعصاب بھی جواب دینے لگے۔ آخر کار وہ رحم کے لیے چیخ ہی پڑا۔

قاسم کو اس کی فرمائش پر پانی پلایا گیا تو اس نے پہلا گھونٹ فرش پر الٹ دیا۔ اس کے دہانے سے برآمد ہونے والا پانی لہو رنگ تھا۔ گہرے گہرے سانسوں اور کراہوں کے درمیان اس نے پانی کا پورا گلاس خالی کر دیا پھر آنکھیں موند کر تھکے ہوئے انداز میں ہانپنے لگا۔

"اب تم نے فوراً بولنا شروع نہ کیا تو مار مار کر تمہاری ساری پسلیاں توڑ دی جائیں گی" میں نے سفاکانہ لہجے میں اسے وارننگ دی۔

اس نے دہشت زدہ ہو کر فوراً ہی آنکھیں کھول دیں اور رک رک کر التجا کی کہ اس کی پشت پر بندھے ہوئے ہاتھ کھول دیے جائیں۔ میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ اسے ذرا سی بھی رعایت دی جاتی تو وہ اپنی قوت یکجا کر کے دوبارہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر سکتا تھا۔

وہ شاید گفتگو بلکہ اعتراف کی ابتدا کے لیے مناسب الفاظ کا انتخاب کر رہا تھا۔ میں نے اس پر اپنا دباؤ بڑھانے کے لیے کمانڈو کو آنکھ سے اشارہ کیا اور اس نے جھپٹ کر قاسم کو بے رحمی سے فرش پر گرا کر دوبارہ ادھیڑنا شروع کر دیا۔

"چھوڑ دو..... چھوڑ دو..... خدا کے لیے ہم کو چھوڑ دو..... میں سب بتاتا ہوں" وہ بلبلا اٹھا۔

میرے ایما پر کمانڈو نے اپنی کارروائی دوبارہ ملتوی کر دی مگر اس بار وہ جارحانہ انداز میں بازو پھیلا کر قاسم کے سر پر کھڑا رہا۔

اس نے سب سے پہلا اعتراف یہ کیا کہ وہ دونوں جہانگیر کو کسی ویرانے میں لے جا کر اس سے معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وہاں سے سوال و جواب کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا جس کے اختتام پر ایک واضح تصویر سامنے آچکی تھی۔

کالو اپنے علاقے کا ایک بدنام ہیروئن فروش تھا۔ اس کام میں چھوٹے موٹے لوگوں کے درمیان مسابقت اور پھر علاقہ پولیس کے بڑھتے ہوئے مطالبات کی وجہ سے وہ اس کام کو چھوڑ چکا تھا اور چھوٹی موٹی وارداتوں پر گزارہ کر رہا تھا۔ قاسم اس کا پرانا دوست اور ہم پیشہ تھا۔ نسیم اپنے شوہر اور کالو کو ہمیشہ زیادہ سے زیادہ مال بنانے پر اکساتی رہتی تھی تاکہ وہ بھی علاقے کی امیر عورتوں کی طرح خوب بناؤ سنگھار کے ساتھ عیش و عشرت کی زندگی گزار سکے۔

پچھلے چند مہینوں سے وہ لوٹ مار میں ان کے ساتھ شریک ہو چکی تھی۔ وہ بڑی دکانوں کے مالکان سے تیزی سے اپنا ربط ضبط بڑھاتی تھی۔ اس کے تاڑے ہوئے مرد اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے نسیم کے حسن پر ریجھ کر اس کے جال میں پھنس جاتے تھے اور وہ ان سے مال حاصل کرتی رہتی تھی۔ جوں ہی دوسری طرف سے کوئی ناروا جوابی مطالبہ زور پکڑتا، نسیم منظر سے غائب ہو جاتی۔ کالو اور قاسم دکان دار کو ڈرا دھمکا کر ایک موٹی رقم اینٹھ لیتے تھے۔

جہانگیر بلکہ قاسم کے کہنے کے مطابق جہانگیر سیٹھ، نسیم کا پانچواں شکار تھا۔ وہ اپنی جھجک کی وجہ سے کبھی حرفِ مدعا زبان پر نہیں لا سکا۔ نہ نسیم نے اس سے کبھی رقم کا مطالبہ کیا۔ قیمتی دوائیں آدھی قیمت دے کر اس نے خود ہی اپنی نظر بازی کا معاوضہ طے کر دیا تھا۔ جوں ہی اس نے نسیم سے دواؤں کی پوری قیمت طلب کی، نسیم نے سمجھ لیا کہ یہ سلسلہ مزید دراز نہیں ہو سکے گا۔

وہاں تک سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ خرابی کی ابتدا اس وقت ہوئی، جب نسیم کی نشان دہی پر وہ دونوں گولڈن فارمیسی پہنچے۔ کالو نے پہلی ہی نظر میں جہانگیر سیٹھ کو پہچان لیا جو ایک زمانے میں شی کی طرف سے اس کا باس ہوا کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جہانگیر سیٹھ نے اسے نہیں پہچانا تھا۔ وہ بھی انجان بنا رہا اور یوں اس سے پانچ ہزار روپے ہتھیانے میں کامیاب ہو گیا۔

وہاں سے واپسی پر کالو نے قاسم کو بتایا کہ جہانگیر شی کے دنوں میں ڈپٹی کا گہرا یار ہوا کرتا تھا اور ڈپٹی کی گرفتاری کے لیے انگریزوں نے بہت بڑا انعام مقرر کیا ہوا تھا۔ اس کی دانست میں امریکیوں سمیت ہر گورا انگریز ہی ہوتا تھا۔

گھر لوٹ کر کالو نے چند روز پرانے اخبار میں اسے میرے بارے میں چھپنے والا انعامی اشتہار دکھایا۔ قاسم سے زیادہ نسیم کی

Downloaded from https://paksociety.com

رال ٹپک پڑی۔ اگر وہ تینوں جہانگیر سیٹھ سے میرا پتا ٹھکانا معلوم کرنے میں کامیاب ہوجاتے تو راتوں رات کروڑپتی بن سکتے تھے۔

انہوں نے جہانگیر سیٹھ کو کوئی مہلت دیے بغیر گھیرنے کا فیصلہ کیا اور رات ہوتے ہی اس کی دکان کی نگرانی کرنے پہنچ گئے۔

کالو کا خیال تھا کہ کراچی میں شی اور مافیا کے ٹوٹ جانے کے بعد شہر کی ہیروئن کی منڈی ہرایرے غیرے کے لیے کھل گئی تھی۔ جس کا دل چاہتا' سرحدی علاقوں سے دو چار کلو مال لاکر کراچی میں پھینک دیتا تھا۔ اس خلا کو رفتہ رفتہ کھٹمل راجوانی پُر کررہا تھا۔ اس نے منڈی کے پرانے آدمیوں کو خرید کر زیرِزمین لین دین پر اپنی گرفت مستحکم کرنی شروع کردی تھی۔ کالو کو حسرت تھی کہ اس وقت اسے کہیں سے کوئی بڑی رقم مل جاتی تو وہ اپنے پرانے تجربے کی بنا پر چند ہی روز میں کراچی کا ہیروئن کنگ بن سکتا تھا۔ جہانگیر سیٹھ کے ذریعے میرا سراغ ملنے کی صورت میں اسے اپنا وہ خواب پورا ہوتا نظر آرہا تھا۔

میرے لیے یہ بات نئی نہیں تھی کہ کالو کو کروڑوں روپے سے زیادہ دلچسپی ہیروئن کنگ بننے سے تھی۔ جرائم کی دنیا میں آئزک بیل جیسے طاقت ور مجرم سے لے کر کالو جیسے بے بساط مہرے تک' ہر شخص پیسے سے زیادہ اقتدار' جاہ و حشم اور دھاک کا متمنی ہوتا ہے۔ آئزک بیل تو گرہ کا مال خرچ کرکے شی اور ڈیوڈ اسٹار زپر قابض ہوا تھا۔

قاسم نے سرمائے کے حصول میں کالو کی گہری دلچسپی کے جواز کے طور پر کراچی کی ہیروئن مارکیٹ کے خلا اور اس پر کھٹمل راجوانی کی قابض ہونے کی کوششوں کا ذکر کیا تھا جس پر میرا چونکنا فطری امر تھا۔ وہ زیرِزمین دنیا کا کوئی معروف غنڈا یا دادا گیر نہیں تھا جس کی ہیبت سے کالو اور قاسم جیسے بدمعاش تھراتے ہوں۔ وہ ملک کا ایک معزز اور نامور جاگیردار تھا جو سیاست میں بھی اپنا ایک مقام رکھتا تھا۔ میرے لیے اس کا مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہونا ایک مسلمہ امر تھا لیکن وہ اس قدر کھلے بندوں جرائم پیشہ افراد سے میل جول قائم رکھنے کی حماقت نہیں کرسکتا تھا کہ ہر کس وناکس کی زبان پر اس کا چرچا عام ہوجائے۔

قاسم نے تشدد کی دہشت اور بدحواسی کے عالم میں اپنی جان بچانے کے لیے برسبیلِ تذکرہ کھٹمل کا نام لے دیا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت وہی ملعون بہروپیا میرا اکلوتا ہدف تھا۔ نسیم کے حسنِ بدباطن میں جہانگیر کی ذرا سی دلچسپی سے شروع ہونے والے اس قصے کا نیا موڑ میرے لیے دلچسپ ہی نہیں' سنسنی خیز بھی تھا۔

میرا کھٹمل کے ذکر پر چونکنا ایک فطری فعل تھا لیکن میں نے قاسم کو کہیں نہیں ٹوکا۔ اس کی پوری کتھا سن لینے کے بعد میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا "کھٹمل کے بارے میں تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟ اس سے تمہارا کیا رابطہ ہے؟"

اس نے اپنا لہولہان چہرہ اٹھا کر سوجی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور ہکلا کر جواب دیا "یہ باتیں بہت سے لوگوں کو معلوم ہیں۔ ہم لوگ کا اس سے کوئی میل جول نہیں ہے۔"

"میں سچ سننا چاہتا ہوں" میں نے درشت لہجے میں اسے آگاہ کیا "تم نے اب تک جو اعتراف کیے ہیں' وہ تمہیں لمبی مدت کی سزا دلوانے کے لیے کافی ہیں۔ کھٹمل کے بارے میں تم نے سچ بولا تو تمہاری جان چھوٹ سکتی ہے۔"

"ہم کچھ نہیں جانتا" وہ رو دینے والی آواز میں گڑگڑایا "مائی باپ' ہم پر رحم کرو۔ ہم ابھی نہیں مرنا چاہتا" یہ کہہ کر اسے کچھ اور نہ سوجھا تو وہ فرش پر سجدے میں گرگیا۔ اس کے ہاتھ کھلے ہوتے تو شاید وہ انہیں ہی میرے سامنے جوڑ دیتا۔

"ہماری مرضی کے بغیر یہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا" میں نے اسے یقین دلایا "تم نے سچ نہ بولا تو ہم تمہاری زندگی برباد کردیں گے۔"

اسی وقت کالو کے بدن میں جنبش ہوئی۔ اسے رفتہ رفتہ ہوش آرہا تھا۔

"یہ کالو کو معلوم ہوگا۔ اسی نے ہم کو بولا تھا۔ ہم اس کو اپنا باس مانتا ہے۔ جو وہ بولتا ہے' وہی کرتا ہے۔ اس سے لغڑا نہیں کرتا۔"

"یہ لغڑا کیا بلا ہے؟" بچل شاہ نے متجسس لہجے میں بے ساختہ سوال کیا۔

"پھڈا..... پھڈا!" قاسم نے جلدی سے وضاحت کی "ہم باس سے پھڈا نہیں کرتا۔"

"تم نے کھٹمل کے بارے میں زبان کھولی تو تمہیں کون مار ڈالے گا؟" اس بار میں نے اس کا خوف کم کرنے کے لیے رسانیت سے پوچھا۔

"پتا نہیں..... کالو بولتا تھا کہ جو اس کا نام لے گا' مارا جائے گا" وہ خوف زدہ ہورہا تھا۔

"پھر تم نے اس کا نام کیوں لیا؟" اس بار میں نے غصے سے پوچھا۔

"غلطی ہوگیا۔ صاحب! معاف کردو" وہ ایک مرتبہ پھر گڑگڑانے لگا۔

مزید چند سوالوں میں' میں نے اندازہ لگالیا کہ اس کی معلومات کا اصل ذریعہ کالو تھا۔ اسے کھٹمل کے نام اور اس کے اثر و رسوخ سے زیادہ کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ اسی اثنا میں کالو بتدریج ہوش میں آتا جارہا تھا۔ میں نے بچل شاہ کے ذریعے قاسم کو دوسرے کمرے میں بھجوادیا۔

میں ایک پرانی اور آزمودہ ترکیب کے ذریعے کالو سے تنہائی میں معلومات اگلوانے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ قاسم کی غیرحاضری کالو کو اعصاب زدہ کردے گی۔

Downloaded from https://paksociety.com

زخمی اور بدحال کالو فرش پر بدستور کسمسا رہا تھا۔ اس کی داہنی آنکھ پر اس بری طرح زخم آیا تھا کہ وہ پوری طرح بند ہو کر رہ گئی تھی۔ بائیں آنکھ قدرے وا ہوئی تو میں نے کالو کے چہرے پر پانی سے بھرا ہوا جگ الٹ دیا۔ جلد سے پانی ٹکراتے ہی وہ اکھڑے اکھڑے سانس لیتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

چند منٹ بعد میں نے اس سے براہِ راست کھٹمل کے بارے میں پوچھا تو وہ حیران رہ گیا۔ اس نے کھٹمل سے اپنی لاتعلقی پر خاصا اصرار کیا لیکن میں نے اسے یہ نوید سنائی کہ اس بارے میں قاسم بہت کچھ اگل چکا تھا اور اگر اس نے سچ نہ بولا تو اسے ایک مرتبہ پھر اذیت ناک تشدد سہنا ہوگا۔

کالو میں مزاحمت کا زیادہ دم خم باقی نہیں رہا تھا پھر بھی وہ آسانی سے زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ میں نے دروازے کے باہر موجود کمانڈو کو آواز دے کر اندر طلب کیا تو کالو اپنے پھٹے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"شروع ہو جاؤ" میں نے ایس ٹی ایف کے کمانڈو کو ہدایت کی۔

اس نے اپنی جگہ سے جنبش ہی کی تھی کہ کالو کا سارا حوصلہ جواب دے گیا۔

کھٹمل سے ان دونوں کا براہِ راست کوئی رابطہ نہیں تھا لیکن کالو کو یہ یقین تھا کہ بالم اور جانی نامی دو مقامی منشیات فروش اس کے لیے کام کر رہے تھے۔ اسے یہ بات کیماڑی کے اس شراب خانے کے مالک سے معلوم ہوئی تھی جس کے عقبی کمرے میں بالم چند ماہ پہلے کھٹمل سے ملا تھا۔ نصف گھنٹے طویل اس ملاقات کے بعد بالم بہت تیزی سے خوش حال ہوتا چلا گیا۔ اس نے شہر کے کئی بڑے ٹھکانوں پر ہیروئن کی ترسیل بھی شروع کر دی تھی اور جانی کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

بعض چھوٹے موٹے کاموں کے لیے بالم اور جانی باہر کے لوگوں کو بھی مناسب معاوضے پر استعمال کرتے تھے لیکن ہیروئن کی سپلائی اور رقوم کی وصولی کا کام ان کے خاص کارندے ہی سرانجام دیتے تھے۔ اس کام کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا تھا۔

کالو کے مقابلے میں بالم اور جانی نو آموز تھے لیکن انہوں نے جتنی تیزی سے ترقی کی تھی' کالو اسے رشک کی نظروں سے دیکھا کرتا تھا۔ پھر پچھلے روز بالم نے ایک کام کے لیے اسے دس ہزار روپے کے خطیر معاوضے کی پیش کش کی تو وہ انکار نہیں کر سکا۔

کالو کو اس رقم کے عوض پچھلی رات صرف ایک گھنٹے کے لیے بالم اور جانی کو فائرنگ کور فراہم کرنا تھا تاکہ وہ دونوں ایک عمارت میں داخل ہو کر اپنا کوئی اہم کام کر سکیں۔ عمارت کے باہر سے تحفظ فراہم کرنے والوں میں کالو سمیت دس افراد شامل تھے۔

کالو نے اداسی سے بتایا کہ وہ پچھلی رات بہت مشکل سے اپنی جان بچا کر وہاں سے فرار ہو سکا تھا۔ بالم اور جانی اپنے چار آدمیوں سمیت مارے گئے تھے۔

میں نے اس پر ذرا بھی ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ پچھلی رات میرے قتل کی کوششوں میں معاونت کا مجرم تھا۔ اخبارات نے مرنے والوں کے بارے میں جو کچھ شائع کیا تھا' اس کے مطابق بالم اور جانی ہماری عمارت میں اپنے دو ساتھیوں سمیت موت کے گھاٹ اتارے گئے تھے۔

کالو کی کہانی سننے کے بعد پچھلی رات کا نقشہ بہت واضح ہو گیا تھا۔ بالم نے اپنے تین قابلِ اعتماد ساتھیوں کی معیت میں ہمارے فلیٹ تک پہنچ کر مجھے ٹھکانے لگانے کی ناکام کوشش کی تھی۔ باہر فائرنگ کر کے خوف و ہراس پھیلانے اور اس پارٹی کو تحفظ فراہم کرنے والے دس افراد کی خدمات کرائے پر حاصل کی گئی تھیں۔ ان میں سے دو ایس ٹی ایف والوں کی گولیوں کا نشانہ بنے تھے۔

اس وقت ہم اپنی دانست میں جہانگیر کی ناپسندیدہ حرکات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مخدوش صورتِ حال میں اس کی مدد کرنے کے لیے نکلے تھے لیکن نتیجے میں کھٹمل کے خلاف پہلا اور شاید اکلوتا گواہ ہاتھ آگیا تھا۔ اس محسن میں براہِ راست کسی کوشش کے بغیر یوں کامیابی مل جانا ایک معجزے سے کم نہیں تھا۔

میں کمانڈو کو کالو کی دیکھ بھال کی ہدایت کر کے اس کمرے سے نکل آیا۔ بچل شاہ الرٹ حالت میں میری واپسی کا منتظر تھا۔ اس سے میری ملاقات ہوئی تو وہ سادہ لباس میں تھا۔ مجھے فورس میں اس کے درجے یا عہدے کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ وہ مجھے لے کر اپنے دفتر میں گیا تب معلوم ہوا کہ اول خان کے گھر سے میرا سامان جہانگیر کے فلیٹ پر پہنچانے والا کوئی عام کارکن نہیں بلکہ ایک ذمے دار افسر تھا۔

اس کے استفسار پر میں نے اسے دونوں قیدیوں کو ایک ساتھ رکھنے کی اجازت دے دی۔ وہ اس کے مطابق بندوبست کرنے کے لیے باہر چلا گیا۔ میں اپریٹس پر اول خان کو پکارنے لگا۔

تیسری کال پر اول خان کی طرف سے جواب آگیا۔ وہ گاڑی سے اتر کر ریلوے اسٹیشن جا رہا تھا۔ اشارہ ملنے پر بات کرنے کے لیے دوبارہ گاڑی میں آیا تھا۔

"یہ جہانگیر کا معاملہ نہیں' خالص ہمارا کیس تھا" میں نے اسے آگاہ کیا "کل رات کو ہمارے فلیٹ پر ہونے والے حملے میں کالو بھی شریک تھا۔"

"اسے تم سے کیا پرخاش تھی؟" اول خان کے سوال میں بے ساختگی تھی۔

"اسے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ وہاں کیا ہونے والا ہے۔ وہ کرائے کے دہشت گرد کا کام انجام دے رہا تھا' محض دس ہزار روپے کے عوض۔"

"تو کیا کھٹمل کا اس واردات سے کوئی تعلق نہیں تھا؟" اول خان نے پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"سو فیصد اسی کی حرکت تھی۔ بالم اور جانی کے نام سے پہچانے جانے والے منشیات فروش کھٹمول کے زر خرید ہیں۔ انہوں نے کالو کمرانی کو خریدا تھا۔ وہ باہر رہ کر گولیاں چلا رہا تھا۔"

"عجیب بات ہے کہ رات کو وہ اصل سازش سے بے خبر تھا اور تمہارے دوست کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ کیا تم اس بات کو محض اتفاق مان لینے پر آمادہ ہو گئے ہو؟"

"وہ ایک الگ ہی چینل تھا۔ وہ جہانگیر کے ذریعے مجھے پکڑوا کر امریکیوں سے انعام کی رقم وصول کرنے کا سنہرا خواب دیکھ رہا تھا جو چکنا چور ہو گیا۔"

"پھر وہ جہانگیر والا قصہ کیا تھا؟" اول خان کے ذہن میں سوالات ابھرتے چلے آ رہے تھے۔

"وہ اتفاق تھا۔ اسی کے نتیجے میں ہم نے ایک کامیابی حاصل کی ہے۔"

"اب وہ دونوں پولیس والوں کی خوراک بنیں گے۔ ان کی ساتھی عورت بھی دھری جائے گی۔ فی الحال تم ان دونوں کو اسٹیشن فورٹ پر ہی رکھو۔ میں آخری ٹرین میں اسے دیکھتے ہی واپس چل دوں گا اور سیدھا دفتر آؤں گا۔ تم چاہو تو بے فکر ہو کر واپس جا سکتے ہو۔"

"کچھ دیر میں یہیں ہوں۔ میری دعا ہے کہ کھٹمول تمہارے ہاتھ آ جائے۔"

"کاش ایسا ہو سکے۔ وہ ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر نکلا ہے۔ ہاتھ آ گیا تو راستے میں ہی مار مار کر میں اس کا حلیہ بگاڑ دوں گا۔" اول خان کی آواز میں تلخی عود کر آئی۔

وہ کہانی اتنی سیدھی اور سادہ نہیں تھی کہ ان چند مکالموں سے اول خان کی سمجھ میں آ جاتی۔ حیدر آباد ریلوے اسٹیشن پر آخری ٹرین پہنچنے میں وقت باقی تھا۔ وہ اپنی تسلی کے لیے دل کھول کر سوال کرتا رہا اور جب مطمئن ہو گیا تو اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

بچل شاہ اپنے کام سے فارغ ہو کر لوٹا تو اسے میرے کھانے کا خیال آیا مگر میں نے چائے کی خواہش ظاہر کرنے پر اکتفا کیا۔ اپریٹس کی کارکردگی سے مطمئن ہونے کے بعد میں جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا تاکہ جہانگیر اور سلمٰی کے درمیان سر اٹھانے والے کسی فتنے کی سرکوبی کر سکوں۔

چائے نوشی کے دوران میں بچل شاہ کو قیدیوں کے بارے میں ہدایات دے کر میں نے وہاں سے روانگی کا ارادہ ظاہر کیا تو اس نے اپریٹس سمیت اپنا ایک متبادل میرے ساتھ کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ فلیٹ کی حفاظت کے لیے وہاں ہر وقت دو آدمیوں کی موجودگی ناگزیر تھی تاکہ وہ فلیٹ کے ساتھ ایک دوسرے کا دھیان بھی رکھ سکیں۔ قیدیوں کی وجہ سے وہ خود وہیں رکنے کا خواہاں تھا۔

کالو کمرانی کے ساتھ جہانگیر کے تصادم میں دخل انداز ہونے کے بعد میں نے جہانگیر کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ [illegible] کے بعد [illegible] والوں کے لیے کل [illegible] تھا۔

ہمارے درمیان سرے سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ اسٹیشن فورٹ پر بھی مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ اسے فون کر کے اپنی خیریت سے آگاہ کر دیتا۔ ان دونوں کا میری طرف سے فکر مند ہونا فطری تھا۔

میں ان کے فلیٹ میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں ویرا اور غزالہ بھی موجود ہیں۔ ان چاروں کے ستے ہوئے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میری باضابطہ تدفین کے لیے ذہنی طور پر بڑی حد تک تیار ہو چکے تھے۔

میری آواز سنتے ہی سب کے چہرے کھل اٹھے۔ جہانگیر اپنا نیم لبریز گلاس تپائی پر رکھ کر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گیا "خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ و سلامت لوٹ آئے اور میں ان تینوں کے سامنے سرخ رو ہو گیا۔ ان کے ظالمانہ تبصرے سن سن کر میں زمین میں گڑا جا رہا تھا۔"

"اس وقت تم زمین سے خاصی بلندی پر ہو" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "زمین میں گڑنے کے لیے زمین پر موجود ہونا ضروری ہوتا ہے۔"

"کل رات یہاں موت کی جو ہولی کھیلی گئی، اس کے بعد آپ کی گمشدگی نے میری جان نکال دی تھی" غزالہ نے نرم لہجے میں شکوہ کیا "ذہن میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھار رہے تھے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم دونوں یہاں کیسے موجود ہو" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم لاوارث نہیں ہو جو یوں منہ اٹھا کر اچانک کہیں بھی غائب ہو جاتے ہو" ویرا ہیئر کے گلاس سے گھونٹ لینے کے بعد تلخی سے بولی "اس شہر میں تمہارے لیے فکر مند ہونے والوں کی تعداد کافی ہے۔"

"تمہاری فکر مندی تو میں دیکھ ہی رہا ہوں" میں نے اس کے گلاس کی طرف اشارہ کر کے طنز کیا "مجھے آنے میں مزید تاخیر ہو جاتی تو شاید تم دونوں آپے سے باہر ہو چکے ہوتے۔"

"ہم اسکاچ نہیں بیئر پی رہے ہیں.... محض وقت گزاری کے لیے شغل...." جہانگیر نے جلدی سے وضاحت پیش کرنے کی کوشش کی مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کم ظرفوں کے لیے وہ بھی کافی ہوتی ہے۔ اب زیادہ بک بک مت کرو۔"

"آخر ہوا کیا تھا؟ ان پر کیا افتاد نازل ہوئی تھی جو تم کو اتنے لمبے بکھیڑے میں الجھنا پڑا؟" اس بار سلمٰی نے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا۔ شاید اس کی چھٹی حس نے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

"یہ اپنے میاں سے پوچھو" میں نے بے پروائی سے کہا "شکر ادا کرو کہ نوبت نسیم...."

نسیم کا نام آتے ہی جہانگیر نے ہڑبڑا کر قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "کیا اول فول بک رہے ہو؟ سیدھی طرح کیوں نہیں بتاتے کہ [illegible]

Downloaded from https://paksociety.com

"میں پوچھتی ہوں کہ نسیم کا کیا قصہ ہے؟" سلمٰی کولھوں پر ہاتھ رکھ کر جہانگیر کے سامنے تن گئی۔

"نسیم کا کوئی قصہ نہیں ہے" میں نے سلمٰی کا مضحکہ اڑاتے ہوئے جواب دیا "میں یہ کہہ رہا تھا کہ نوبت نسیم سحری کے جھونکوں تک نہیں پہنچی۔ تمہیں تو تہذیب' مسرت اور خوشبو کے ذکر پر بھی جہانگیر کے گرد اس نام کی عورتیں منڈلاتی نظر آتی ہوں گی۔ یہ اتنا اسمارٹ اور خوب رو نہیں ہے۔"

میرے وہ کاٹ دار فقرے اتنے مؤثر ثابت ہوئے کہ سلمٰی کھسیا کر پیر پٹختی ہوئی وہاں سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ جہانگیر کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم اول درجے کے جھوٹے اور مکار ہو" اس کے چلے جانے کے بعد ویرا غرائی "پہلے تم نے صرف نسیم کہا تھا۔ اگر تمہاری بعد والی بات درست تھی تو تمہیں نسیمے کہنا چاہیے تھا' سحر اس کے بعد ہی آسکتی تھی۔"

"ڈینی کی اردو شروع سے بہت کمزور ہے" جہانگیر نے فوراً ہی میری صفائی پیش کی "اسے زیر زبر کا ذرا بھی خیال نہیں رہتا۔ تم اس بحث میں نہ پڑو تو اچھا ہے۔"

"بات ٹالنے کی کوشش مت کرو" ویرا نے اسے ڈانٹ دیا۔ "اردو ڈینی کی جڑوں میں بیٹھی ہوئی ہے" جہانگیر سے یہ کہہ کر وہ میری طرف مخاطب ہوگئی "ہاں' تو تم کیا بتا رہے تھے؟"

"کچھ بھی نہیں" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وہی نسیم سحر کا قصہ تھا۔"

"تم نے ہمیں نہ بتایا تو میں سلمٰی کو جہانگیر کے پیچھے لگا دوں گی" ویرا نے نچلی آواز میں دھمکی دی "میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم ہمیں جو کچھ بتاؤ گے' سلمٰی کو اس کی بھنک بھی نہیں ملے گی۔"

"اگر ویرا خوش ہوتی ہے تو یوں ہی سہی" جہانگیر نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے کہا "تم انہیں نسیم کے نام سے کوئی بھی واقعہ سنا دو۔ میں اعتراض کئے بغیر اسے من و عن تسلیم کرلوں گا۔"

"چلو' یوں ہی سہی۔ تم قصہ تو سناؤ۔ خود بخود پتا چل جائے گا کہ اس میں سچ کتنا ہے" ویرا نے کسی بحث میں الجھنے کے بجائے مصالحانہ رویہ اختیار کرلیا۔

"قصہ سنانے سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تم دونوں یہاں کیسے نظر آرہی ہو۔"

"میں نے یہاں فون کیا تو سلمٰی تمہاری طرف سے فکرمند تھی۔ اسی سے پتا چلا کہ اول خان اور سلطان شاہ حیدر آباد گئے ہوئے ہیں" ویرا بتانے لگی "مجھے گڑبڑ کا اندازہ ہوگیا۔ غزالہ سے بات ہوئی تو اس نے فکرمند ہوکر رونا شروع کردیا اور ہم دونوں یہاں آگئیں۔"

"تم بالکل بے وقوف اور جذباتی ہو" میں نے غزالہ کے ٹانے پر ہاتھ مار کے کہا "میں نے تو سوچا تھا کہ [illegible] بتادی۔ پوری تفصیل سامنے ہی ہم نے دونوں ڈاکوؤں کو زیر کرلیا تھا۔ اس کے بعد ان کی مزاج پرسی میں ہی دیر سویر ہوسکتی تھی۔"

"آپ نہیں سمجھ سکتے کہ میں اول خان کے گھر جاکر خود کو کس قدر مجبور اور بے سہارا محسوس کررہی ہوں۔ ویرا کے ساتھ اس کی بیوی بھی میرا بہت خیال رکھتی ہے مگر میں اپنے دل کو نہیں سمجھا سکتی۔ اپنے گھر اور اپنی چھت کی عادت پڑجانے کے بعد کہیں اور سکھ مل ہی نہیں سکتا۔ میری یہ بات سلمٰی سمجھ سکتی ہے۔ میں آپ کو....." بولتے بولتے اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

ویرا ہنس پڑی اور بولی "سلمٰی کے ساتھ میں بھی تمہارے جذبات کا اندازہ لگا سکتی ہوں۔ میں تمہارے گھر کو اپنا گھر سمجھتی ہوں اور وہیں آرام ملتا ہے۔ میری شادی نہیں ہوئی پھر بھی میں ایک بے شاخ آشیانے پر بسیرا کررہی ہوں اور اسی سے مانوس ہوں۔"

"سنا تھا کہ تم سلطان شاہ سے شادی کرنے والی ہو" جہانگیر نے فوراً ہی ایک بونگا سوال کرڈالا اور ویرا چراغ پا ہوگئی۔

"مجھے اس الو کے پٹھے کا نام بتاؤ جس نے تم سے یہ بات کہی ہے۔ میں اس کی گردن مروڑ دوں گی۔ وہ میرے پیر پکڑ کر التجائیں کرے تب بھی میں اس سے شادی نہیں کرسکتی۔ جو مرد اپنے آپ کو اعلیٰ اور اچھوتا سمجھتا ہو' میں اسے منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتی۔"

"تم اپنا گھر بسالوگی تو وہ بھی کہیں نہ کہیں شادی کرلے گا" میں نے بات رفع دفع کرنے کی نیت سے دخل دیا "تم دونوں لڑتے ہو تو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوجاتے ہو' موڈ اچھا رہے تو شیر و شکر بنے رہتے ہو۔ محبت اور نفرت کی یہ انتہائیں غلط فہمی کا سبب بن ہی جاتی ہیں۔ جہانگیر ایک اچھی بات بھی چڑانے والے انداز میں پوچھنے میں ماہر ہے۔"

"جہانگیر کو بیئر میں جھونکو اور وہ نسیم والا قصہ سناؤ پھر میں سلمٰی کے سامنے اس سے پوچھوں گی کہ یہ نسیم سے کب دوسری شادی کررہا ہے" ویرا غصے کی رو میں بولی۔

"تت..... تم وعدہ کرچکی ہو کہ سلمٰی کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دوگی" جہانگیر نے بوکھلا کر احتجاج کیا "وعدہ خلافی سے بہتر ہے کہ یہ بات بھول جاؤ۔"

"تم سناؤ!" ویرا نے اس کی بات سنی اَن سنی کرکے مجھے حکم دیا۔

میں نے ترحم آمیز نگاہوں سے جہانگیر کی طرف دیکھا اور وہ قصہ شروع کردیا۔

جہانگیر نے بیئر کا ٹن کین اپنے اور ویرا کے گلاس میں خالی کیا اور بردباری کے ساتھ یوں لاتعلق ہوکر بیٹھ گیا جیسے نسیم والا واقعہ واقعی مفروضہ ہو۔

Downloaded from https://paksociety.com

سن کر ویرا بولی "اس کا مطلب ہے کہ جہانگیر نے نسیم سے آنکھ لڑا کر اپنا نقصان ضرور کیا مگر تمہیں خاصا فائدہ پہنچایا ہے۔ یہ کڑیاں اتنی آسانی سے نہیں مل سکتی تھیں۔"

"میرا کوئی نقصان نہیں ہوا" جہانگیر نے بے پروائی سے کہا۔ "میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ نسیم والا قصہ من گھڑت ہے جو تمہیں خوش کرنے کے لیے سنایا گیا ہے۔"

"وہ جھوٹ ہے تو تم سچ بتا ڈالو۔ کالو اور قاسم تمہاری طرف کیوں متوجہ ہوئے؟"

جہانگیر یوں ہنس پڑا جیسے ویرا نے کوئی احمقانہ سوال کیا ہو پھر بولا "میں کوئی پردے دار خاتون نہیں ہوں۔ دن بھر کھلی دکان پر بیٹھتا ہوں۔ گاہکوں کے علاوہ ہزاروں راہ گیر بھی روز مجھے دیکھتے ہوں گے۔ ان میں سے کوئی بھی مجھے پہچان سکتا ہے۔ تم ایمان داری سے بتاؤ کہ کیا میں تمہیں واقعی اتنا گھامڑ لگتا ہوں کہ کسی خوب صورت عورت کو بلاوجہ قیمتی دوائیں آدھی قیمت پر دیتا رہوں گا؟ یہ بات تمہاری سمجھ میں آسکتی ہے؟"

جہانگیر نے میرے روبرو وہ آخری دو سوال اس قدر اعتماد اور ڈھٹائی سے کئے تھے کہ میں ششدر رہ گیا۔ اس کے سوالات میں یہ احساس بھی پنہاں تھا کہ نسیم کے معاملے میں اسے اپنے گھامڑ پن کا پورا ادراک ہو چکا تھا۔

جہانگیر کی دیدہ دلیری پر ویرا سٹپٹا گئی۔ لاجواب ہو کر اس نے میری طرف دیکھا۔ میں نے اسے آنکھ مار کر کہا "کہانی تم نے سن لی۔ اب جہانگیر کی بات پر بھی اعتبار کرلو۔ یہ اس قدر کند ذہن اور گدھا نہیں ہے کہ ایک خوب صورت عورت پر بلاوجہ اپنا پیسہ لٹاتا رہے۔"

نئے القاب پر جہانگیر نے کھنکھار کر اپنی جگہ پر پہلو بدلا لیکن کوئی اعتراض نہ کرسکا۔ جب وہ خود کو بالواسطہ طور پر گھامڑ تسلیم کرسکتا تھا تو میں بھی اسے کند ذہن اور گدھا قرار دینے کا پورا حق رکھتا تھا۔ وہ بے بسی سے مجھے گھور کر رہ گیا۔

میری واپسی کے انتظار میں ان میں سے کسی نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ سلمٰی نے مہمان داری کی تیاری مکمل کی ہوئی تھی۔ میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو سلمٰی کو آواز دی۔ جہانگیر پہلے ہی فیصلہ صادر کرچکا تھا کہ وہ ان دونوں کو کھانا کھائے بغیر واپس نہیں جانے دے گا۔

میرے ایما پر سلمٰی نے فوراً ہی میز لگادی۔ ہم پانچوں نے میز پر باتوں کے درمیان کھانا ختم کیا اور پھر میں ان کے ساتھ روانہ ہونے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ویرا اور غزالہ کا اصرار تھا کہ وہ ٹیکسی لے کر گھر چلی جائیں گی۔ مجھے بلاوجہ جمشید روڈ تک جاکر تنہا واپس لوٹنا ہوگا مگر میں اتنی رات گئے انہیں شہر کے ٹیکسی ڈرائیوروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

دراصل کراچی کی معاشرت کا رنگ ڈھنگ کچھ ایسا تھا کہ دن میں اکیلی عورت کو بھی کہیں کوئی خطرہ نہیں ہوتا تھا لیکن رات گئے دو خوش شکل خواتین کو کسی مرد کی ہمراہی کے بغیر شہر کی سڑکوں پر دیکھ کر کوئی بھی ان کے بارے میں اچھی رائے قائم نہیں کرسکتا تھا۔ ایسے میں کوئی اوباش فطرت رئیس زادہ اپنی قیمتی گاڑی میں ان کی ٹیکسی کا پیچھا کرنا شروع کردیتا تو وہ دونوں عورتیں مشکل صورت حال سے دوچار ہوسکتی تھیں۔

میں ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کی پولیس سے بچ نکلنے کی صلاحیت کا ایک تازہ ترین مشاہدہ کرچکا تھا اس لیے میں نے فلیٹ سے نکلنے سے پہلے اپر پٹس پر نیچے والوں میں سے کسی ایک کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے تیار رہنے کی ہدایت کی اور پھر دونوں خواتین کے ہمراہ فلیٹ سے نکل کھڑا ہوا۔ چلنے سے پہلے میں نے جہانگیر کو ہوش میں رہنے کی تاکید کردی تھی۔

کھانے کی میز پر میں نے محسوس کرلیا تھا کہ جہانگیر نے اپنا ہاتھ روکا ہوا تھا۔ محض دوسروں کا ساتھ دینے کے لیے طویل وقفوں سے چند چھوٹے لقمے لے کر دیر تک چباتا رہا تھا۔ دکان اور دوسرے مسائل سے فارغ ہونے کے بعد اتنے اہتمام سے معدے کو خالی رکھنے کی کوششوں کا صرف ایک ہی مطلب ہوسکتا تھا کہ تخلیہ میسر آجانے پر وہ مزیدے نوشی کا ارادہ رکھتا تھا۔ بیئر کی وافر مقدار پی لینے کے بعد اسکاچ کے ایک دو پیگ ہی اسے کھوپڑی سے باہر کرسکتے تھے۔

نیچے وہی مسلح شخص گاڑی کے پاس موجود تھا جو ملیر سے میرے ساتھ آیا تھا۔ میں نے چابی اسی کے حوالے کردی اور خود غزالہ کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ ویرا برا مانے بغیر بے تکلفی سے اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ پچھلی نشست پر گنجائش ہونے کے باوجود اس نے کباب میں ہڈی بننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کی وہی ادا مجھے پسند تھی۔

"اپنے صاحب کے گھر چلو" انجن اسٹارٹ ہونے پر میں نے ہدایت دی اور گاڑی چل پڑی۔

اندھیرے میں غزالہ کی چمکتی ہوئی آنکھیں بار بار میری طرف اٹھ رہی تھیں۔ ان نگاہوں میں نہ جانے کیا کشش تھی کہ میں بے اختیار سرک کر اس کے قریب ہوگیا۔

"کیا کررہے ہیں؟" اس نے میرے کان کے نیچے سرگوشیانہ احتجاج کیا اور اپنے دروازے کی طرف سمٹ گئی۔ "گاڑی میں ہمارے علاوہ اور لوگ بھی موجود ہیں۔"

میرا خیال تھا کہ اس کی مدھم آواز انجن کے ہلکے شور میں دب کر ویرا کے کانوں تک نہیں پہنچی ہوگی مگر وہ میری غلط فہمی ثابت ہوئی۔ ویرا فوراً ہی بول پڑی "تم دونوں چپکے چپکے کیا کانا پھوسی کررہے ہو؟ اونچی آواز میں بات کرو تاکہ میں بھی شریک ہوسکوں۔"

"ہر بات اونچی آواز میں نہیں کی جاسکتی۔" میں نے غزالہ

Downloaded from https://paksociety.com

سے اپنے فاصلے میں اضافہ کرتے ہوئے ڈھٹائی سے جواب دیا۔
"میاں بیوی کے درمیان کچھ راز داری بھی رہنی چاہیے۔"
"ہم گاڑی میں سفر کررہے ہیں۔ ایسی ہی راز داری کے خواہاں ہو تو آج رات تم بھی اول خان کے گھر میں رہ سکتے ہو۔" ویرا کے پاس مسکت جواب تیار تھا۔
ویرا کی اس مداخلت بے جا کی وجہ سے راستے بھر ہم دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہو سکی۔ بس میں غزالہ کا نرم و گداز ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا۔ وہ میری غیر حاضری پر واقعی بہت زیادہ پریشان ہوئی ہوگی۔ اس کے باوجود اس نے جہانگیر کے گھر پر جس پُروقار رویّے کا مظاہرہ کیا تھا اس نے میرے دل میں اس کی عزت میں اضافہ کردیا تھا۔
راستے میں ٹریفک کی غیر معمولی کمی کی وجہ سے ہم جلد ہی اول خان کے گھر پہنچ گئے۔ اس کی ذمے داریوں کے حوالے سے پیدا ہونے والی شب و روز کی مصروفیات کی وجہ سے اس کے اہل خانہ اس کی اچانک غیر حاضریوں کے عادی ہوگئے تھے۔ گھر پر رات کا سکوت طاری تھا' وہ لوگ شاید اپنے بستروں میں جاچکے تھے۔
ان دونوں کو اتار کر میں نے پنجر سیٹ سنبھالی اور ہم واپس روانہ ہوگئے۔
واپسی میں رات بہت گہری ہوچکی تھی۔ ہم سہیل والی مسجد سے آگے نکلے ہی تھے کہ اپریٹس پر اشارہ موصول ہونے لگا۔ میں نے اسے آن کیا تو دوسری طرف سے سلطان شاہ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔
اس کا پیغام ختم ہوتے ہی میں نے اپنی بات شروع کردی "میں سن رہا ہوں۔ تم کہاں ہو اور اول خان کیا کررہا ہے؟"
"میں حیدر آباد ریلوے اسٹیشن کے ایک ویران گوشے سے بول رہا ہوں۔" سلطان شاہ کی آواز سے پریشانی مترشح تھی "اول خان ٹرین کے ساتھ جاچکا ہے۔"
"ٹرین کے ساتھ؟" میں نے چونک کر حیرت سے دہرایا "تو کیا وہ پنڈی چلا گیا ہے؟"
"ہم قبل از وقت یہاں پہنچ گئے تھے۔" سلطان شاہ نے گہرا سانس لے کر بتایا "ہم نے پورا پلیٹ فارم چھان مارا مگر اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر ہم داخلے کے راستے کی نگرانی کرنے لگے۔ ٹرین آنے کے بعد میں پیشاب کرنے کے لیے ویٹنگ روم کی طرف چلا گیا۔ اسی دوران میں ٹرین نے روانگی کی وسل دینی شروع کردی۔ میں واپس آیا تو ٹرین نے رینگنا شروع کردیا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اول خان نے اپنی جگہ سے اچانک دوڑ لگا دی۔ اس سے آگے ایک اور آدمی بھیڑ کو چیرتا ہوا ٹرین کی طرف دوڑ رہا تھا۔ اوور۔"
"بات پوری کرو۔ درمیان میں خاموش کیوں ہوگئے؟" میں نے اسے ٹوکا۔
خاصے طویل سکوت کے بعد اس کی آواز دوبارہ سنائی دی۔
"کھلے پلیٹ فارم پر دو آدمی ادھر آنکلے تھے اس لیے خاموش ہونا پڑا۔ میں کھٹمل کو نہیں پہچانتا' میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اول خان کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ وہ دونوں دوڑتے ہوئے چلتی ٹرین کے الگ الگ ڈبوں میں لٹک گئے۔ میرے پہنچنے تک ٹرین رفتار پکڑ چکی تھی۔ میں منہ دیکھتا رہ گیا۔ ٹرین نکل گئی۔"
"اگر اول خان نے اسے دیکھ لیا ہے اور ٹرین چل رہی تھی تو وہ یقیناً اس پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوجائے گا۔" میں نے ہلکے سے جوش کے ساتھ کہا۔
"اس کا اپریٹس میرے پاس تھا اس لیے تم سے بات ہوگئی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اب میں کیا کروں اور کہاں جھک ماروں۔"
"کہیں جھک مارنے کی ضرورت نہیں۔ گاڑی اسٹارٹ کرو اور خاموشی سے کراچی لوٹ آؤ۔"
"اول خان کے پاس اپریٹس ہوگا' نہ سواری۔ وہ پریشان ہوجائے گا۔"
"اگر وہ ٹرین میں اس کے پیچھے گیا ہے تو ان مسائل سے بھی نمٹ لے گا۔ تمہارا وہاں رکنا بے سود ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ اب کس شہر سے لوٹتا ہے۔"
"تمہارا یہ مشورہ ہے تو میں ابھی واپسی کے لیے روانہ ہورہا ہوں۔ گاڑی کی چابی اول خان کے ساتھ چلی گئی ہے لیکن اس کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔"
"شراکت کے کاموں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ اور کچھ نہ ہوسکے تو تار استعمال کرلینا۔"
"آخری لمحوں پر پیش آنے والے اس واقعے نے میرے ذہن کو بوجھل کردیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کھٹمل کہیں چھپا' میرے غائب ہونے کا انتظار کررہا تھا۔ میں موجود ہوتا تو شاید اسے لمبی دوڑ لگانے کا موقع نہ مل پاتا۔ ہم اسے دروازے پر ہی دبوچ لیتے۔"
"یہ غلط وقت پر پیشاب خطا ہونے کا خمیازہ ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ سپرہائی وے سے ہی سیدھے ملیر کینٹ کی طرف نکل کر گہری نیند لو۔ اب تم سے کل بات ہوگی۔"
"تمہارے قیدیوں کا کیا حال ہے؟" اس کی آواز میں پہلی بار تجسس پیدا ہوا۔
"ان سے تم اسٹیشن فور پر مل سکتے ہو۔ وہ وہاں پچل شاہ کی تحویل میں ہیں۔"
"میں اب نکلتا ہوں۔ راستے میں کوئی مسئلہ پیش آیا تو میں اپریٹس پر ہی تم سے رابطہ کرلوں گا۔ تم سونے کی تیاری تو نہیں کررہے تھے؟"
"میں اس وقت سڑک پر ہوں۔" میں نے قدرے خفگی سے اسے آگاہ کیا "ان حالات میں شاید نیند آہی نہ سکے۔ راستے میں

Downloaded from https://paksociety.com

ضرورت پیش نہ آئے تو اسٹیشن فور پر پہنچ کر مجھے اطلاع ضرور دے دینا۔ تمہاری واپسی سے پہلے میں بستر کا رخ نہیں کروں گا۔"

"بس میرے لیے دعا کرتے رہنا۔ گاڑی کی چابی کے بغیر سپرائی دے کی کسی چیک پوسٹ پر مجھے مسئلہ پیش آسکتا ہے۔ میری کوشش ہوگی کہ ملیر کینٹ پہنچنے سے پہلے تمہیں تنگ نہ کروں۔ اوور اینڈ آل۔" یہ کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کردیا۔

عام حالات میں ایس ٹی ایف کے اراکین مشینی آدمیوں کی طرح کام کرتے تھے۔ ہر لمحے اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ غیر متعلقہ معاملات سے یوں الگ تھلگ رہتے تھے جیسے انہوں نے کچھ دیکھا یا سنا ہی نہ ہو مگر اس وقت ساری گفتگو اول خان کے بارے میں ہوئی تھی۔ میرا ساتھی اپنے سربراہ کے بارے میں اپنی بے تعلقی برقرار نہ رکھ سکا۔

اسے سلطان شاہ کی زبان سے یہ سن کر حیرت ہوئی تھی کہ اول خان کسی مطلوبہ آدمی کا پیچھا کرتا ہوا حیدر آباد سے بھی آگے نکل چکا تھا۔

اس کے پاس اپریٹس موجود تھا۔ وہ اس لاسلکی نظام پر اول خان سے ہونے والی میری گفتگو سنتا رہا تھا۔ اس نے مجھ سے اول خان کے بارے میں چند سوالات کیے اور گہری سوچ میں ڈوب کر دوبارہ خاموشی اختیار کرلی۔

فلیٹ میں قدم رکھتے ہی میں نے جہانگیر اور سلمٰی کے درمیان کشیدگی کی بو محسوس کرلی۔ غنیمت یہ تھا کہ جہانگیر نے میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے مے نوشی کا سلسلہ دوبارہ شروع نہیں کیا تھا۔ پوری رغبت سے شکم سیر ہونے کے بعد ڈرائنگ روم میں صوفے پر پاؤں پسارے پڑا ہوا تھا۔

سلمٰی اپنے چہرے پر گہری سنجیدگی بکھیرے، میرے ساتھ بہت اہتمام ڈرائنگ روم تک آئی۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے کسی سنگین موضوع پر بات کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کے سر پر صرف اور صرف نسیم کا نام سوار تھا۔

جہانگیر اس پر نظر پڑتے ہی چمک اٹھا "اوہ! تو آخر کار تم نے غصہ تھوک ہی دیا۔ غنیمت ہے کہ یہاں نہ صرف تمہاری جوتیاں آئی ہیں بلکہ تم بھی ان میں موجود ہو۔"

"میں کہہ رہی ہوں کہ میرے منہ نہ لگو۔" سلمٰی غرائی "میں ڈیٹی سے بات کرنے آئی ہوں۔"

"اس سے بات کرنی ہے تو اسے اپنے بیڈ روم میں لے جاؤ۔ آج رات میں یہیں آرام کروں گا۔" جہانگیر نے بے پروائی سے کہا "یہاں بیٹھو گی تو میں بولتا رہوں گا۔"

"تم دونوں کو لڑنے اور بدمزگی پھیلانے کی ضرورت نہیں۔" میں فیصلہ کن لہجے میں یہ کہہ کر سلمٰی کی طرف متوجہ ہوگیا "مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تم کو کوفت ہوئی۔ تمہیں معلوم ہے کہ بعض اوقات ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خاصا بے رحمانہ مذاق کر گزرتے ہیں۔ اس وقت بھی یہی قصہ تھا۔ جہانگیر جن لوگوں کو ڈکیت سمجھ رہا تھا، وہ کچھ اور تھے، اسے اغوا کرنے کے ارادے سے اس کی دکان کے باہر جمع ہوئے تھے۔"

"کوئی کسی کو بلاوجہ اغوا نہیں کرتا۔" سلمٰی فضا میں ہاتھ نچا کے بولی "انہوں نے کسی کی....."

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "وہ پیسے کے لالچ میں اس کے پیچھے لگے تھے۔ بھاری تاوان اغوا کا سب سے بڑا محرک ہوتا ہے۔"

"تم بتاؤ یا نہ بتاؤ، میں جانتی ہوں کہ روانی میں تمہاری زبان سے سچ نکلتے نکلتے رہ گیا۔ نسیم کا کوئی نہ کوئی چکر ضرور ہے۔"

"اگر یہ وہم تمہارے دماغ میں بیٹھ ہی گیا ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔"

"اب میں ان کے ساتھ دکان جایا کروں گی۔ گھر میں پڑے پڑے کیا کرتی ہوں جو وہاں جانے سے حرج ہوگا؟ پھر دیکھوں گی کہ ان کے پاس کون کون حرافائیں آتی ہیں۔"

"خود بھی تماشا بنو گی اور اپنے ساتھ مجھے بھی تماشا بنا کر رکھ دو گی۔" سلمٰی کی دھمکی نے جہانگیر کو بولنے پر مجبور کردیا "اس بار وہ میرے بجائے تمہیں اٹھالے جائیں گے۔"

"لے جانے دو..... تم تاوان ادا نہ کرنا۔ مجھ سے ہمیشہ کے لیے تمہاری جان چھوٹ جائے گی پھر جس کے ساتھ جی چاہے، گل چھرے اڑاتے پھرنا۔" سلمٰی اچانک روہانسی ہوگئی۔

"دیکھو! اب یہ رو کر ڈرائے گی۔" جہانگیر نے مجھ سے فریاد کی "دھونس دھمکی سے کام نہیں چلتا تو یہ اچانک مظلوم بن جاتی ہے۔ یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے۔"

"اب چند روز تک دکان بند رہے گی۔ تم دونوں میں سے کوئی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔" میں نے جھلا کر کہا "اغوا کے لیے آنے والے پکڑے گئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کے ساتھی دوبارہ کوئی کوشش کریں۔ آرام سے گھر میں عیش کرو اور دن رات لڑتے رہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"دکان تو اب ان کا ایمان بن گئی ہے۔ ایک دن بھی وہاں سے ناغہ نہیں کرتے کہ کہیں ان کی کسی چہیتی کو مایوس ہو کر نہ لوٹنا پڑے۔" قلیل سے وقفے کے بعد سلمٰی نے پھر سنبھالا لے لیا تھا۔

"تمہاری یہ بدگمانیاں اسے تباہ کردیں گی۔" میں نے سلمٰی کو سرزنش کی "دنیا کے سارے مرد کمانے کے لیے دکانوں اور دفتروں میں جاتے ہیں۔ خدا خدا کرکے اس نکھٹو نے کام شروع کیا ہے تو اب تمہارے دماغ میں کیڑے کلبلانے لگے ہیں۔ آخر تم چاہتی کیا ہو؟"

"ہاں، اس کا جواب دو!" جہانگیر نے اُچھل کر میری تائید کی۔

"دیکھا جائے گا۔ ابھی تو دو چار دن دکان بند ہی رہے گی۔

Downloaded from https://paksociety.com

دیکھتی ہوں کہ گھر پر کس کس کا فون آتا ہے۔ اس کے بعد فیصلہ ہوگا۔"

جہانگیر زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ میں اطمینان سے دوسرے صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔

"تم نے اپنے مشکوک رویّے سے اسے ذہنی مریضہ بنا دیا ہے۔" میں نے اسے ملامت کی۔

"یہ سب چلتا رہتا ہے۔" وہ بے فکری سے بولا "اس کے بارے میں زیادہ سوچ کر اپنے دماغ کو نہ تھکاؤ۔ وہ تھوڑی دیر میں سب کچھ بھول بھال جاتی ہے۔ دو تین گلاس چڑھا کر جس وقت بھی اس کی تھوڑی سی چاپلوسی کروں گا' پھول کر کپا ہو جائے گی۔"

"پھر یہ کارِ خیر اسی وقت کیوں نہیں کر لیتے؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"شراب نوشی کے لیے تم منع کر گئے تھے۔ پیے بغیر میں ایسی گھٹیا خوشامدوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

وہ میرے سامنے جتنے خلوص سے سچ بولنے لگتا تھا' اس پر ہمیشہ مجھے حیرت ہوتی تھی۔ اس کا تازہ ترین اعتراف میرے لیے خیال انگیز تھا۔ وہ ہوش میں رہ کر سلمٰی کو جس قدر اشتعال دلاتا تھا' مدہوشی کے عالم میں اس کا مکمل ازالہ کر کے اپنی ازدواجی زندگی میں پیدا ہونے والی شکست و ریخت سے چھٹکارا حاصل کر لیتا تھا۔

"مجھے ان باتوں کو فت ہوتی ہے۔ جب تک میں یہاں رہ رہا ہوں' کوشش کرو کہ تم اسے ناراض نہ کرو اور وقت سکون سے گزر جائے۔" میں نے اس سے گزارش کی۔

"اسے بھول جاؤ۔ اب تمہیں شکایت نہیں ہوگی۔ آج تم نے اسے بھڑکایا تھا اور خود ہی سنبھال بھی لیا۔ آخری آنچ کی جو کسر رہ گئی ہے' وہ میں کسی وقت پوری کر دوں گا۔" وہ بائیں آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے بولا "وہ دوبارہ خوش اور مگن نظر آنے لگے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب میں اپنے کمرے میں جا سکتا ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"ضرور جاؤ مگر جانے سے پہلے اتنا ضرور بتا دو کہ یہ کھٹمل کے گھر پر کیا ہوا تھا؟"

"اس کے بارے میں تم کیا جانو؟" میں نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"اخبار پڑھ کر مجھے اختلاج ہونے لگتا ہے۔ یہ تم نے ہی منگوائے تھے۔" اس نے میز کی طرف اشارہ کر کے کہا "ان میں قتل' لوٹ مار اور دہشت گردی کی خبروں کے سوا ہوتا ہی کیا ہے.... ابھی ابھی تم نے مجھے کھٹمل کہا تو مجھے بے اختیار کھٹمل یاد آگیا تھا۔"

"میں نے بھی وہ خبر اخبار میں ہی دیکھی ہے۔ اس کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"

"بہت بارسوخ اور امیر آدمی ہے۔ امریکی سفیر جوزف فارلینڈ اپنی تعیناتی کے زمانے میں باقاعدگی سے اس کے گھر کی تقریب میں شریک ہوا کرتا تھا۔ سنا ہے کہ وہ بہت متحمل مزاج اور نرم گفتار ہے لیکن شہر کے نامی گرامی بدمعاش اس کے نام سے کانپتے ہیں۔"

"وہ بدمعاشی بھی کرتا ہے؟" میں نے اسے کریدنے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا۔

وہ ہنس پڑا "یار' یہاں کون بڑا آدمی بدمعاشی نہیں کرتا؟ پھر وہ تو سیاست داں بھی ہے۔ جس کی کمر پر ہاتھ رکھ دیتا ہے وہ اسمبلی میں پہنچ جاتا ہے۔ یہاں مال اور طاقت کے بغیر سیاست کم ہی کامیاب ہوتی ہے۔ پتا نہیں کس جی دار نے اس کے یہاں رنگ میں بھنگ ڈالنے کی ہمت کی۔"

"اس سے تمہاری کوئی جان پہچان بھی ہے یا سنی سنائی باتیں دہرا رہے ہو؟"

"جن دنوں میں گارمنٹس کا کاروبار کر رہا تھا' اس سے کئی بار ملاقاتیں ہوئیں۔ اس نے سرکار سے بھاری قرضہ لے کر ایک گارمنٹس فیکٹری لگائی تھی۔ آدھا قرضہ وہ کھا گیا۔ باقی رقم سے جو کچھ بنا وہ صرف دو سال چل سکا۔ پھر اس نے فیکٹری کی چابیاں بینک کے حوالے کر دیں۔ اس کی مشینیں شاید آج بھی نیلامی کے انتظار میں زنگ کھا رہی ہوں گی۔"

"اس کے بارے میں ذہن پر زور دیتے رہو۔ کسی نہ کسی وقت اس سے میرا ٹکراؤ ضرور ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ تم کو کوئی اہم نکتہ یاد آجائے۔"

اسے وہیں چھوڑ کر میں اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ سلمٰی نے کمرا بہت محنت سے صاف کیا ہوا تھا۔

لباس تبدیل کر کے میں بستر پر دراز' اپنے خیالات کی رو میں غلطاں تھا کہ اپریٹس پر سوا دو بجے سلطان شاہ کا پیغام موصول ہوا۔

وہ راستے میں دو مقامات پر چیکنگ کے مراحل کی دشواریوں سے نمٹنے کے بعد ملیر چھاؤنی کی حدود میں داخل ہو چکا تھا اور کسی بھی وقت ایس ٹی ایف کے مرکز پہنچ سکتا تھا۔

میرے ذہن پر مسلط بوجھ میں کمی ضرور ہوگئی لیکن اس کا خاتمہ نہیں ہوا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر اول خان اور کھٹمل کی آویزش کے مختلف مناظر سر ابھار رہے تھے۔

حیدر آباد ریلوے اسٹیشن پر کھٹمل کا دیکھا جانا اس بات کا ثبوت تھا کہ ہم اس کے بارے میں صحیح خطوط پر سوچ رہے تھے۔ اول خان نے چلتی ٹرین میں سوار ہو کر دشمن پر غلبہ پا لینے کی شدید ترین آرزو کا اظہار کر دیا تھا۔ اس کے نتائج کا انحصار دشمن کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں پر تھا۔

وہ دونوں ٹرین کے الگ الگ ڈبوں میں سوار ہوئے تھے۔ کوئی بھی آسانی سے دوسرے تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ یہ آنکھ مچولی طول پکڑ جاتی تو اول خان کا حیدر آباد سے شروع ہونے والا سفر پنڈی تک بھی طول پکڑ سکتا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں سگریٹیں پھونک پھونک کر اسی بارے میں سوچتا رہا۔ تکان کے باوجود نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں بستر پر پہلو بدلتا رہا۔

ساڑھے تین بجے فلیٹ کے گہرے سکوت میں فون کی گھنٹی کسی آسیبی چیخ کی طرح گونجی تو میں نے فوراً ہی بستر چھوڑ دیا۔

میں لابی میں رکھے ہوئے فون تک پہنچا تو سلمٰی بکھرے ہوئے بالوں اور مخمور آنکھوں کے ساتھ اپنی خواب گاہ کے دروازے پر نمودار ہوئی۔ اندر سے جہانگیر کی اونچی بڑبڑاہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید اس نے مجھ سے نجات حاصل کرتے ہی صلح و صفائی کے اپنے منصوبے پر عمل شروع کردیا تھا۔

"اول خان! تم کہاں ہو؟ میں تمہارے بارے میں بہت فکر مند تھا۔" فون پر آواز پہچانتے ہی میں بے ساختہ بول پڑا۔ میری زبان سے اول خان کا نام سن کر سلمٰی نے اندر غائب ہو کر خواب گاہ کا دروازہ بند کرلیا۔ وہ اس وقت جہانگیر کو اکیلا چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

"وہ ایک دن میں دوسری بار میرے ہاتھوں سے نکل گیا۔" اول خان کی متاسفانہ آواز سنائی دی "میرے اور اس کے درمیان چند فٹ کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا۔"

"چلتی ٹرین سے وہ کہاں غائب ہوگیا؟" میں نے تعجب سے سوال کیا۔

"نواب شاہ سے آگے کسی وجہ سے ٹرین کی رفتار کم ہوئی تھی۔ شاید وہاں ٹریک کی مرمت کا کام چل رہا ہے۔ میں اسی وقت کئی ڈبے عبور کرکے اس کی بوگی میں داخل ہوا۔ وہ میری طرف سے غافل نہیں تھا۔ میری صورت دیکھتے ہی دروازہ کھول کر پائیدان پر لٹک گیا۔ میں کھلے ہوئے دروازے پر پہنچا تو اس نے اندھیرے میں اندھا دھند باہر چھلانگ لگادی۔"

"وہ مرا نہیں تو زخمی ضرور ہوا ہوگا.... اس وقت تم کہاں ہو؟"

"میں شہداد پور میں لیبسن ہوٹل سے بول رہا ہوں۔" اول خان نے جواب دیا "مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی طرح اپنی جان پر نہ کھیل سکا۔ ٹرین کی رفتار کم ہونے کے باوجود خطرناک تھی۔ ٹریک قریبی میدان سے کافی اونچا تھا اور پھر ٹرین کا پائیدان! تم جانتے ہی ہو کہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ شہداد پور اسٹیشن پر ٹرین نے بس سانس لیا تھا اور میں یہیں اتر گیا۔"

"اچھا کیا کہ تم نے فون کرلیا۔ اب اس پر لعنت بھیجو۔ جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔"

"وہ ایک گٹھڑی کی طرح ڈھلان پر گرا تھا۔ میں اندھیرے میں اس کا انجام نہیں دیکھ سکا مگر میں تمہارے خیال سے متفق ہوں۔ وہ زندہ بچ گیا تو ہاتھ پیر ضرور تڑوا بیٹھا ہوگا۔"

"کیا شہداد پور جیسے چھوٹے شہر میں بھی ہوٹل رات بھر کھلے رہتے ہیں؟"

وہ دھیرے سے ہنسا "اس زرعی قصبے میں تھوڑی دیر بعد لوگوں کے روز مرہ معمولات شروع ہوجائیں گے۔ بس تانگے والا مہربان تھا۔ یہاں پہنچا کر ہوٹل کے مالک کو اس کے گھر سے بلالایا۔ اس وقت وہ شریف آدمی ہوٹل کی کسی پچھلی کوٹھری میں میرے لیے بستر اور چارپائی درست کروا رہا ہوگا۔ کچھ دیر یہاں کریدھی کرکے واپسی کی فکر کروں گا۔"

"اس وقت تم چاہو تب بھی شاید وہاں سے نہیں نکل سکتے؟" میں نے پوچھا۔

"ناممکن۔ یہی غنیمت ہے کہ اسٹیشن کے باہر تانگا مل گیا ورنہ میں پیدل ہی بھٹک رہا ہوتا۔"

"ذرا ہوشیار رہنا۔ اندرون سندھ ہندوؤں کی خاصی بہتات ہے۔ پھر ہوٹل میں بھی تمہیں اجنبی پردیسی سمجھ کر لوٹا جاسکتا ہے۔"

"میرا تجربہ بتاتا ہے کہ لیبسن ایک شریف اور سادہ لوح انسان ہے۔ اس کے ہوٹل میں مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا.... یہ بتاؤ کہ سلطان شاہ کی کیا خیر خبر ہے۔"

میں نے بتا دیا کہ وہ اسٹیشن فور پہنچ چکا تھا۔ اول خان نے اطمینان کا سانس لیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ سلطان شاہ کہیں فرطِ جوش میں گاڑی میں ٹرین کے پیچھے نہ چل دے۔

واپسی پر رابطے کا وعدہ کرکے اس نے فون کال کا سلسلہ منقطع کردیا۔

○☆○

کھٹول راجوانی کے گھر پر اعلیٰ سطحی پولیس پارٹی کے ناکام چھاپے کے بعد اس کا ذاتی کمرا سیل کردیا گیا تھا اور اس کی نگرانی پر ایک سپاہی مامور کردیا گیا تھا۔ وہ سرکاری انتظام تھا۔ غیر سرکاری طور پر اول خان نے اپنے دو آدمی وہاں آنے جانے والوں پر نظر رکھنے کے لیے لگا دیے تھے۔ مجھے کچھ امید تھی تو بس ان ہی دونوں سے تھی ورنہ چھاپے میں اہم عہدے داروں کا کردار سامنے آہی چکا تھا۔

چھاپے میں علاقہ مجسٹریٹ کے کردار کے بارے میں اول خان نے کھل کر اپنے تحفظات کا اظہار کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ان عہدوں میں انتظامی اور عدالتی اختیارات یکجا ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہوچکا تھا جس کا سدھار آسان نہیں تھا۔

پچھلے روز جہانگیر میرے بیدار ہونے سے پہلے تیار ہو کر اپنی دکان کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا۔ اس دن گھر میں سب سے پہلے میری آنکھ کھلی تھی حالانکہ میں اول خان سے بات ہونے کے بعد بوجھل ذہن کے ساتھ سونے میں کامیاب ہوسکا تھا۔

کمرے سے نکلنے پر مجھے دروازے کے قریب اخبار دکھ گیا۔ [illegible] کے گھر پر اخبار منگوا [illegible]

Downloaded from https://paksociety.com

کا بندوبست کرلیا تھا۔

اخبار کے پہلے صفحے پر میری گرفتاری میں مدد حاصل کرنے کے لیے اس روز پھر ایک بڑا اشتہار دیا گیا تھا۔ میرے خلاف الزامات کی فہرست طویل ہوچکی تھی۔ اشتہار کی رو سے میں صرف عالمی دہشت گرد نہیں رہا تھا' مجھے قاتل' سازشی' ڈکیت اور کرائے کا منجر بھی قرار دیا گیا تھا۔ انعام کی رقم پندرہ سے بڑھا کر بیس لاکھ امریکی ڈالر کردی گئی تھی۔

کار آمد اطلاع دینے والے شخص کے اہل خاندان کے لیے مکمل ترین تحفظ اور اس کے حصول کے لیے امریکی شہریت دینے کی ترغیبات بدستور موجود تھیں۔

وہ تشہیر میرے لیے خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھی۔ کالو مکرانی کا تلخ تجربہ میرے سامنے تھا۔ اس نے لالچ سے مغلوب ہو کر جہانگیر کے ذریعے میری گردن تک رسائی کی پہلی کوشش کرہی ڈالی تھی۔ شہر میں بہت سے لوگ اس انعام کی طرف راغب ہوسکتے تھے جو ان کی زندگی بدل سکتا تھا۔

پاکستانی کرنسی کے قدرے استحکام کے باوجود ان دنوں بیس لاکھ ڈالر کی رقم بہت خطیر تھی۔ امریکا کو مطلوب دوسرے ملزموں کے مقابلے میں مجھے یہ نقصان تھا کہ عوام میں سے کوئی میرے نام سے واقف تھا' نہ انہیں یہ معلوم تھا کہ امریکا کے مفادات پر کاری ضربیں لگا کر میں پس پردہ کن پاکستانی مفادات کا بھرپور تحفظ کررہا تھا۔ ان کے لیے وہ اشتہار ہی میرا تعارف تھا۔

دوسرے "مجرموں یا ملزموں" کو طاقت ور زیر زمین تحریکوں کی حمایت حاصل تھی۔ امریکا کو نقصان پہنچانے پر ان کے کارناموں کے بارے میں ایسے محتاط الفاظ میں تشہیر کی جاتی تھی کہ امریکا کی خون آشام مخالفت کے باوجود دنیا کے بیشتر خطوں میں ان کے لیے رائے عامہ ایک نرم گوشہ ضرور رکھتی تھی۔ میں ابتدا سے ہی خود کو چھپاتا رہا تھا اور میری حمایت کرنے والی اسپیشل ٹاسک فورس کا یہ حال تھا کہ اپنی پوری طاقت اور کارکردگی کے ساتھ موجود ہونے کے باوجود وہ کاغذوں یا ریکارڈ پر سرے سے نہیں تھی۔

ہمارے بارے میں لوگ وہی زہر فشانیاں پڑھتے رہے تھے جو ابلاغ کے مغربی ذرائع سے چھن کر ہمارے پریس تک پہنچتا تھا۔ مجھے پہلی بار قلق ہوا کہ میں ناگزیر وجوہ کی بنا پر اپنے ہم وطنوں کی ہمدردیوں سے محروم تھا جس کے نتیجے میں کسی بھی لمحے کوئی دوسرا کالو میری راہ کا سنگ گراں بن سکتا تھا۔

امریکی منگتے اشتہار دے کر اسی ایک نکتے سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے کوشاں تھے۔

اپنے ان دشمنوں سے لڑتے ہوئے مجھے ایک مدت گزر گئی تھی۔ ان کی بھیانک سازشوں کے باوجود میں صرف اس لیے بچا ہوا تھا کہ وہ صرف میرے نام سے آشنا تھے' میری کوئی تصویر ان کے ریکارڈ میں شامل نہیں تھی۔ میں امریکا کا گیارہ مطلوبہ ملزموں میں شامل تھا' میری تصویر کسی سفارت خانے یا قونصل خانے میں میری کوئی تصویر نہیں دی گئی تھی۔ جینی کے بیان کے بعد امیگریشن والوں کو یہ معلوم ہوچکا تھا کہ میں اسلم خان کے نام سے امریکا میں داخل ہوا تھا۔ اس حوالے سے ان کے پاس جعلی کوائف پر مشتمل صرف ایک کارڈ تھا' تصویر وہاں بھی نہیں تھی۔ اگر میں نے کراچی سے فون کرکے جینی کا غصہ ٹھنڈا نہ کیا ہوتا تو یہ خطرہ موجود تھا کہ امریکی ایجنسیاں اس کی مدد سے میرا خاکہ تیار کروا کے اشتہاروں کے ساتھ جاری کردیتیں۔

میرے اور گیپ کی اصل دستاویز کے بارے میں پاکستانی اور امریکی حکام کی سرد جنگ بدستور جاری تھی اور خبروں میں اس کی جھلکیاں موجود تھیں۔

پاکستان گیپ کے اصل مسودے کو امریکا کے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ افواہیں تھیں کہ دارالحکومت میں غیر ملکی سفیروں کے کئی منتخب اجتماعات میں ان اصل کاغذات کو پیش کیے جانے کا پروگرام بن رہا تھا تاکہ عالمی سطح پر ایک رائے منظم کی جاسکے۔

ان افواہوں کے پس منظر میں امریکی دفتر خارجہ نے اصل کاغذوں کے بارے میں اپنے مطالبے میں شدت پیدا کردی تھی۔ میرے لیے یہ بات ذرا بھی حیران کن نہیں تھی کہ امریکی کسی خفت یا شرمندگی کا اظہار کرنے کے بجائے چوری کے بعد سینہ زوری دکھا رہے تھے۔

ان کا استدلال تھا کہ گیپ جیسی سنگین الزام تراشی کے بعد پاکستان کو امریکی حکومت کے اطمینان کے مطابق اس کا ثبوت پیش کرنا چاہیے۔ کسی مسلمہ چور کی طرف سے اپنے خلاف ثبوت کی فراہمی کا دباؤ اور وہ بھی اپنی ہی خدمت میں' ایک انوکھا مطالبہ تھا جس کی نظیر ملنی مشکل تھی مگر وہ سنگین زمینی حقیقت تھی جو برسر زمین موجود تھی اور اس کے خلاف کہیں سے کوئی آواز بلند نہیں ہوئی تھی۔ پاکستان کو اپنا کیس تنہا لڑنا پڑ رہا تھا۔

میرے لیے وہ کاغذ دیکھے بھالے تھے۔ ان میں پاکستان کے ساتھ کئی اور ممالک کے نام شامل تھے۔ وہ ممالک بھی اس وقت تک مہر بہ لب تھے۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے پاکستان نے گیپ کا اصل مسودہ حاصل کرکے ساری ذمے داری اپنے سر لے لی تھی۔

بظاہر وہ معاملہ الجھتا اور طول پکڑتا ہوا نظر آرہا تھا کیونکہ دوسرا فریق اس کے حل کے بارے میں اخلاص یا سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کررہا تھا۔

میرا معاملہ مختلف تھا۔ میں اپنی عوامی حمایت سے محروم' امریکا کا خطرناک ملزم قرار دیا جارہا تھا اور امریکی مجھے ہر قیمت پر اپنے چنگل میں جکڑ کر سزایاب کرانا چاہ رہے تھے لیکن پاکستان کے ذمے دار سرکاری اہل کار میرے وجود سے اپنی لاعلمی کا اظہار کرنے پر مصر تھے۔

سرکاری دفاتر اور فائلوں میں میرے کسی جرم کا کوئی واضح ثبوت موجود نہیں تھا۔ میرا نام ریکارڈ میں شامل تھا' میرے خلاف الزامات کی تردید کرنے کی

Downloaded from https://paksociety.com

پوزیشن میں نہیں تھے کیونکہ خود ان کے پاس میرا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں تھا۔ وہ صرف الزامات کی فہرست دہرا رہے تھے۔

میرے لیے وہ بہت بڑی رعایت تھی۔ مجھے یہ ذہنی سکون میسر تھا کہ اس بار مجھے اپنوں کے اختیار کا کوئی تشدد سے بغیر' ملک میں اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کی آزادی حاصل ہے۔

میرے حق میں موجود اس فضا کو مسموم کرنے کے لیے واضح طور پر کھٹمل راجوانی کو آلۂ کار بنایا گیا تھا۔ ایک مخبر سی خبر کے مطابق اس نے اپنے گھر پر ہونے والی مبینہ ڈکیتی کے الزام میں ڈپٹی اور اس کے نامعلوم ساتھیوں کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی تھی۔

اس وقت تک میرا اور کھٹمل کا براہِ راست آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اس کے گھر پر حملہ کرنے والے ایس ٹی ایف کے آدمی تھے۔ میں نے اس کی چار دیواری میں قدم تک نہیں رکھا تھا۔ اس سے فون پر گفتگو کے دوران میں' میں نے ہمیشہ شنکر کا نام استعمال کیا تھا مگر آخری بار اس نے خود ہی مجھے ڈپٹی قرار دینے پر اصرار کیا تھا۔

یہی نہیں اس نے ہمارے نادرہ والے فلیٹ میں گھسنے کے لیے بالم اور جانی جیسے جرائم پیشہ افراد کو مامور کیا تھا جس کی گواہی کالو مکرانی دے چکا تھا۔

یہ سب نکات اس امر کی غمازی کررہے تھے کہ تیس مار خان بننے والا کھٹمل اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کررہا تھا۔ اس کی ڈوریاں کہیں اور سے ہلائی جارہی تھیں۔ اس کے نامعلوم آقاؤں نے اس کی کھوپڑی میں یہ بات بٹھادی تھی کہ اسے قانونی یا غیر قانونی ذرائع اختیار کرکے مجھے ختم کرنا تھا اسی وجہ سے اسے ہر جگہ میرا سایہ نظر آرہا تھا۔

اس نے غیر قانونی ذریعے سے میرے خاتمے کے لیے بالم اور جانی کے ذریعے ناکام لشکر کشی کی تھی۔ قانونی مار مارنے کے لیے میرے خلاف جھوٹا پرچہ کٹوا دیا تھا۔

جو کام امریکی اپنے دباؤ اور اثر و رسوخ سے نہیں کروا سکے تھے وہ کھٹمل نے ذرا سی دیر میں کر دکھایا تھا۔ تھانے کی سطح کے اہل کاروں کو علم نہیں ہوسکتا تھا کہ ڈپٹی کون ہے اور اسے کن خاموش قوتوں کی پشت پناہی حاصل ہے۔

وہ بس اپنے علاقے میں بسنے والے کھٹمل کی جاہ و حشمت سے مرعوب تھے۔ اس کے گھر ہونے والی ڈکیتی کا سراغ لگانا ان کا فرض تھا۔ انہوں نے بے چون و چرا ایف آئی آر درج کرکے میرا نام ریکارڈ میں شامل کردیا تھا۔

میرے لیے وہ موذی اور بدمعاش سیاست داں' آئزک بیل سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا تھا۔ وہ آستین کا سانپ تھا جس کا پھن کچلنا ناگزیر ہوگیا تھا۔

میں اپنے کمرے سے تازہ دم ہو کر باہر نکلا تھا۔ سلمٰی کے بیدار ہونے تک میز پر بیٹھا اخبار چاٹتا رہا۔ وہ بن سنور کر کمرے سے نکلی تو والہانہ انداز میں میرے قریب آکر کھڑی ہوگئی اور اخبار پر جھکتے ہوئے بولی "کیا خبریں پڑھ رہے ہو؟ جہانگیر کے بارے میں کچھ چھپا ہے؟"

وہ مجھ سے خطرناک حد تک قریب تھی۔ اس کے رچے بسے نسوانی وجود کی حیوانی مہک سے بوکھلا کر میں اپنی کرسی میں سمٹ گیا اور دوسرے مرحلے میں میں نے تیزی سے کرسی چھوڑ دی۔

"کیا ہوا؟" سلمٰی نے معصومانہ انداز میں نظریں اٹھا کر سوال کیا "میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے کرسی سے کیوں اٹھ گئے؟"

"مجھے اپنی عزت عزیز ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "بے خبری میں تم کو کچھ ہوش نہیں رہتا۔ جہانگیر ہم دونوں کو اتنے قریب دیکھ لے تو اس کا ماتھا ٹھنک سکتا ہے۔ نیت صاف ہونے کے باوجود میں اس کی بدگمانی دور نہیں کرسکوں گا۔"

"ان کی بات چھوڑو۔" وہ بے پروائی سے بولی "وہ گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہیں۔ اب دوپہر کی خبر لائیں گے۔ وہ دیکھ بھی لیں تو تمہاری طرف سے کبھی بدگمان نہیں ہوسکتے۔"

"اخبار میں اس معمولی واقعے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ تم جا کر ناشتا تیار کرلو۔ مجھے انتظار کرتے ہوئے ڈیڑھ گھنٹا گزر چکا ہے۔"

"ڈرپوک کہیں کے۔" دھیمے سے یہ کہہ کر سلمٰی اٹھلاتی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئی۔

ناشتا ہم نے میز پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر کیا۔ ناشتے کے بعد اسے یہ فکر سوار ہوگئی کہ میں نے جہانگیر کو بجا طور پر گھر میں نظر بند کردیا تھا لیکن اس کے نتیجے میں وہ بسیار نوشی میں مبتلا ہوسکتا تھا۔

"یہ دیکھنا تمہارا کام ہے۔ تم اس کی بیوی ہو۔" میں نے بے رخی سے کہا "میں صرف اتنا یقین دلا سکتا ہوں کہ میری طرف سے اس کی حوصلہ افزائی نہیں ہوگی۔"

"کبھی کبھی وہ تمہیں بھی بہکا لیتے ہیں پھر بھی مجھے حسرت ہی ہے کہ کبھی تم نشے کی حالت میں میرا اور غزالہ کا فرق فراموش کر بیٹھو۔ وہ تو کل رات ہی بیہوشی کروریا پر لٹو ہوئے جارہے تھے۔ تم اپنے اوپر اتنا قابو کیسے رکھتے ہو؟"

"ایک طلسم بڑھ ڈالو تو جہانگیر بھی نہیں بہکے گا۔ یہ تمہارے....." میرا وہ بے سروپا مشورہ ادھورا رہ گیا کیونکہ فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا۔ وہ پلیسن ہوٹل کے مالک کے تعاون کی وجہ سے شہداد پور سے صبح سویرے نکلنے والی پہلی بس کے ذریعے دس بجے کراچی پہنچ گیا تھا اور اس وقت اپنے گھر پر موجود تھا۔

"گھر پہنچنے کے بعد یہ میرا تیسرا فون ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں

Downloaded from https://paksociety.com

ناشتا کرکے تمہاری طرف آتا ہوں۔" اپنی آمد کی پوری روداد سنانے کے بعد اس نے اطلاع دی۔

"تم یہاں آجاؤ گے تو کالو اور اس کے ساتھی کا کیا بنے گا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے جو کام اپنے سر لیا ہے' اس سے غافل نہیں ہوں۔ تم سے پہلے میں نے دو فون اسی بارے میں کیے تھے۔ ان دونوں کے ساتھ نسیم کا بندوبست بھی ہوگیا ہے۔"

"پولیس انہیں کس الزام میں اپنی تحویل میں لے گی؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"پہلے میرا ارادہ تھا کہ ان پر بلیک میلنگ اور اغوا کے الزامات عائد کیے جائیں مگر اس طرح جہانگیر کا نام بھی ملوث ہوجاتا۔ اب انہیں صرف ایک جرم میں گرفتار کیا جائے گا جس کا اعتراف کالو اپنی زبان سے کرچکا ہے۔"

"میرے گھر پر حملے کا الزام؟ اس طرح میرا نام ملوث ہوگا۔" میں نے کہا۔

"کسی کا نام نہیں آئے گا۔ وہ لوگ تمہارے فلیٹ میں داخل ہونے سے پہلے زینوں پر مارے گئے تھے۔ اصل پروگرام سے وہ چاروں واقف تھے۔ کالو سمیت باقی افراد کو کسی بات کا علم نہیں تھا۔ وہ پولیس کو اس خوں ریزی کے مقصد سے آگاہ نہیں کرسکیں گے۔" اول خان نے بتایا۔

"اس طرح ان کے جرم کی سنگینی کم نہیں ہوجائے گی؟" مجھے تشویش ہوئی۔

"یہ دیکھنا میرا کام ہے۔ وہ جرم کے مقاصد سے واقف نہیں تھا مگر وہاں فائرنگ کے نتیجے میں چھ لاشیں وجود میں آئی تھیں۔ یہ بھول جاؤ کہ مرنے والے سب ہی پیشہ ور مجرم تھے اور انہیں تم لوگوں نے یا میرے آدمیوں نے مارا تھا۔ پولیس کو ان کے قاتلوں کی تلاش ہے۔ کالو کے اعتراف کی روشنی میں اسے قتل یا پھر قتل میں اعانت کا ملزم گردانا جائے گا۔ اس کی گردن نہیں بچ سکے گی۔"

"اگر تفتیش تمہارے بتائے ہوئے خطوط پر کی گئی تو ایسا ہی ہونا چاہیے۔"

"ہم انہیں ایک تیار کیس دے رہے ہیں۔ وہ ان خطوط سے ذرا بھی انحراف نہیں کریں گے۔"

"ظاہر ہے کہ تم نے یہ سارا بندوبست سرکاری سطح پر کیا ہوگا۔"

"مجبوری تھی۔ اعلیٰ حکام کی ہدایت کے بغیر تھانے والے ہم سے ڈکٹیشن نہ لیتے۔"

"پھر کھٹمل کی گردن بھی اس کیس میں پھنسائی جاسکتی ہے۔" میں نے رائے ظاہر کی۔

"کھل کر بتاؤ تاکہ ملزموں کی منتقلی سے پہلے میں اس کی وضاحت بھی کردوں۔"

"کالو ہی یہ نیک کام کرے گا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ بالم اور جانی کے لیے کام کررہا تھا۔ وہ دونوں کھٹمل کے تنخواہ دار تھے۔ ضرورت پیش آنے پر اس شراب خانے کے مالک کو بھی گھسیٹا جاسکتا ہے جس کے عقبی دفتر میں بالم اور کھٹمل کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔"

فون پر اول خان کی ہنسی کی آواز سنائی دی پھر وہ بولا "تمہاری یادداشت قابلِ رشک ہے۔ کام کا ہر نکتہ یاد رکھتے ہو۔ تم ہی کو اس کیس کا تفتیشی افسر ہونا چاہیے تھا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ یہاں آنے سے پہلے تم نے ان تینوں کا بندوبست کرلیا ہے۔" میں نے دائیں بائیں دیکھ کر دھیمی آواز میں کہا "یہاں آکر نسیم کا ذکر نہ کرنا۔ سلمٰی بری طرح بھڑک جائے گی۔ میں اپنی موجودگی میں یہاں کسی قسم کی کشیدگی نہیں چاہتا۔"

"میں سمجھ گیا۔ اس کا ذکر کرنا ہی پڑا تو نام اور جنس بدلی جاسکتی ہے۔"

اس بار میں بے ساختہ ہنس پڑا "یہاں سارا جھگڑا ہی جنس کا ہے۔ وہ میرے دوست کو ضرورت سے زیادہ جنس زدہ سمجھتی ہے۔"

"بدا چھا' بدنام برا شاید اسی کے لیے کہا گیا ہے۔ میں دو تین فون کرکے آتا ہوں۔ باقی باتیں ملاقات ہونے پر ہوں گی۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا۔

میں فون رکھ کر واپس لوٹا تو سلمٰی کچن میں ناشتے کے برتن دھو رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ سوال کر بیٹھی "کیا باتیں ہورہی تھیں؟ خوب قہقہے لگ رہے تھے۔"

"مشکلات کچھ آسان ہوئی ہیں تو ہنسنے کی خواہش پوری کررہا تھا۔"

"ہنسنا چاہو تو تم ہر وقت مجھ پر بھی ہنس سکتے ہو۔" اپنا کام ادھورا چھوڑ کر اس نے ہاتھ دھوئے اور باورچی خانے سے باہر نکل آئی۔

سلمٰی کی اس حرکت کے پیچھے اس کی یہ لاشعوری خواہش کارفرما تھی کہ وہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت میرے ساتھ گزارے جب کہ میں تنہائی میں اس کے ساتھ خود کو بہت بے آرام محسوس کرتا تھا۔ ہر وقت اس کی طرف سے کسی ذہنی جھٹکے کا خطرہ رہتا تھا۔

"تم پر کون ہنس سکتا ہے؟ تمہارے پاس دنیا کی کس چیز کی کمی ہے؟"

"دیکھ لو۔" اس نے صوفے پر بیٹھ کر اپنا دامن پھیلا دیا۔ "ماں ہو کر بھی خالی گود لیے پھرتی ہوں۔"

"جوان رہنے اور نظر آنے کے لیے تمہارے طبقے کی بہت سی عورتیں بچوں کو آیاؤں کے سپرد کردیتی ہیں۔ انہیں شیر مادر کا ذائقہ تک نہیں چکھنے دیتیں۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ تم نے ممتا کو اپنے

Downloaded from https://paksociety.com

"اکثر خیال آتا ہے کہ بھائی لاولد ہیں۔ پتا نہیں وہ بچے کی ضرورتوں کو سمجھتی بھی ہیں یا انہیں نظرانداز کردیتی ہیں۔ میں گھنٹوں اس کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں۔"

وہ اس کا اپنا پیدا کیا ہوا مسئلہ تھا جس سے مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ اس وقت اس کی ذہنی رو اپنے بچے کی طرف بھٹکی ہوئی تھی۔ وہ مسلسل اسی کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ میں اس کا بن بلایا مہمان تھا۔ مروت میں اس کی باتیں سنتا اور جواب دیتا رہا۔

اول خان میرے اندازے سے کہیں زیادہ تاخیر سے آیا اور سلمٰی سے میری گلوخلاصی ہوگئی۔

"اب تم اپنے اس فلیٹ سے باہر نہ نکلنا۔" تخلیہ ہوتے ہی اول خان نے رازدارانہ لہجے میں ہدایت دے کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑادیں۔

"کیوں؟ کیا یہ فلیٹ بھی ہمارے دشمنوں کی نظروں میں آگیا ہے؟"

"تمہارے خلاف ایف آئی آر درج ہونے کے بعد امریکی ذرا تیزی دکھا رہے ہیں۔ انہوں نے سرکاری سطح پر ہماری طرف سے لاعلمی کے اظہار کے بعد باضابطہ طور پر نادرہ کے فلیٹ کی نشاندہی کی ہے۔ ان کا اصرار ہے کہ تم وہاں مقیم ہو۔"

"غنیمت ہے کہ یہ بات اب کہی جارہی ہے۔ انہیں بروقت ہوش آجاتا تو مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔ اس کے بعد ان کا اگلا قدم کیا ہوگا؟" میرے لیے وہ اطلاع تشویشناک تھی۔

"وہ قانون کے محافظوں کو تمہاری راہ پر ڈالنے کی سرتوڑ کوششوں کا آغاز کرچکے ہیں۔ انہیں جواب دے دیا گیا کہ وہ فلیٹ خالی اور مقفل پڑا ہوا ہے۔"

"کھوٹل کے بھیجے ہوئے قاتلوں کی ناکامی کے بعد یہ بات انہیں پہلے ہی معلوم ہوچکی ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ وہ اب کیا کرنا چاہ رہے ہیں۔ میرے لیے اصل اہمیت ان کے موجودہ عزائم کی ہے۔"

"ایف بی آئی کا ایک سراغرساں دو تربیت یافتہ کتوں کے ساتھ کراچی میں موجود ہے۔"

"امریکی کتے میرے لیے نئے نہیں ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "میں انہیں پہلے بھی بھگت چکا ہوں۔"

"شاید تم امریکیوں پر طنز کررہے ہو۔" وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بولا۔

"امریکی دو ٹانگوں والے ہوتے ہیں۔ میں چوپایوں کی بات کررہا ہوں۔ تمہارا حافظہ کمزور ہوگیا ہے ورنہ تمہیں یاد آجاتا کہ سوسائٹی میں راس الیمڈا سے میرے پہلے تصادم کے فوراً بعد پی ای سی ایچ ایس کی گلیوں میں ایک خونخوار کتا میری بو پر حملہ آور ہوا تھا۔ کھڑکی کا شیشہ گرا ہوا ہوتا تو وہ میرا پورا شانہ ادھیڑ لے جاتا۔"

"یاد آگیا۔" اول خان بولا۔ "تم نے اس کتے کو ہلاک کرتے ہوئے کہا تھا کہ روز سلطان شاہ تم سے بچھڑ گیا تھا اور تم اس کی تلاش میں گلیاں چھانتے پھر رہے تھے۔"

"گڈ... میں یہی حوالہ دے رہا تھا۔ اب شاید وہ سراغرساں اپنے کتوں سمیت نادرہ کے فلیٹ میں جانا چاہ رہا ہوگا؟"

"سو فیصد یہی قصہ ہے۔ بات ان کی خواہش سے آگے بڑھ چکی ہے۔ اس خواہش کو مسترد کرنے کو یہ مفہوم دیا جاتا کہ مقامی حکام تمہیں تحفظ فراہم کررہے ہیں۔ امریکیوں اور مقامیوں پر مشتمل ماہرین کی ایک ٹیم دونوں کتوں کے ساتھ آج تین بجے فلیٹ کا معائنہ کرے گی۔"

"انہیں پھر چوٹ ہوگی۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔ "سارا سامان پہلے ہی وہاں سے نکالا جاچکا ہے۔ وہاں اتنے لوگوں کی آمدورفت رہی ہے کہ وہ مرکر بھی میری بو کا سراغ نہیں لگا سکیں گے۔"

"بیشتر سامان نکال لیا گیا ہے مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ چیزیں وہاں رہ گئی ہوں گی۔ اس وقت یہ معلوم ہوتا کہ نادرہ کا گھر ہمیشہ کے لیے خالی کرنا ہے تو ہر چیز منگوا لیتا۔"

"اس سے بھی مدد نہیں ملے گی۔ ذاتی استعمال کی چیزوں پر کسی کا نام نہیں لکھا ہوا ہوتا۔"

"پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔ آج تم بھول کر بھی باہر نہ نکلنا۔ وہ کتوں کو تمہاری بو پر سدھا کر اس علاقے میں آزاد چھوڑنا چاہ رہے تھے تاکہ کتے ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد کسی خاص مقام کی نشاندہی کرسکیں مگر تحفظ عامہ کے تحت یہ تجویز سختی سے مسترد کردی گئی۔ کتے لاکھ تربیت یافتہ ہوں لیکن کسی بھی چیز سے مشتعل ہوکر خونخوار ہوسکتے ہیں۔"

"بہتر ہوتا کہ ان کی تجویز قبول کرلی جاتی اور تمہارے نشانچی چھپ کر انہیں بھون ڈالتے۔"

"ان کی ہربات مان لینے سے ان کے حوصلے بلند ہوجاتے۔ پتا نہیں آگے وہ کیا کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انہیں بے لگام آزادیاں نہیں دی جائیں گی۔"

"تم امریکیوں کی توہین کررہے ہو۔ لگام چوپایوں کی دی جاتی ہے!" میں نے یاد دلایا۔

"ایسی باتیں قوموں کے بارے میں نہیں' افراد کے بارے میں کی جاتی ہیں۔ ہر قوم میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جنہیں دیکھ کر چوپائے تو کیا' درندے بھی شرما جائیں۔"

"میں تم سے متفق ہوں۔ کچھ ہی روز پہلے میں نے ایک جاپانی کے بارے میں پڑھا ہے۔ وہ اپنی خوبصورت دوستوں کا گوشت ڈیپ فریزر میں منجمد کرکے مہینوں بہت رغبت سے استعمال کرتا تھا۔ یہ اس کی ذاتی کجی روی تھی ورنہ جاپانی قوم منکسرالمزاج' خوش اخلاق اور امن پرور مشہور ہے۔"

"ہم فضول باتوں میں وقت ضائع کررہے ہیں۔" اول خان کو کوئی

Downloaded from https://paksociety.com

بھولی ہوئی بات یاد آگئی۔ "یہاں کے حفاظتی انتظامات میں میں نے ذرا سی تبدیلی کی ہے۔ آدمی دو ہی ہیں مگر اپریٹس ایک رہ گیا ہے۔ دوسرا اپریٹس اسٹیشن فورپر ہے تاکہ ہم سب کا وہاں سے بھی رابطہ رہ سکے۔"

"یہ بندوبست اسی طرح ہونا چاہیے تھا۔ بہرحال دیر آید' درست آید۔"

سلمٰی ہم دونوں کے لیے چائے لے آئی۔ ساتھ ہی یہ اطلاع بھی ملی کہ جہانگیر بیدار ہو کر غسل خانے میں گھسا ہوا تھا اور کسی بھی وقت برآمد ہو کر ہمارے ساتھ شامل ہو سکتا تھا۔

ہم چائے کی پیالیاں خالی بھی نہ کر پائے تھے کہ جہانگیر دونوں ہتھیلیاں رگڑتا اور چمکتا ہوا آپہنچا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے غسل کے پانی کے ساتھ رات کی مے نوشی کے جملہ اثرات ڈرین پائپ میں بہا دیے ہوں۔

اس کے پیچھے پیچھے سلمٰی ناشتے کی ٹرے لیے وہاں آگئی اور خود بھی بیٹھ گئی۔

جہانگیر کو معلوم تھا کہ اس سے ٹکرانے والے دونوں افراد ایس ٹی ایف کی تحویل میں دے دیئے گئے۔ اس نے اول خان سے رسمی طور پر ان کے بارے میں پوچھا۔ اس کے حیدر آباد کے ہنگامی دورے کے بارے میں چند سوال کئے۔ اس دوران میں وہ ناشتے سے بھی انصاف کرتا رہا۔

کچھ دیر بعد اول خان نے اپنے اپریٹس پر کال سگنل دیکھ کر آواز کھولی تو کوئی اس سے گفتگو کرنی چاہ رہا تھا۔ اول خان نے جونہی اپنی موجودگی کا پیغام دیا' دوسری طرف سے آواز آنے لگی "پولیس نے نسیم کو پکڑ لیا ہے.... یہ اطلاع ابھی ابھی...."

میں نے بوکھلا کر اپریٹس اس کے ہاتھ سے چھینا اور آف کر دیا۔

اول خان تحیر زدہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ "کیا ہوا؟ تم نے اسے کیوں بند کر دیا؟"

اسی وقت سلمٰی کچن سے دوڑی چلی آئی۔ وہ جہانگیر کے لیے چائے لینے گئی ہوئی تھی۔ "ابھی ابھی کوئی بھرائی ہوئی آواز میں نسیم کا ذکر کر رہا تھا.... تم لوگوں نے بھی آواز سنی ہو گی؟"

تینوں احمقانہ انداز میں ایک دوسرے کے چہرے تکنے لگے۔ ہماری خاموشی مشکوک ٹھہرتی۔ میں نے جلدی سے کہا۔ "ہم نے کچھ نہیں سنا' تمہارے کان بج رہے ہیں۔ رات کو بھی تمہیں اسی کے خواب نظر آتے رہے ہوں گے۔"

"ہاں' ایسی تو کوئی بات نہیں تھی۔" اول خان نے سر ہلا کر میری تائید کی۔

سلمٰی کے لیے میرے جواب سے زیادہ معتبر اول خان کی تائید تھی۔ وہ مطمئن ہو کر لوٹ گئی۔

"تم ضرور اسے مروا دو گے۔" میں نے دبی زبان میں اول خان پر غصہ نکالا۔

وہ خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میں نے پوری احتیاط کی ہے۔ اپریٹس ذہن میں نہیں آیا تھا۔ یہ خبر بھی عین اسی وقت آنی تھی۔"

میں نے بازو پکڑ کر اسے صوفے سے اٹھایا اور تقریباً کھینچتا ہوا اپنے کمرے میں لے گیا۔

"اب یہاں سے بات کرو کہ کیا ہوا ہے۔" میں نے اسے باتھ روم کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے اندر چلا گیا اور اپریٹس پر اپنے آدمی سے رابطہ کرنے لگا۔

اپریٹس کی آواز کم رکھ کر اس نے دھیمی آواز میں گفتگو شروع کی۔ میں کھلے ہوئے دروازے پر کھڑا ہر لفظ سن رہا تھا۔

اصل خبر وہی تھی جو ہم سن چکے تھے۔ نسیم کو اس کے گھر سے اٹھا کر خواتین کے تھانے میں بند کر دیا گیا تھا۔ اپنے مجرمانہ پس منظر کی وجہ سے وہ پولیس کو دیکھ کر خائف ہو گئی تھی اور کسی مزاحمت کے بغیر خود کو پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔

"اس کے بارے میں کوئی نئی خبر ملے تو نسیم کے بجائے مولا بخش کا نام استعمال کرنا۔ یہ احتیاط بہت ضروری ہے۔ اوور اینڈ آل۔" اول خان آخر میں آئندہ کے لیے ہدایت دینی نہیں بھولا تھا۔

"تم نے اچھا کیا کہ اپریٹس چھین کر آف کر دیا۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ ہم تینوں یک زبان نہ ہوتے تو کوئی گڑبڑ شروع ہو سکتی تھی۔"

اول خان نے اپریٹس جیب میں رکھا اور ہم دونوں کمرے سے نکل آئے۔

اول خان حیدر آباد سے شہداد پور ہو کر کراچی لوٹ آیا تھا لیکن اس نے کھٹمل راجوانی کو فراموش نہیں کیا تھا۔ اس مکار آدمی کے ہاتھوں اٹھائی ہوئی زک اسے مضطرب کیے دے رہی تھی۔ اس نے فون پر اپنے ذرائع سے رابطہ کر کے نواب شاہ اور اس کے قرب و جوار کا سارا علاقہ چیک کروا لیا تھا مگر کہیں بھی پچھلی رات کسی ایسے زخمی کی آمد کی اطلاع نہیں ملی تھی جس پر کھٹمل ہونے کا شبہ کیا جا سکتا۔ وہاں کود کر وہ خاموشی سے نکل گیا تھا۔

اسے حیرت تھی کہ وہ سخت جان مجرم چلتی ٹرین سے ایک خطرناک چھلانگ لگانے کے باوجود بری طرح زخمی ہونے سے کیسے محفوظ رہا تھا۔ اس کی دانست میں وہ واقعہ کھٹمل کی مقدر کی یاوری کا کھلا ثبوت تھا۔ اس کے ستارے ساتھ نہ دے رہے ہوتے تو وہ اپنے گھر بلکہ کمرے میں مالِ مسروقہ کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہوتا۔

اول خان اس کے دوسرے فرار کا بھی چشم دید گواہ تھا۔ میں اس کے تجزیے پر حرف گیری نہیں کر سکتا تھا۔

ایک بچے کے بعد کھٹمل کے اثر و رسوخ کے کمالات سامنے

Downloaded from https://paksociety.com

آنے شروع ہوگئے۔ اسٹیشن فورپر صوبے کے اعلیٰ حکام کا دباؤ بڑھ گیا۔ وہ سب اول خان کو تلاش کررہے تھے۔ ماتحت عملہ پیغامات نوٹ کرکے اول خان کی مصروفیات سے لاعلمی کا اظہار کرتا رہا۔ پیغامات کی تکرار شروع ہوئی تو ان میں سے کسی نے اپریشن پر ڈیڑھ بجے اول خان کو ان پیغامات کی پہلی رپورٹ دی۔

"آئی جی اور صوبائی ہوم آفس کو میری تلاش ہے۔ اس کا مطلب ایک ہی ہوسکتا ہے کہ کھٹمول اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔" اول خان نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"وہ آج صبح سویرے حیدر آباد یا نواب شاہ سے جہاز کے ذریعے اسلام آباد گیا ہوگا۔ ٹرین سے اتنی جلد وہاں پہنچنا ممکن نہیں تھا۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اسلام آباد میں ہمارے آدمی سو رہے تھے۔" غصے اور بے بسی کے عالم میں اول خان نے اٹھ کر ٹہلنا شروع کردیا۔ "انہیں پہلے سے ہوشیار کردیا گیا تھا پھر بھی وہ اس کی راہ روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ یہ عجیب سی بات ہے۔"

"انہیں الزام نہ دو۔ وہ تمہارے سامنے سے دور تیز فرار ہوچکا ہے۔"

"وہ چھلاوا بنا ہوا ہے۔ اس کے ہمدرد حرکت میں آگئے تو اس بات کی تحقیقات ہورہی ہوں گی کہ کھٹمول کے گھر پر چھاپا کس کی ہدایت پر گیا تھا۔"

"تم نے اسلام آباد سے اس بارے میں کسی قسم کا حکم جاری کرایا تھا۔"

"میری رسائی اپنے فورس کمانڈر تک تھی۔ پتا نہیں اس نے کس اتھارٹی سے بات کی تھی۔"

"کہیں تم کسی جواب دہی کا خطرہ تو محسوس نہیں کررہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"جواب دہی کی مجھے پرکاہ کے برابر پروا نہیں۔ جھلاہٹ اس بات کی ہے کہ ہماری راہیں مسدود کرکے ایک خطرناک مجرم کے لیے آسانیاں پیدا کی جارہی ہیں۔"

"بڑے مگرمچھوں کی گرفتاری سے پہلے اجازت لینے کا فلسفہ اب سمجھ میں آرہا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "عام آدمی جرم نہ بھی کرے تو پولیس محض شبے میں اسے اٹھا کر حوالات میں بند کردیتی ہے۔ بڑے آدمی کا جرم سامنے آنے پر بھی اس کی گرفتاری محال ہوتی ہے۔"

"یہی خرابیاں ہمیں تباہ کررہی ہیں۔ مجرم کوئی بھی ہو' اسے بے رحمی سے کچل دینا چاہیے۔ پتا نہیں یہ سیدھی سی بات اوپر والوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ الزام کی نوعیت جانے بغیر ہر مقتدر آدمی اپنے عزیزوں' دوستوں اور حلیفوں کو تحفظ فراہم کرنے پر تل جاتا ہے۔"

"اصل بات وہی ہے جو تم ایک بار کہہ چکے ہو۔ یہ سب ہمارے سسٹم کی خرابیاں ہیں جو چھوٹے موٹے اور نیم دلانہ اقدامات سے ختم نہیں ہوسکتیں۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم اس سسٹم کے پابند ہیں۔ ہمیں اسی میں رہ کر کام کرنا پڑتا ہے۔"

"اسی وجہ سے ایس ٹی ایف غیر ملکی دشمنوں کو اپنا ہدف بنائے رکھتی ہے۔ مقامی گند میں جب بھی ہاتھ ڈالا جاتا ہے' نت نئے مسائل سر اٹھانے لگتے ہیں۔"

"یہ باتیں بعد میں بھی ہوسکتی ہیں۔ پہلے یہ دیکھو کہ وہ لوگ تم سے کیا چاہتے ہیں۔"

"دیکھنا پڑے گا۔ یہ پروٹوکول کی مجبوری ہے۔ وہ لوگ مجھ سے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔" یہ کہہ کر اول خان نے بے دلی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

پہلے اس نے صوبے کے انسپکٹر جنرل کے دفتر کا نمبر ملایا۔ آئی جی کے پی اے نے اس کا نام سنتے ہی کال اپنے باس سے ملا دی۔ سلام دعا کے بعد اول خان بس یس سر یس سر ہی کہتا رہا۔ دوسری طرف سے آنے والی ہدایات میں شاید اس کے بولنے کی گنجائش نہیں تھی۔

"بالکل سر! میں وقت پر پہنچوں گا۔ میرے ساتھ ایک ماتحت بھی ہوگا۔" آخر میں اس نے کہا۔ جواب میں دوسری طرف سے پھر کچھ کہا گیا۔

چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اول خان نے عاجزانہ لہجے میں آئی جی کا شکریہ ادا کیا اور غصے سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

"اب وقت کی بربادی کا دور چلے گا۔ سیکریٹری نے ہوم آفس میں آج شام چھ بجے ایک اجلاس طلب کیا ہے جہاں مجھے بھی طلب کیا گیا ہے۔" اول خان نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں نے آئی جی سے ایک ماتحت کو اپنے ساتھ لانے کی اجازت لے لی ہے۔ تم میرے ساتھ چلو گے۔"

"آج تم نے مجھے گھر سے نہ نکلنے کی ہدایت دی تھی...." میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے وہ بول پڑا۔

"مجبوری ہے۔ تمہیں چلنا ہوگا تاکہ میں وہاں بہکنے نہ پاؤں۔ تم یقین کرو کہ اس وقت میرے خون کی گردش خود بخود تیز ہوچکی ہے۔"

"اگر امریکی بھی وہاں موجود ہوئے تو میں مارا جاؤں گا۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"وہ نہیں ہوں گے۔ انہیں تین بجے تمہارے چھوڑے ہوئے فلیٹ میں جانا ہے۔ ان میں سے کوئی تمہیں نہیں پہچانتا۔ تم کسی فرضی نام سے وہاں جاؤ گے۔ تمہارا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔"

"جذبات کی رو میں آکر تم ایک انتہا پسندانہ فیصلہ کررہے ہو۔"

"میں اپنے فیصلوں کے نتائج کا سامنا کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتا ہوں۔ تم ذرا بھی آنچ آنے سے پہلے میں ہر ایک سے ٹکرا

Downloaded from https://paksociety.com

جاؤں گا۔" اول خان کچھ بھی سننے پر آمادہ نہیں تھا۔

"اگر تم ضد پر اتر آئے ہو تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ ایک تجربہ یہ بھی سہی۔"

"تم دونوں برا نہ مانو تو میں بھی کچھ عرض کروں۔" جہانگیر نے طویل خاموشی کے بعد معذرت خواہانہ انداز میں زبان کھولی۔

"معاف کرنا۔ اپنی باتوں میں الجھ کر ہم تمہیں بالکل فراموش کر بیٹھے۔" اول خان نے خفت سے کہا۔ "تم پوری آزادی سے کوئی بھی مشورہ دے سکتے ہو۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں لیکن یہ اندازہ ضرور ہو رہا ہے کہ تم نے میری وجہ سے کالو پر ہاتھ ڈالا اور اب اس کی وجہ سے کسی چکر میں پھنس گئے ہو۔ میری مانو تو اسے چھوڑ دو۔ جو ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔" جہانگیر نے پورے خلوص سے کہا۔

"وہ ڈاکو تھے۔ انہیں پکڑنے سے کیا مشکل پیدا ہوگئی؟" سلمٰی نے حیرت سے پوچھا۔ "اس کارنامے پر تو ڈپٹی کو انعام ملنا چاہیے تھا۔ یہاں الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔"

"بی بی! تم اپنی ننھی سی عقل پر زور مت دو۔" جہانگیر نے اس پر طنز کیا۔ "کچن میں جا کر کھانے پینے کا کوئی بندوبست کرو۔ یہ مردوں کی باتیں ہیں۔ ہم خود کچھ طے کرلیں گے۔"

"جہانگیر کی بک بک پر دھیان مت دو مگر لنچ بہت ضروری ہے۔ ہم خالی پیٹ میٹنگ میں گئے تو کسی نہ کسی سے لڑ بیٹھیں گے۔ اس کا گناہ تمہارے سر آئے گا۔"

"تم ہمیشہ ان کا ساتھ دیتے ہو۔" سلمٰی نے اٹھتے ہوئے شکوہ کیا۔ "میں بلاوجہ تمہارے سر پر بوجھ نہیں بنوں گی۔ ایک گھنٹے بعد جب چاہو' کھانا مانگ سکتے ہو۔"

"ہم مانگنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ تین بجے میز پر لگا دینا۔" اس کے جاتے جاتے جہانگیر نے ہانک لگائی۔ "کھانا مقدار میں وافر اور ذائقے میں لذیذ ہونا چاہیے۔"

میں چند ثانیوں تک جہانگیر کو گھورتا رہا پھر آہستگی سے کہا۔ "میں نے اس کے سامنے تمہاری لاج رکھ لی۔ اب تم بھی جا کر اس کا ہاتھ بٹاؤ۔ یہ معاملہ بہت سنگین ہوگیا ہے۔ ہم دونوں کو ٹھنڈے میں بیٹھ کر اس پر اپنا سر کھپانا ہوگا۔"

"مجھے صرف ایک بات بتا دو۔" اس نے آگے جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں خوشامد کی۔ "کیا یہ سارے خطرات صرف اس وجہ سے پیدا ہوئے ہیں کہ میں نے تسیم سے راہ و رسم پیدا کرنے کی کوشش کی تھی؟ تم دونوں کی باتیں سننے کے بعد یہ احساس مجھے مارے ڈال رہا ہے۔"

"بنیا دوہی ہے۔ تم اس عورت کی حوصلہ افزائی کرتے نہ بعد کے واقعات رونما ہوتے۔ کالو کی گرفتاری کے بعد کچھ دوسرے عوامل نے پورے معاملے کو سنگین بنا دیا ہے۔"

"پھر تم غور و خوض کرو۔ میں تمہارا ایک لمحہ بھی برباد نہیں کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا۔

اول خان نے نیچی آواز میں مجھے آئی جی سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

"ابھی تم نے صرف ایک فون کیا ہے' کچھ اور لوگ بھی تمہاری تلاش میں ہیں۔" اس کی بات مکمل ہونے پر میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ بھی یہی سلسلہ ہوگا۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "لیکن مجھے ہوم آفس والوں سے بھی بات کرنی چاہیے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم میرے ساتھ جاؤ گے۔"

اس بار میں نے اول خان کا پیچھا نہیں کیا۔ وہ گیا اور چند منٹ بعد لوٹ آیا۔ "وہی کہانی تھی۔ مجھ سے ریکارڈ ساتھ لانے کی فرمائش کی گئی تھی۔ میں نے صاف بتا دیا کہ ہم ریکارڈ کے بغیر کام کرنے والے لوگ ہیں۔ ہمارا ریکارڈ فائلوں کے بجائے ذہنوں میں محفوظ ہوتا ہے۔ ویسے بھی وہ چھاپا ہم نے نہیں مارا تھا۔ میں مبصر کے طور پر اس کارروائی میں شریک ہوا تھا۔ اصل ذمے داری آئی جی کی تھی۔"

اول خان نے بدلے ہوئے حالات کی روشنی میں اپنے انتظامات میں جو تبدیلیاں کی تھیں ان کے نتیجے میں کھانے کی میز پر اسے اپریشن پر پیغام ملا کہ ٹھیک تین بجے چار امریکی' چھ پاکستانی اور دو قد آور کتے اس عمارت میں داخل ہوتے دیکھے گئے تھے جس کی اوپری منزل پر نادرہ خنی کا آراستہ فلیٹ واقع تھا۔ یہ اطلاع اس اعتبار سے تسلی بخش تھی کہ ان کے وہاں مصروف ہوجانے کے بعد چھ بجے والے اجلاس میں ان کی شرکت کا بہت کم امکان رہ جاتا تھا۔

چار بجے ایس ٹی ایف کے ایک اہلکار نے ڈور بیل بجا کر خاکی رنگ کا ایک لفافہ سلمٰی کے حوالے کردیا۔ اول خان نے لفافے میں موجود چند کاغذات کا جائزہ لینے کے بعد انہیں پھاڑ کر تلف کردیا۔ باقی رہ جانے والی تین دستاویزات میری طرف بڑھا دیں۔

ان کاغذوں کی رو سے میرا نام ریٹائرڈ کرنل جمال دستی تھا اور میں کئی سال کی مدت سے اسپیشل ٹاسک فورس سے وابستہ تھا۔ ایک طرف یہ اتنا تھی کہ امریکیوں کے پاس میری کوئی تصویر نہیں تھی۔ دوسری طرف تصاویر کی اتنی فراوانی تھی کہ میں شناختی کارڈ پر پلاسٹنگ کوٹنگ کے نیچے اپنی تازہ تصویر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میرے سوال پر اول خان نے بتایا کہ وہ تصاویر امریکا کے سفر کے لیے پاسپورٹ پر لگانے کے لیے اتروائی گئی تھیں۔ اس کام میں ایک تصویر استعمال ہوئی' دوسری ضائع ہوگئی۔ دو اول خان کے پاس محفوظ تھیں۔ میرا ایس ٹی ایف کا کارڈ بننے کے بعد بھی ایک تصویر باقی رہ جاتی تھی۔

ساڑھے پانچ بجے دوبارہ اطلاع ملی کہ دس رکنی مشترکہ ٹیم سامنے عمارت میں مصروف تھی۔ اس کی حفاظت کے لیے عمارت

Downloaded from https://paksociety.com

کے گرد پولیس اور امریکی میرین فورس کے کئی دستے پھیلے ہوئے تھے۔ عجیب بات یہ تھی کہ ساری حفاظتی نفری ٹیم کے بعد وہاں پہنچی تھی۔

شاید ان لوگوں نے اپنی آمد سے پہلے مکمل رازداری برقرار رکھنے کے لیے وہ طریقۂ کار اپنایا تھا جو خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا مگر اطلاع سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سب کچھ بہتر تھا۔

وہاں حالات کو بہتر ہونا ہی تھا۔ امریکیوں کی اصل پرخاش میری ذات سے تھی اور میں دوسری الجھنوں میں گرفتار تھا۔ اول خان میرا مضبوط ترین مددگار تھا۔ وہ خود ذہنی یکسوئی سے محروم ہو چکا تھا۔ یہ نکات امریکیوں کے لیے عافیت اور زندگی کی ضمانت فراہم کرتے تھے۔

دوسرا پیغام ملتے ہی ہم دونوں نے بھرے ہوئے پستولوں کے ساتھ فلیٹ چھوڑ دیا۔ اس موقع پر مجھے بیم گن کو چھوڑنا پڑا۔ کسی حفاظتی جامہ تلاشی کے نتیجے میں اس کا راز فاش کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ویسے بھی اس سرکاری اجلاس میں ہمیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔

نیچے اول خان کی گاڑی ڈرائیور سمیت موجود تھی۔ ہمارے سوار ہوتے ہی بظاہر سرکاری نظر آنے والی وہ غیر سرکاری جیپ سندھ اسمبلی کے قریب واقع دفاتر کی طرف روانہ ہو گئی۔

فاصلہ زیادہ طویل نہیں تھا۔ ہم پندرہ منٹ میں وزارت داخلہ پہنچ گئے۔ اس وقت تمام صوبائی دفتروں میں چھٹی ہو چکی تھی۔ دن میں گاڑیوں اور انسانوں سے بھری ہوئی وہ سڑک بالکل خالی اور ویران نظر آ رہی تھی۔ اس کے دونوں سروں پر پولیس کی چند گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ صوبے کے آئی جی اور ہوم سیکریٹری کی آمد کی وجہ سے ان گاڑیوں کا موجود ہونا تعجب خیز نہیں تھا۔

پھاٹک پر شناخت اور رہنمائی کے بعد اندر بھی کچھ لوگ شرکا کے منتظر تھے۔ مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد ہم کانفرنس روم میں پہنچے تو وہاں ایک لمبی میز کے گرد بیس بائیس کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن پر صرف چھ افراد براجمان تھے۔ ان میں سے ایک پولیس یونیفارم میں ملبوس تھا۔ عہدے کے نشانات سے وہ کراچی کا ڈی آئی جی معلوم ہو رہا تھا۔

ہوم آفس کے افسر مہمان داری نے تعارف کرایا تو میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ ایک آدمی ڈی آئی جی کے ساتھ آیا تھا' دو سی آئی اے کے اعلیٰ عہدیدار تھے۔ بقیہ دو آئی بی یا انٹیلی جنس بیورو کی نمائندگی کر رہے تھے۔ وہ دونوں اول خان کے پرانے واقف کار تھے۔

چھ بجنے سے چند منٹ پہلے آئی جی پوری وردی میں داخل ہوا۔ وہ بھی اکیلا نہیں تھا۔ سب نے نشستوں سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ یہ دور ختم ہونے نہ پایا تھا کہ سیکریٹری اپنے بھاگتے دوڑتے ہوئے عملے کے کئی ارکان کے ساتھ آ گیا۔

رسمی فقروں کے تبادلے اور ہلکے پھلکے کھوکھلے مذاق کے بعد سب نے اپنی مقررہ نشستیں سنبھال لیں۔ میز کے گرد رکھی ہوئی کرسیوں پر اس وقت صرف سولہ نفوس براجمان تھے۔

سیکریٹری نے سگار کا کش لے کر ناقدانہ نظروں سے شرکا کا سرسری جائزہ لیا پھر بولا۔ "سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ آج کا یہ اجلاس غیر رسمی اور آف دی ریکارڈ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہاں ایک ایسی ایجنسی کے دو نمائندے موجود ہیں جو سرکاری سطح پر اپنا کوئی وجود نہ رکھنے کے باوجود بہت فعال ہیں۔"

بہت سی نگاہیں میرے اور اول خان کے چہروں پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ سب صوبے کے اعلیٰ ترین افسران تھے اور سب ہی کسی نہ کسی فورس یا ایجنسی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی بھیڑ میں میں خود کو بونا اور اجنبی محسوس کر رہا تھا۔ میری ہتھیلیاں دھیرے دھیرے پسینے میں بھیگنے لگیں۔

"آج کا ایجنڈا بہت مختصر ہے۔" سیکریٹری کہہ رہا تھا۔ "کھٹمل راجوانی کیس اور ڈی جی!"

"ہمارا سرکاری موقف یہ ہے کہ ہم ڈی جی کو نہیں جانتے۔" آئی بی کے ایک افسر نے مضبوط لہجے میں اعتراض کیا۔ "پھر اس کے نام کو ایجنڈے پر کیسے لایا جا سکتا ہے؟"

"اس کی وضاحت میں پہلے کر چکا ہوں کہ یہ اجلاس آف دی ریکارڈ ہو رہا ہے۔ اس کی کارروائی کی کہیں رپورٹنگ نہیں ہوگی۔ یہ صرف اور صرف ایک بریفنگ ہے۔ دو طرفہ بریفنگ۔ آپ لوگ مجھے بریف کریں گے' میں صوبے کے بہتر مفاد میں آپ کو

ترقی کا سیدھا راستہ، منشیات سے دوری
نماز سے تربیت
نشے سے نفرت
اپنے آپ سے محبت
منشیات سے دور رہ کر وطن عزیز کی تقدیر بدل دیجئے۔
کراچی منشیات ہسپتال
6610707-6681610

Downloaded from https://paksociety.com

بریف کروں گا۔ ہم عمدہ چائے پئیں گے اور پھر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے۔"

"صوبائی سطح پر شاید یہ سب اسی طرح ممکن ہو جیسا آپ فرما رہے ہیں۔" آئی بی والے نے دوبارہ زبان کھولی۔ "مگر سر' ہم ایک فیڈرل ایجنسی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ہمیں یہاں ہونے والی ہر سرگرمی کی روزانہ رپورٹ اسلام آباد کو فراہم کرنی ہوتی ہے۔ ہمارے لیے کچھ بھی آف دی ریکارڈ نہیں ہوتا۔ اسلام آباد کی ضرورت کے تحت ہم کہیں بھی جھانک لیتے ہیں۔ اس میٹنگ اور خاص طور پر اس ایجنڈے کے دوسرے نکتے کے بارے میں ہم کیا لکھ سکیں گے۔"

شاید اس کا اعتراض معقول تھا۔ سب کو سانپ سونگھ گیا۔ ادھیڑ عمر سیکریٹری کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "یہ ہماری پوزیشن تھی جو ہم نے بتا دی۔ آپ وہ کریں جو آپ کا ڈسپلن کہتا ہے۔ بات ختم۔"

سیکریٹری بس لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر براہِ راست آئی جی سے مخاطب ہو گیا۔ "کھٹول راجوانی ہمارے معاشرے کا ایک ذمے دار اور باعزت فرد ہے۔ آپ نے کل اس کے خلاف کس کی رپورٹ پر ایکشن لیا تھا؟ میں اس شخص کا نام جاننا چاہتا ہوں۔"

"مرکزی وزارت داخلہ کے ایک افسر کے فون پر وہ قدم اٹھایا گیا تھا اور صحیح اٹھایا گیا تھا۔ کھٹول کی ذاتی خوابگاہ میں اس کی مسہری کے نیچے سے ایک دسترخوان میں بندھے ہوئے وہ سب زیورات برآمد ہوئے جن کی ڈکیتی کی ایف آئی آر درج کرائی گئی تھی۔ تقریب کے کئی مہمانوں نے اپنی قیمتی اشیا پہچان لی ہیں۔ یہ کھٹول کا نہیں تو اس کے کسی ملازم کا کام ہو سکتا ہے۔"

"تو سر!" سیکریٹری نے سر جھٹک کر کہا۔ "یہ دشمنی بھی ہو سکتی ہے۔ سوچنے والی بات ہے کہ اس جیسا باحیثیت آدمی ایسی حرکت کیوں کرے گا۔ وہ اسلام آباد میں بھرا بیٹھا ہے۔ میں فون سن سن کر تھک گیا ہوں۔ ہمیں یہ فائل دبانی ہو گی۔"

"آپ حکم کریں۔ اس پر عمل کیا جائے گا۔" آئی جی نے خندہ پیشانی سے کہا۔

"سنا ہے کہ ایس ٹی ایف بھی اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔"

سیکریٹری نے اول خان سے پوچھا۔

"سر! فورس ہر مجرم کا پیچھا کرتی ہے۔" اول خان نے ادب سے جواب دیا۔ "اس کے خلاف ثبوت موجود ہیں۔ اس کا پیچھا کرنا ہماری مجبوری ہے۔"

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے اس کے خلاف؟" سیکریٹری نے ترشی سے پوچھا۔

"آئی جی صاحب بتا چکے ہیں پھر وہ اپنے گھر سے کسی چور ہی کی طرح فرار ہوا اور سیدھا اسلام آباد پہنچ گیا۔" اول خان نے اس کے لہجے کی ترشی کو نظرانداز کر کے کہا۔

"اس بارے میں آپ کے سامنے آئی جی صاحب سے بات ہو چکی ہے۔ آپ اپنے ثبوت بتائیں۔"

"سر! مقامی معاملات میں ہم مقامی اتھارٹی کی مدد سے کام کرتے ہیں۔ ان سے ہٹ کر ہم الگ کام کرنا شروع کر دیں تو بڑی افراتفری پھیل جائے گی۔ وہ ہمارے دست و بازو ہوتے ہیں۔"

"وہ تو صرف گھر سے بھاگا تھا' ہتھکڑی لگنے کے خوف سے اس کا ہارٹ فیل بھی ہو سکتا تھا۔" سیکریٹری کہنے لگا۔ "ہر شریف آدمی اپنی عزت سے ڈرتا ہے۔ اس کے فرار کو میں جرم نہیں مانتا۔ مال مسروقہ اس کے سر تھوپا گیا۔ اول تو اسے اپنے مہمانوں کو لوٹنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے لوٹ لیا تھا تو وہ کسی ڈفر کی طرح لوٹ کا مال بے پروائی سے مسہری کے نیچے نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس فائل کو آپ بند سمجھیں۔ اب مجاز صوبائی اتھارٹی کی تحریری اجازت کے بغیر کوئی صوبائی اہلکار کھٹول کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔ آئی جی صاحب اس اجلاس کے بعد اس کے کمرے کی سیل کھلوا دیں گے۔"

سیکریٹری نے کھٹول کو وہی تحفظ فراہم کرنے کا اعلان کیا تھا جو امریکی صدر نے گیپ کے ذریعے آنزک بیل کو دیا ہوا تھا۔ فرق یہ تھا کہ آنزک بیل کو ملکی اور بین الاقوامی غنڈا گردی کی تحریری پرمٹ ملا ہوا تھا' کھٹول کو زبانی اور محض صوبائی سطح پر آوارہ سانڈ بنایا جا رہا تھا۔

سیاست کا وہ روپ میرے لیے بہت گھناؤنا تھا۔ میرے معدے میں گرہیں سی پڑنے لگیں۔

"عدالت میں الزامات ثابت ہونے تک وہ واقعی معزز شہری ہے۔" میں نے اندر کے ابال سے مجبور ہو کر زبان کھولی۔ "آئی بی کے معزز رکن ڈپٹی کے نام کو ایجنڈے میں شامل کرنے پر معترض تھے۔ کھٹول نے ڈکیتی کی ایف آئی آر میں ڈپٹی کو ملزم نامزد کیا ہے۔ کیا یہ اس کی بدنیتی کا ثبوت نہیں ہے؟ آج کراچی کی ایک حوالات میں کالو نامی ملزم موجود ہے جس نے کھٹول کے بارے میں ہوشربا اقبالی بیان دیا ہے۔ دو روز پہلے کلفٹن میں دہشت گردی مچانے والے کھٹول کے آدمی تھے جو کسی غلط فہمی میں اپنے ہی ہاتھوں اپنے چھ آدمی مارنے کے بعد وہاں سے بھاگ گئے۔ یہ اسی شام کا ذکر ہے جب کھٹول اپنے گھر میں راگ و رنگ کی ایک محفل کی میزبانی کر رہا تھا۔ یہ اس کی سفاکی اور چالاکی کی انتہا تھی کہ اپنے آدمیوں کو قتل و غارت گری کے مشن پر بھیج کر وہ گانے بجانے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔"

میرے خاموش ہوتے ہی شرکا میں بھنبھناہٹ ہونے لگی۔ میرے اٹھائے ہوئے دونوں نکتے مضبوط اور شاید نئے تھے۔ شرکا کی دبی دبی سرگوشیوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ نکات بہت سوں کے علم میں نہیں تھے۔

"یہ نئے الزامات ہیں۔" سیکریٹری نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "آپ مجھے نوٹ بھجوا دیں۔ میں پورا معاملہ اپنے طور پر دیکھوں گا۔ ضرورت ہوئی تو اس کی پرانی فائل بھی کھلی جائے گی مگر آج وہی ہو گا جو میں نے طے کر دیا ہے۔" آخری فقرہ اس نے آئی جی کو

Downloaded from https://paksociety.com

مخاطب کر کے کہا تھا۔

سب سمجھ رہے تھے کہ اس وقت سیکریٹری خود نہیں بول رہا تھا' وہ ہز ماسٹرز وائس بنا ہوا تھا۔ اسے اوپر سے جو حکم ملا تھا' وہ سنا رہا تھا۔ کوئی مقتدر اور بااثر شخصیت کھٹمل کی آزادی کی خواہاں تھی۔ سیکریٹری اس کا آلۂ کار تھا اور دوسروں کو اپنا آلۂ کار بنا رہا تھا۔ آئی جی کے کمزور اور سعادت مند رویّے نے اس کا حوصلہ بڑھایا ہوا تھا ورنہ محض دو کاغذ طلب کر کے میرے بیان کی تصدیق یا تردید کی جاسکتی تھی۔

سیکریٹری نے اپنے سامنے پڑے ہوئے سادہ پیڈ پر کچھ لکھا اور کہا۔ "کھٹمل کے بارے میں احکام کی تعمیل کی رپورٹ ہر قیمت پر آج جانی ہے۔ یہ مسئلہ یہاں ختم ہوا۔ اب آتے ہیں ڈینی کی طرف....."

"سر! اسے زیرِ بحث نہ لایا جائے۔" آئی بی والے نے سیکریٹری کو سمجھانا چاہا۔ "کرنل جمال دستی نے ابھی جو نئے انکشافات کئے ہیں' ان سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ دو الگ الگ مسائل نہیں ہیں۔ کھٹمل ڈینی کو نقصان پہنچانا چاہ رہا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ڈینی چور یا ڈاکو نہیں ہے۔"

"میں ڈینی کا نام کئی بار سن چکا ہوں۔ یہاں قانون نافذ کرنے والے تقریباً تمام اداروں کے ذمے دار افسر موجود ہیں۔" سیکریٹری کہہ رہا تھا۔ "میں آپ سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ ڈینی اس قدر باصلاحیت اور عظیم ہے تو ہم اسے اپنی کسی سروس میں کوئی شایانِ شان عہدہ کیوں نہیں دیے؟"

سیکریٹری کے اس احمقانہ سوال پر کئی افراد زیرِ لب مسکرا دیئے۔

"سر! ہر قوم کے کچھ گمنام ہیرو ہوتے ہیں۔" اس بار سیکریٹری کے ساتھ آنے والوں میں سے ایک مخنی سا شخص کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا اور خوشامدانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "دشمن انہیں غدار قرار دیتا ہے۔ شاید ڈینی بے چارے کا بھی یہی معاملہ ہے۔ آج کل امریکا اس کا دشمن ہے۔ سروس میں کیا' وہ منظرِ عام پر بھی آیا تو امریکی اسے یہاں سے اغوا کر کے لے جائیں گے۔"

یہ ناممکن ہے..... ایسا نہیں ہو سکتا..... ہم لوگوں نے چوڑیاں نہیں پہنی ہوئی ہیں۔

بیک وقت کئی لوگوں نے اس پر اعتراضات کی بھرمار کر دی اور وہ کھسیا کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

اس مرحلے پر سیکریٹری نے ایک اور احمقانہ بات چھیڑ دی۔ "میری آپ سب سے گزارش ہے کہ ڈینی جس کسی کے رابطے میں ہو' وہ رازداری کے ساتھ مجھے آگاہ کرے۔ صوبے میں قانون سے ماورا قوتوں پر نظر رکھنا ہمارے منصب کی ذمے داریوں میں شامل ہے۔ یہ ہماری صوابدید ہوتی ہے کہ ہم اپنی مصلحتوں کی بنا پر کبھی کبھی یا اکثر ان سے چشم پوشی اختیار کر لیتے ہیں۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے [illegible]

سیکریٹری میرے بارے میں کھل کر اپنے دل کی بات نہ کہہ سکا۔ کالو مکرانی کے بعد وہ دوسرا باخبر آدمی تھا جسے میں نے اپنے بارے میں غیر جذباتی پایا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ بھی مجھے ٹیں لاکھ ڈالر کے نوٹ کی شکل میں دیکھ رہا ہو۔" میں نے سوچا۔ اس وقت تک خون کی حدت سے میری ہتھیلیوں کا پسینہ بھاپ بن کر اڑ چکا تھا۔

سیکریٹری کے پاس کہنے کے لیے مزید کچھ نہیں تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس اجلاس کا مقصد صرف یہ تھا کہ صوبے میں کام کرنے والی تمام ایجنسیوں کو یہ پیغام پہنچا دیا جائے کہ کھٹمل کے خلاف شہادتوں کی موجودگی کے باوجود' اسے چھوٹ دینے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا لہٰذا ہر ایک کو اس کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لینی چاہئیں۔

اس سطح کے کسی انتظامی اجلاس میں میری شرکت کا وہ پہلا موقع تھا۔ اول خان نے بہت بڑا خطرہ مول لے کر مجھے وہ موقع فراہم کیا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ میں پسِ پردہ اور گمنام رہ کر بھی بہت سی نگاہوں میں تھا۔ اگر شہر کی فضاؤں میں میرے خون کے پیاسے گدھ منڈلا رہے تھے تو ان سے اوپر کچھ شاہین بھی ان کی گھات میں تھے۔ کسی کالی بھیڑ کے لیے مجھے نقصان پہنچانا آسان نہیں تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو مدت پہلے میرا کام تمام ہو چکا ہوتا۔

اکثر انسان صرف اپنی ہی کامیابیوں پر رشک کرتا ہے۔ ذاتی کامیابی کی لذت اس کا سر غرور سے بلند کر دیتی ہے لیکن کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ دوسروں کا سہارا اس کے مان میں اضافے کا سبب بن جاتا ہے۔ اپنے ہمدردوں اور بہی خواہوں کی موجودگی اسے تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیتی۔ اس اجلاس کا ماحول دیکھ کر میں اسی کیفیت سے دوچار تھا۔

سیکریٹری کو میٹنگ کے شرکا کو کوئی ٹھوس قانونی حکم دینا ہوتا تو وہ اجلاس طلب کئے بغیر اپنے دستخط سے ایک خط جاری کر کے ان میں سے کسی کو بھی تعمیل کا پابند کر سکتا تھا۔ وہاں مسئلہ قانونی اختیار کا نہیں بلکہ قانون شکنی سے چشم پوشی کا تھا۔ وہ لکھ کر کسی کو حکم نہیں دے سکتا تھا کہ کھٹمل راجوانی کو بالکل نظرانداز کر دیا جائے۔ اپنی اس مجبوری کی وجہ سے اس نے اس غیر رسمی اور آف دی ریکارڈ اجلاس کا بندوبست کیا تھا۔

اوپر سے آنے والی ہدایت درجہ بہ درجہ مراحل سے گزرتی ہوئی جس زبانی انداز میں اس تک پہنچی تھی' اس نے اسی انداز میں وہ ہدایت آگے بڑھا دی تھی۔ اس نے اپنی ذمے داری احسن طریقے سے پوری کر دی تھی۔ اوپر والے اس سے کوئی شکایت نہیں کر سکتے تھے۔

اجلاس ختم ہو گیا۔ سیکریٹری کے ایک ماتحت کے اشارے پر سفید وردیوں میں ملبوس بیرے اندر آ گئے اور شرکا کے آگے پلیٹیں لگانے لگے۔ خورونوش کی ہلکی پھلکی اشیا میز پر پہلے سے موجود تھیں۔ [illegible] کی تقلید کی مگر میرا

Downloaded from https://paksociety.com

ذہن سنسنا رہا تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے جو کچھ سنا تھا' اس کے بعد میرے ذہن میں بڑے بڑے سوالیہ نشان ابھر رہے تھے۔

چائے کا دور چلا اور ختم ہوگیا۔ میری پلیٹ خالی رہی۔ چائے کی پیالی سے میں صرف دو گھونٹ لے کر اپنا حلق تر کرسکا۔ بیشتر شرکا ماکولات سے لطف اندوز ہورہے تھے مگر چند چہروں پر میں فکرمندی کے سائے لہراتے دیکھ رہا تھا۔

اجلاس کے شرکا میر محفل کے پیچھے کانفرنس روم سے نکلنے لگے۔ مودب اور باوردی ڈرائیوروں نے اپنے صاحبوں کے لیے رتبوں کے لحاظ سے آگے پیچھے گاڑیاں لگادی تھیں۔ کافی لوگوں کے بعد ہم دونوں بھی وہاں سے گھر کے لیے روانہ ہوگئے۔

"یہ تو سب خاک میں ملتا نظر آرہا ہے۔" میں نے راستے میں اول خان کو اپنی مایوسی سے آگاہ کیا۔

"تمہارا آنا بہت اچھا ہوا۔ تمہارے اٹھائے ہوئے نکات نے سب کی آنکھیں کھول دیں۔ میں غصے میں وہ سب فراموش کر بیٹھا تھا۔ ہمیں اپنی راہ اب خود بنانی ہوگی۔"

"ایجنڈے میں دوسرا نام میرا تھا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "میرے بارے میں سیکریٹری کی خواہش معنی خیز تھی۔ وہ تمہارے لیے پوشیدہ پیغام بھی ہوسکتا تھا۔ تم نے کچھ لوگوں کی خواہشات کے برعکس کھٹمل کا پیچھا جاری رکھا تو یہاں میرے لیے مسائل کھڑے کیے جاسکتے ہیں۔"

اول خان نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا اور پھر اسے چھیڑنے کا ارادہ ترک کردیا۔

گاڑی کلفٹن کے پل پر سے گزر رہی تھی کہ اول خان نے ڈرائیور کو جہانگیر کے بجائے اسٹیشن فور کی طرف چلنے کا حکم دیا۔

"تمہیں اپنے دفتر میں کوئی کام ہے تو مجھے گھر اتار دو میں بیس سے ٹیکسی پکڑلوں گا۔" میں نے دھیمی آواز میں اسے پیشکش کی۔

اس نے غور سے میری طرف دیکھا اور مضمحل سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "تمہاری موجودگی ضروری ہے۔ میں دفتر میں پوری آزادی سے بات کرسکوں گا۔ فلیٹ میں محتاط رہنا پڑتا ہے۔"

"آج جو کچھ ہوا' وہ ہمارے سسٹم میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔" میں نے اسے دلاسا دیا۔ "بہت سے لوگوں کے رویے سے کوئی غیر معمولی بات نہیں جھلک رہی تھی۔ تم بلاوجہ آزردہ ہورہے ہو۔"

"آزردگی نہیں ہے۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کھٹمل کو کس طرح شکنجے میں جکڑا جائے۔ اس بار وہ ہماری گرفت سے نکل گیا تو دوبارہ اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہوجائے گا۔"

"تم اپنے دفتر جاکر کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں۔ دفتر میں کام کا موڈ بنتا ہے' سوچنے اور بولنے کی آزادی ہوتی ہے۔ وہاں کے ماحول میں ہم دونوں مل کر شاید کوئی راہ نکال سکیں۔"

"دفتر جاکر تم اپنے ہیڈ کوارٹرز کے بجائے پنڈی یونٹ سے رابطہ کرو اور یہ معلوم کرو کہ تمہاری پیشگی اطلاع کے باوجود کھٹمل اپنے سرپرستوں تک پہنچنے میں کیسے کامیاب ہوا؟"

"یہ بات میرے ذہن میں کہیں چبھ رہی تھی لیکن میں اسے اتنے واضح الفاظ میں محسوس نہیں کررہا تھا۔ یہ کام سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔" وہ خوش ہوگیا۔

اول خان نے راستے میں ہی اپریٹس پر رابطہ کرکے اپنے کسی آدمی کو اپنی آمد سے مطلع کردیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب ہم اسٹیشن فور پہنچے تو سلطان شاہ بے چینی سے ہمارا منتظر تھا۔

"سنا ہے کہ تم لوگ کسی اہم اجلاس میں گئے ہوئے تھے۔" سلام دعا ہوتے ہی سلطان شاہ نے سوال کر ڈالا۔ "کیسی میٹنگ تھی؟ کہاں گئے تھے تم دونوں؟"

"تمہیں یہ اطلاع کس مخبر نے فراہم کی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"شک وشبے میں مت پڑو۔ تھوڑی دیر پہلے جہانگیر سے بات ہوئی ہے۔ وہ بتا رہا تھا کہ کسی وجہ سے تم دونوں فکرمند ہو....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہمارے ساتھ چلے آؤ۔ تھوڑی دیر میں ہر بات سمجھ میں آجائے گی۔" سلطان شاہ نے بحث نہیں کی۔ خاموشی سے ہمارے ساتھ ہولیا۔

کھٹمل کے اسلام آباد پہنچنے کی کہانی میں مجھے گہری دلچسپی تھی۔ اول خان نے گفتگو کے لیے ایک اسپیکر فون استعمال کرتے ہوئے اپنے پنڈی یونٹ کا نمبر ملا ڈالا۔

"میں ابھی تم سے رابطہ کرنے ہی والا تھا۔" اول خان سے سلام دعا کے تبادلے کے بعد پنڈی سے جواب دیا گیا۔ "آدمی اسلام آباد ائرپورٹ اور ریلوے اسٹیشن پر بیٹھے ہوئے ہیں لیکن وہ

فلم صحافت اور ادب کی ان کی کہانیاں

فلم ساز و ہدایت کار اور کہانی نویس مشہور
صحافی علی سفیان آفاقی کی یادداشتیں

فلمی الف لیلہ

پاکستان کی فلمی دنیا کی معتبر اور مستند تاریخ۔ مشہور فلموں اور فن کاروں کے دلچسپ حالات وواقعات پر مشتمل عصر حاضر کی تاریخ ساز سرگزشت۔

ماہنامہ سرگزشت کا تازہ شمارہ آج ہی ملاحظہ کریں

Downloaded from https://paksociety.com

یہ کامیاب ہو گیا۔ یہ اطلاع مجھے ابھی ابھی ملی ہے۔ اتنی جلدی اے کا مطلب ہے کہ وہ ائرپورٹ کے راستے شہر میں داخل ہوا تھا۔"

"وزارتِ داخلہ کے دفاتر پر بھی تمہارے آدمی اسے نہیں روک سکے!" اول خان نے تلخی سے پوچھا۔

"وہ وہاں نہیں پہنچا۔ میرے آدمی ہر جگہ مستعد تھے لیکن اسے خطرات کا اندازہ تھا۔ وہ ائرپورٹ کے وی آئی پی لاؤنج سے کسی وی آئی پی کے ساتھ نکل گیا۔ بعض بڑے لوگوں کی گاڑیاں انہیں لینے کے لیے ٹارمک تک چلی جاتی ہیں۔ اس نے ایسی کوئی سہولت استعمال کی اور ہمارے آدمیوں کی نظروں میں آئے بغیر وہ چلا گیا....."

"مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا۔" اول خان نے اس کی بات کاٹ کے کہا۔ "میں ہوم آفس کے دفاتر کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کی آخری ممکنہ منزل وہی تھی۔"

"بدقسمتی سے اس نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ وہ خاصی زخمی حالت میں ہے اور اسلام آباد میں اپنے کسی دوست کے گھر پر آرام کر رہا ہے۔ میں نے اس کے ٹھکانے کا سراغ لگانے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔"

"یہ سب کہانیاں ہیں۔ وہ ہم سب کو چکما دے کر اپنا کام کر گزرا ہے۔ اس کے اثرات کراچی میں محسوس کئے جا رہے ہیں۔" اول خان قدرے برہم ہونے لگا۔

"یہ کہانیاں نہیں ہیں۔ دفاتر میں چھٹی کا وقت ہو جانے پر میرے آدمیوں کو تشویش ہوئی۔ انہوں نے خاصی بھاگ دوڑ کے بعد معلوم کیا کہ کھنڈول اسلام آباد پہنچنے کے بعد ان دفاتر میں اپنے کئی خیر خواہوں سے فون پر رابطہ کر چکا ہے۔ اس نے ہر ایک سے معذرت کی کہ وہ زخمی ہونے کی وجہ سے ان سے ملنے نہیں آسکا۔ یہ بات اتنی پھیلی ہوئی تھی کہ آخر کار میرے آدمیوں کے علم میں بھی آگئی۔"

"اوہ!" اول خان کے حلق سے غراہٹ سی آزاد ہو گئی۔ "اب کڑیاں کسی حد تک مل رہی ہیں۔ وہ اپنی چوٹوں سے فائدہ اٹھا کر وہاں بھی چھپا بیٹھا ہے۔"

"کراچی کے بارے میں تم جو کچھ بتا رہے ہو اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کھنڈول فون پر ہی اپنے لیے رعایتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔"

"یہی ہوا ہے۔ کراچی میں اسے امان مل چکی ہے۔ اب وہ یہاں آگیا تو ہم اسے نہیں چھیڑ سکیں گے۔" اول خان کی آواز میں شکست کی تلخی گھلی ہوئی تھی۔

"مجھے شروع ہی سے تمہارے اس کیس کی اہمیت کا اندازہ تھا" دوسری طرف سے کہا گیا "ہم نے اس کی پشاور کی مصروفیات پر تھوڑی بہت نگاہ رکھی ہوئی تھی۔ اس کی خاطر میں نے آج کا کافی وقت فیلڈ میں گزارا تھا۔ تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ جو کچھ ہوا' اس میں میرے آدمیوں کا کوئی قصور نہیں تھا۔"

کھنڈول کی مکاری پر میرے ذہن میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ ٹرین سے کودنے کے نتیجے میں آنے والے زخموں سے بھی اس نے فائدہ اٹھا لیا تھا۔ وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہوا ہوتا تو اسلام آباد میں سیدھا دفاتر کا رخ کرتا اور دھر لیا جاتا۔ زخمی ہونے کے نتیجے میں اس نے وہاں بھی روپوشی اختیار کر لی تھی۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوئی کہ اپنے کمرے کی سیل کھلنے کی اطلاع کو آزادی کا پروانہ سمجھ کر وہ فوری طور پر اسلام آباد سے کراچی پہنچ جاتا جہاں اس کے ہمدردوں کا اختیار ہماری طاقت پر غالب تھا۔

"اس پر وہیں ہاتھ ڈال دو" میں نے اضطراری لہجے میں اول خان کو مشورہ دیا۔

بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھ سے استفسار کیا۔ میں نے اپنی بات دہرائی تو دوسری طرف سے جواب آیا "اس وقت یہی حربہ کارگر ہو سکتا ہے۔"

"تم خود ڈینی سے بات کر لو۔ یہ تمہیں بہتر رائے دے سکے گا۔" اول خان اسپیکر فون پر یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"میں اپنے نادیدہ دوست سے بات کر کے خوشی محسوس کروں گا۔"

"وہ یہاں اپنی کلیرنس کا مکمل بندوبست کر چکا ہے اور کسی بھی پرواز سے کراچی پہنچنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ اس بار ائرپورٹ سیل کر دو۔ وی آئی پی لاؤنج کا راستہ بھی نگاہوں میں رہنا چاہیے۔ وہ زخمی ہے۔ ہر ایک اس سے ہمدردی کا مظاہرہ کرے گا۔ ساتھ ساتھ اس کی کمین گاہ کا سراغ لگانے کی کوشش کرتے رہو۔ وہ جہاں اور جس حال میں ہے' تمہارے ہاتھ آنا چاہیے۔"

"میں سمجھ گیا۔ تم اس سے اپنی پسند کے میدان میں لڑنا چاہتے ہو۔ اب ایسا ہی ہوگا" اس کا لہجہ پُرعزم تھا۔ میں نے باتوں میں وقت برباد کرنے کے بجائے فون بند کر دیا۔

اول خان خالی خالی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ دھیرے سے بولا "آج اسے اسلام آباد کی ہدایت پر ہی تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ وہاں تم اس کا کیا بگاڑ سکو گے؟"

"دیکھتے جاؤ" میں نے سگریٹ سلگا کر پُرخیال انداز میں کہا "ہم صرف کوشش کر سکتے ہیں۔ نتائج پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ہمیں ایسی حکمتِ عملی اختیار کرنی ہوگی کہ کہیں سے کمک ملنے سے پہلے ہم اس کے سارے بال و پر کاٹ سکیں۔"

اول خان سر ہلا کر رہ گیا۔ دفتر میں گہری خاموشی چھا گئی۔ اس سکوت میں سقف گیر پنکھے کی گھوں گھوں بہت واضح ہو گئی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

لگالیا۔ اول خان نے سلمٰی سے رہا اور جھینا تو وہ شرمندہ ہو کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ اسی وقت فون پر جہانگیر نے اطلاع دی کہ اس کی دکان کے باہر دو بدمعاش پہرا دے رہے ہیں۔ اول خان اور سلطان شاہ کو کھنول کی تلاش میں حیدر آباد روانہ کرنے میں ایس پی لیف کے آدمی کے ساتھ جہانگیر کی مدد کو پہنچ گیا۔ ان میں سے ایک بدمعاش کالو کرمانی نامی نے جہانگیر کے ساتھ کام کر چکا تھا۔ اب وہ جہانگیر کے ذریعے میرا کھوج لگا کر انعام کی بھاری رقم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ہم دونوں بدمعاشوں کو اسٹیشن فورلے آئے جہاں ان پر تشدد کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں وہ لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکما دے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کردیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورت حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کھنول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت کردی۔

اب آپ پڑھیں واقعات ملاحظہ کیجیے

کمرے کی بوجھل فضا میں کافی دیر تک ہم تینوں خاموش بیٹھے پُرخیال نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ میرا ذہن پیش آنے والے متوقع واقعات کی کڑیاں ملانے میں مصروف تھا مگر میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ ان دونوں نے میری پیش کی ہوئی تجویز سن ضرور لی تھی مگر وہ اسے قبول نہیں کرسکے تھے۔ ان کی پُرتشویش نظروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میری جانب سے کسی وضاحت کی توقع کررہے تھے جب کہ اس وقت میں خود کوئی وضاحت پیش کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

میں نے سگریٹ سلگا کر غیر ارادی طور پر کمرے میں ٹہلنا شروع کردیا۔ سلطان شاہ کے مقابلے میں اول خان کو صورتِ حال کا بہتر ادراک تھا۔ آخر کار اس سے نہ رہا گیا اور وہ بول ہی پڑا "میں تمہاری مشکل کو سمجھ رہا ہوں..."

"کیسی مشکل؟" سلطان شاہ نے تنک کر اس کی بات کاٹ دی۔

"ڈینی نے ادھوری بات سنا کر ہمیں مشکل بلکہ الجھن میں ڈال دیا ہے۔ جو شخص اسلام آباد والوں کا چہیتا ہو' اس پر ہم کہیں بھی ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ کچھ پتا تو چلے کہ پورا منصوبہ کیا ہے؟"

"کام کرنے میں یہی ہوتا ہے" اول خان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "مجھے معلوم ہے کہ حالات کی پیچیدگی کو دیکھتے ہوئے ڈینی نے اس کا ایک حل تجویز کردیا ہے مگر اب خود پریشان ہے کہ اس پر عمل کیسے کیا جاسکے گا۔"

میں نے غور سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور نرمی سے کہا۔ "تم کھنول کے بارے میں اندازے کی ایک بنیادی غلطی کررہے ہو۔"

"تم چپ شاہ کا روزہ توڑ کر کچھ ارشاد فرماؤ تو میں بلا جھجک اپنی غلطی تسلیم کرلوں گا۔"

اس کے جلے کٹے لہجے پر میں بے اختیار ہنس پڑا "وہ اسلام آباد والوں کا چہیتا نہیں ہے۔ وہاں بیٹھے ہوئے کسی ایک بارسوخ شخص کا منظورِ نظر ہے۔"

"کیا ان دونوں مفروضوں سے کوئی فرق پڑسکتا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اسلام آباد ملک کے دارالحکومت اور اقتدارِ اعلیٰ کا نام ہے۔ مقتدر حلقے اتنے غافل نہیں ہیں کہ اس جیسے مسلمہ مجرم کی پشت پناہی کرکے اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کی حماقت کرسکیں۔" مجھے اپنے نظریے کی وضاحت کے لیے موزوں الفاظ کا سہارا مل گیا۔

"کھنول نے اپنے کسی دوست کی مدد حاصل کی ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ کوئی سرکاری آدمی ہی ہو۔ وہ بڑے لوگوں یا حکمرانوں کا کوئی خوشامدی بھی ہوسکتا ہے۔"

"چلو' یہ بھی مانے لیتا ہوں..... اگر وہ شخص اسلام آباد سے ڈوریاں ہلا کر کراچی والوں کو بے بسی کے عذاب میں مبتلا کرسکتا ہے تو اسلام آباد میں تمہیں کیسے برداشت کرسکے گا؟ معلوم ہوتا ہے کہ اس بار تم واقعی اول خان کو نوکری سے نکلوادو گے؟"

"اس وقت اہم ترین بات یہ ہے کہ کھنول کا کوئی سراغ مل جائے" اس بار میں اول خان کی طرف متوجہ ہوگیا "خاموشی سے اسے اٹھاؤ اور قبائلی علاقے میں پہنچادو۔ وہاں کھنول کے کسی دوست کی سفارش بھی کام نہیں آسکے گی۔"

"تم مجھے اس سسٹم سے بغاوت کرنے کا مشورہ دے رہے ہو جسے بار بار میری مجبوری قرار دیتے رہے ہو۔ میرے اوپر والے بھی اس حرکت کو پسند نہیں کریں گے۔"

"یہ بغاوت نہیں' صرف وقت حاصل کرنے کی ایک بھرپور کوشش ہوگی۔ اسے منظرِ عام سے غائب کرکے تم اپنے بڑوں اور دوسروں کو یقین دلا سکو گے کہ اس کے ساتھ ہمدردی جتانے والا شیطان کا بھی والد بزرگوار ہے۔"

اول خان کی آنکھیں چمک اٹھیں "تم آزاد علاقے میں اسے ہلاک نہیں کروگے؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ جس سرزمین کا غدار ہے' اس کا آخری انجام اسی سرزمین پر ہونا چاہیے۔ وہ قبائلی علاقے میں اس وقت تک یرغمال میں رہے گا جب تک تم ہر ایک کو اس کے بارے میں حقائق باور نہیں کرادیتے۔"

"قبائلی علاقے میں بھی اس کے دوست ہیں" سلطان شاہ نے شوشہ چھوڑا "وہ پشاور کے راستے ان سے میل جول اور منشیات کا لین دین رکھتا ہے۔"

"انہیں بھول جاؤ" اس بار اول خان نے پورے اعتماد سے کہا "ہم اسے اسلام آباد سے نکالنے میں کامیاب ہوگئے تو وہ آدم خان کے آدمیوں کی تحویل میں رہے گا۔ وہ منشیات فروشی سے کوسوں دور ہیں۔ ان کے ٹھکانے بھی ایسے پہاڑی دروں میں ہیں جہاں پرندے تک باہر نکلنے کا راستہ بھول جاتے ہیں۔"

"وہ ضرور بے جگر اور بہترین منصوبہ ساز ہوں گے مگران کے بارے میں اتنا مبالغہ نہ کرو۔ پرندے تو روشنی کی ذرا سی کرن سے

Downloaded from https://paksociety.com

آسمان کی راہ پالیتے ہیں" میں نے کہا۔

"ان پہاڑی قلعوں کا یہی کمال ہے کہ ہر روشنی کا اختتام کسی اور غار یا بند گھاٹی پر ہوتا ہے۔ خوراک کی تلاش میں اندر گھس آنے والے پرندوں کو وہ لوگ تنگ آکر اپنے ہتھیاروں سے مار گراتے ہیں۔ آدم خان نے بڑی منصوبہ بندی سے پہاڑوں کے سینے خالی کرائے ہیں۔"

"خیر' میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا" میں نے بحث کو طول دینے کے بجائے کہا "ہماری ضرورت صرف اتنی ہے کہ کھٹمل کو چند روز کے لیے پوری رازداری کے ساتھ کہیں قید رکھا جاسکے۔"

"کیا یہ کام پاکستان کی حدود میں ایس ٹی ایف سرانجام نہیں دے سکتی؟" سلطان شاہ آزاد علاقے کے بارے میں نہ جانے کیوں مطمئن نہیں تھا۔

میں نے گہری نظروں سے اسے گھورا پھر تلخی سے کہا "غیر ملکی ایجنٹوں اور دشمنوں کے خلاف ایس ٹی ایف بہت فعال اور موثر ہے۔ دشمن کے گریبان پر ہاتھ ڈالا' اس سے سب کچھ اگلوایا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آستین کے سانپوں کے سامنے یہ بھی بے بس ہیں۔"

"کیسی بے بسی؟" سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کے کہا۔ "جن کے جرم ثابت ہوچکے ہوں' ان کو خاموشی سے جہنم واصل کردینا چاہیے۔ انہیں لے کر ادھر اُدھر مارے مارے پھرنے سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوسکے گا۔ وہ ہمارے سینوں پر مونگ دلتے رہیں گے۔"

"یہ بات تم نہیں سمجھ سکتے" اول خان نے ناصحانہ انداز میں کہا "ڈینی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ کھٹمل کے بارے میں دو تازہ ترین واقعات تمہارے سامنے ہیں۔ وہ اپنے گھر میں مال مسروقہ سمیت رنگے ہاتھوں پکڑا جاسکتا تھا' میں اس مہم میں خود بھی شریک تھا لیکن ایک سرکاری اہل کار کی ملی بھگت کی وجہ سے میں کچھ بھی نہیں کرسکا' منہ دیکھتا رہ گیا اور کھٹمل پیشاب کرنے کے بہانے سب کو جل دے کر اسلام آباد کی طرف فرار ہوگیا۔"

وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا جی تھا کہ سلطان شاہ پھر بول پڑا۔ "اور اب صوبائی ہوم سیکرٹری نے اوپر والوں کی ہدایت پر تم سب کے ہاتھ پیر باندھ دیے ہیں اس لیے اس زہریلے ناگ کو پیار و محبت کے ساتھ دودھ پلانا ضروری ہوگیا ہے۔"

"ہاں' کچھ ایسی ہی بات ہے" میں نے سختی سے کہا "کہیں نہ کہیں اس کے ہمدرد موجود ہیں' میرے خلاف اس کی ایف آئی آر کٹی ہوئی ہے' سب کو معلوم ہے کہ اس کے خلاف کون کون سی قوتیں میدانِ عمل میں اتری ہوئی ہیں۔ ہدایات اور ضابطوں کے برعکس اس کا بال بھی بیکا ہوا تو ہم سب اپنوں کے عتاب میں آجائیں گے۔ ایس ٹی ایف جو کچھ بھی ہے لیکن کسی نہ کسی سرے پر کوئی اہم ترین شخصیت اس کے سربراہ سے جواب طلب کرسکتی ہے۔"

"ان اعتراضات میں الجھنے کے بجائے تم کھل کر بات کیوں نہیں کرتے" اول خان نے اس کا ذہن پڑھ کر دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"آزاد علاقوں میں مسلمان کی زبان اور عمل پر اعتبار کیا جاتا ہے' نیتوں کا حال اللہ ہی جانتا ہے۔ پتا نہیں کیسے کیسے بدکار اور سازشی اپنی مظلومیت کی جھوٹی کہانیاں سنا کر وہاں پناہ لیے رہتے ہیں۔ ان میں سے کوئی کھٹمل کا ہمدرد ہوا تو تم کیا کرو گے؟"

"اول خان کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ تیر گئی "تم ذرا دور کے رہنے والے ہو' میں ان ہی پہاڑوں کی گود میں پلا بڑھا ہوں اور وہاں رہنے والوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ لوگ باہر سے آئے ہوئے پناہ گزینوں پر ہمیشہ کڑی نگاہ رکھتے ہیں۔ اتنی ڈھیل نہیں دیتے کہ وہ ان کی زمین پر من مانے انداز میں فتنہ و فساد پھیلا سکیں۔"

"تمہارے خدشات بس اتنے ہی ہیں تو انہیں بھول جاؤ" میں نے لقمہ دیا "اول خان تمہاری طرح بلکہ شاید تم سے زیادہ پٹھان ہے' کھٹمل ایک سازشی بنیا ہے۔ وہ اول خان کو چکما نہیں دے سکے گا اور جلد ہی اپنے انجام کو پہنچا دیا جائے گا۔"

"میری نیک تمنائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں" سلطان شاہ نے بے رخی سے کہا "وہ ہمیں دو بار تو چکر دے ہی چکا ہے۔ حیرت ہے کہ تم اب بھی خوش فہمیوں میں مبتلا ہو۔"

"اس کے دل میں چور ہے' اسے اپنا انجام بہت اچھی طرح معلوم ہے اسی لیے وہ اپنی جان کی پروا کیے بغیر چلتی ٹرین سے کود گیا۔" اول خان نے اس کی دل جوئی کرتے ہوئے کہا "یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ صرف زخمی ہوکر اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے میری گرفت میں آنے پر ٹرین سے کود کر مرجانے کو ترجیح دی تھی۔ میں اس کے پیچھے کودنے کا حوصلہ نہیں کرسکا۔ اسے چکر نہیں' مکافاتِ عمل کہتے ہیں۔ وہ دھیرے دھیرے نرغے میں آرہا ہے۔"

"جلد ہی نتیجہ سامنے آجائے گا" اس نے بے رخی سے کہا۔ "ڈینی نے تمہیں بھی بگاڑ دیا ہے۔"

ہم دونوں میں سے کسی نے اس سے آخری فقرے کے بارے میں کوئی وضاحت طلب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ عارضی ناکامیوں پر قنوطیت کا شکار ہو چلا تھا۔ اس وقت اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہی سب سے بہتر ردِعمل ہوسکتا تھا۔

کھٹمل جیسے بارسوخ سیاست داں کی مجرمانہ سرگرمیوں کے کھلے کھلے ثبوت ہمارے سامنے تھے۔ شاید ان سب الزامات کو کسی عدالت میں ثابت کرنا اتنا آسان نہ ہوتا مگر ہم سب ہی اپنے مقصد کے حصول... کی سرتوڑ جدوجہد کے باوجود اپنے 'اپنے ضمیر کو جواب دہ تھے۔ کسی کو ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ فطری انصاف کی کسی بھی بھٹی سے گزر کر کھٹمل خود کو بے گناہ ثابت کرسکے گا۔

اسے عارضی طور پر جو حمایت مل گئی تھی' وہ بظاہر حوصلہ شکن

Downloaded from https://paksociety.com

تھی مگر مجھے ان حالات میں امید کا ایک بہت زیادہ روشن مینار نظر آیا تھا جو مجھے سب کچھ کر گزرنے پر اکسا رہا تھا۔

ہوم سیکریٹری کی طلب کی ہوئی آف دی ریکارڈ میٹنگ میں شریک ہونے والے بیشتر صوبائی اہل کار اس کے ماتحت یا خوشامدی تھے لیکن انٹیلی جنس بیورو کے ایک اعلیٰ افسر نے ایجنڈے میں میرے نام کی موجودگی پر جس طرح کھل کر اعتراض کیا تھا' اس سے یہ صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ چند مفاد پرستوں کے سوا بہت سی محبِ وطن قوتیں میری حامی تھیں۔

آئی بی جیسے کلیدی ادارے کا میرے بارے میں باخبر ہونا ہی میرے لیے اعزاز کا باعث تھا جبکہ وہ میری مدد پر بھی آمادہ نظر آئے تھے۔

مسئلہ یہ تھا کہ ہم سب کراچی میں بیٹھے ہوئے تھے' کھٹمل زخمی ہونے کے باوجود اسلام آباد میں جوڑ توڑ اور سازشیں کرنے میں مصروف تھا' اول خان کی ایس ٹی ایف کے آدمی اس کی بو سونگھتے پھر رہے تھے اور اس وقت تک انہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی۔

دوسری طرف سندھ کے ہوم سیکریٹری کے پیغام نے یہ واضح کر دیا تھا کہ اس صوبے کی انتظامیہ کھٹمل کی ہر غیر قانونی سرگرمی سے چشم پوشی اختیار کرنے پر مجبور کر دی گئی تھی۔ کراچی میں اس کے سر پر منڈلانے والے خطرے کے سیاہ بادل سفارشوں کی تیز آندھی میں تحلیل ہو چکے تھے۔ آئی جی اس کی خواب گاہ کی سیل کھلوا کر فائل بند کرنے کا وعدہ کر چکا تھا اور شاید اس وقت تک اس وعدے پر عمل درآمد بھی کیا جا چکا ہو گا۔

اپنے اہداف حاصل کر لینے کے بعد کھٹمل کراچی آجاتا تو ہم اس کے خلاف کوئی قدم اٹھا کر مقامی انتظامیہ سے تصادم کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

ایس ٹی ایف کے پنڈی یونٹ والے کھٹمل کی اصلیت سے بہت زیادہ باخبر نہیں تھے۔ وہ صرف اول خان کی ہدایت پر عمل کر رہے تھے۔ انہیں پوری طرح متحرک کرنے کے لیے اول خان کی وہاں موجودگی ضروری نظر آرہی تھی۔ دوسری صورت میں کھیل بگڑ سکتا تھا۔

"میں اس وقت کراچی نہیں چھوڑ سکتا" میری تجویز پر اول خان نے بے بسی سے کہا "میرے یہاں سے جانے کا مطلب لیا جائے گا کہ میں نے ہوم سیکریٹری کی نیم سرکاری خواہشات کو بے اثر بنانے کے لیے پنڈی جا کر کھٹمل پر ہاتھ ڈالا ہے۔ انتظامی تصادم سے مکمل گریز ہماری فورس کے منشور میں شامل ہے۔ چاہو تو تم اسلام آباد جا کر کمان سنبھال سکتے ہو۔"

"وہاں والوں کے لیے میں اجنبی ہوں۔ میں کیا کر سکوں گا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ نہ بھولو کہ کرنل جمال دستی کے نام سے آج سے تم فورس میں شامل ہو چکے ہو۔ ایس ٹی ایف والے اپنے ان ہی ساتھیوں کو جانتے ہیں' جن سے ان کا رابطہ رہتا ہے ورنہ سب ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوتے ہیں۔ تمہاری نئی شناخت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنے پورے اختیار کے ساتھ تمہیں شناخت نامہ جاری کرایا ہے۔"

"پھر میرے لیے پہلی پرواز سے اسلام آباد پہنچنے کا بندوبست کرو" میں نے اس کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا "اور مجھے بتاؤ کہ وہاں جا کر مجھے کس سے ملنا ہو گا۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا" سلطان شاہ نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

اول خان نے انٹر کام پر اپنے کسی آدمی کو ہدایت کی کہ اسلام آباد کے لیے عام نشستوں کے ملنے میں کوئی دشواری ہو تو وہ سرکاری کوٹے سے فوراً دو نشستیں حاصل کر لے۔

اول خان مجھے اسلام آباد کے بارے میں بریف کرنے لگا۔ اس نے ذاتی طور پر بہت بڑا خطرہ مول لے کر مجھے ڈپٹی سے کرنل جمال دستی بنایا تھا۔ اس روپ میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کے لیے مجھے ایس ٹی ایف کی بہت سی اندرونی سرگرمیوں سے واقف ہونا ضروری تھا۔ سلطان شاہ اس گفتگو کی نزاکت کو بھانپ کر خود بہ خود وہاں سے ٹل گیا تھا۔

کچھ دیر کی گفتگو کے بعد اول خان نے مجھے بند لفافے میں ایک رقعہ دیا جو مجھے اسلام آباد میں ایس ٹی ایف کے اسٹیشن کمانڈر کے حوالے کرنا تھا۔ اس دوران میں یہ اطلاع مل چکی تھی کہ چند گھنٹوں بعد روانہ ہونے والی پہلی پرواز میں وفاقی کوٹے سے دو نشستیں حاصل کر لی گئی تھیں۔

میرے پاس وقت کم تھا۔ میں اول خان کے ساتھ اجلاس میں شرکت کے لیے جہانگیر کے گھر سے روانہ ہوا تھا۔ میرے اچانک غائب ہونے پر وہ خاصا بدحواس ہو سکتا تھا۔ میں نے فون پر ہی اسے اپنی غیر متوقع غیر حاضری کے بارے میں آگاہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میری کال جہانگیر نے ہی وصول کی اور آواز پہچان کر سرگوشیانہ لہجے میں بولا "تم کہاں مرے ہوئے ہو۔ میں بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ کتنی دیر میں آرہے ہو؟"

"میں نے صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ اب شاید میں دو چار دن بعد ہی واپس آؤں گا۔ تمہیں میری طرف سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

اس کی آواز مزید رازدارانہ ہو گئی "کیا پھر وہیرا کو بنکاک لے جا رہے ہو؟" میرے تجسس میں پڑ کر وہ مردود عارضی طور پر اپنی پریشانی کو بھول بیٹھا تھا۔

"فکر مت کرو" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "اس بار وہیرا کو بنکاک لے جانا ہوا تو تمہیں بھی نسیم کے ساتھ وہاں لے جاؤں گا۔ خوب عیش کرتے رہنا۔"

"ارے باپ رے..... اس حرام زادی کا نام بھی مت لو۔ اسی نے تو مجھے مصیبت میں ڈالا ہوا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب

Downloaded from https://paksociety.com

اس کہانی کا انجام کیا ہوگا؟"

"وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا.... تم بے فکر رہو۔ وہ پولیس کے قبضے میں ہے۔"

"وہ جہنم میں بھی ہو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تمہاری سلمیٰ بی بی کے دماغ پر اب اسی کے بارے میں جاننے کا خبط سوار ہو چکا ہے...."

"پھر پریشانی کیا ہے؟ بنوادو" میں نے اس کی بات کاٹ کے بے اعتنائی سے کہا۔

فون پر اس کی خفت زدہ ہنسی کی آواز ابھری "آج وہ مجھ پر ضرورت سے زیادہ مہربان ہے اور خود پیگ بنا کر دے رہی ہے۔"

"خوشی کی بات ہے۔ اپنی عورت ساتی گری کرنے لگے تو آدمی نیم جیسے گند پر منہ مارنا چھوڑ دیتا ہے۔ تمہیں اس تبدیلی پر خوش ہونا چاہیے۔"

"تم ہر بات پر مذاق شروع کر دیتے ہو" وہ شاید برا مان کر بولا۔

"وہ ایسی حرکتیں خلوص سے نہیں کرتی۔ ہر حرکت میں کوئی نہ کوئی منافقت پوشیدہ ہوتی ہے۔"

"میرے پاس تمہارے ان ازلی جھگڑوں کے لیے وقت نہیں ہے۔ مختصر الفاظ میں بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو اور اس وقت سلمیٰ کہاں ہے؟"

"وہ سوڈے کی بوتلیں لینے کے لیے نیچے گئی ہوئی ہے۔ اس کا خوفناک منصوبہ مجھے مدہوش کر کے نسیم کا راز اگلوانے کا معلوم ہو رہا ہے۔ کہیں میں بہک ہی جاؤں۔"

"پھر پینے سے گریز کرو" میں نے خشک لہجے میں کہا "بہتر ہوگا کہ بوتل ہی توڑ دو۔"

وہ ڈھٹائی سے ہنس پڑا "وہ بدزبان ضرور ہے لیکن بدصورت نہیں ہے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ اس جیسی دلکش بیوی پیگ بنا کر دے تو کون کافر انکار کر سکتا ہے۔"

وہ واقعی اس کی مجبوری تھی۔ شراب سامنے آجانے کے بعد وہ اس سے گریز کر ہی نہیں سکتا تھا۔ میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر اس سے کہا "تمہارے گھر میں املی یا کھٹائی ہے؟"

"یہ املی اور کھٹائی کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"بک بک مت کرو اور شرافت سے میری بات کا جواب دو۔" میں نے غرا کے کہا۔

"میری مدہوشی کا توڑ کرنے کے لیے سلمیٰ گھر میں ہر وقت ایسی کھٹی میٹھی چیزوں کا ذخیرہ رکھتی ہے" اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اعتراف کیا۔

"دل کھول کر املی یا کھٹائی کھاؤ اور اس پر ایک گلاس یخ بستہ پانی پی ڈالو۔ اللہ نے چاہا تو تمہارا مسئلہ خیر و خوبی سے حل ہو جائے گا۔"

"مذاق مت کرو۔ یہ تو تم نشہ اتارنے والی ترکیبیں بتا رہے ہو" اس کی کھسیائی ہوئی آواز آئی۔

"ابے گھامڑ! نشہ ہو تو ان چیزوں سے اترتا ہے۔ تم نے ابھی ابتدا کی ہے۔ یہ ترکیب آزما ڈالو۔ ذرا سی دیر میں تمہارا حلق بند ہو جائے گا۔ ریڈیو خراب ہوگا تو تم سلمیٰ کی کوشش اور اپنی خواہش کے باوجود نسیم کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکو گے۔"

وہ خوش ہو گیا "سالی اپنا سر پیٹ کر رہ جائے گی۔ دیکھتا ہوں کہ اب وہ کتنی پلاتی ہے.... ویسے کم سے کم کتنی املی کافی رہے گی؟"

میں نے بھنا کر جو کچھ کہا وہ زیادہ شائستہ نہیں تھا' میں نے فون بند کر دیا۔

اول خان قریب ہی بیٹھا میری گفتگو سن رہا تھا۔ فون بند ہونے پر وہ ہنستے ہوئے بولا "تم مشورے نہ دیتے رہو تو ان کی گاڑی زیادہ دن نہیں چل سکتی۔ انہیں ہر وقت تمہاری مصالحت کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔"

"دونوں پکے فراڈ ہیں" میں نے جل کر کہا "ٹوٹ کر ایک دوسرے کو چاہتے ہیں مگر انا کی خاطر کوئی بھی اپنی چاہت کا اعتراف نہیں کرتا' ہر وقت ایک دوسرے کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں۔ آپس میں بھروسا نہ ہونے کے باوجود ان میں گاڑھی چھنتی ہے۔ میں ہاتھ آجاتا ہوں تو دونوں مل کر مجھے تختۂ مشق بنا لیتے ہیں۔ جیسے میں ہی ان کا مورثِ اعلیٰ رہا ہوں۔"

"دونوں میاں بیوی دل و جان سے تمہاری عزت کرتے ہیں۔"

اول خان اس صورتِ حال سے بدستور محظوظ ہو رہا تھا۔ میں اسے

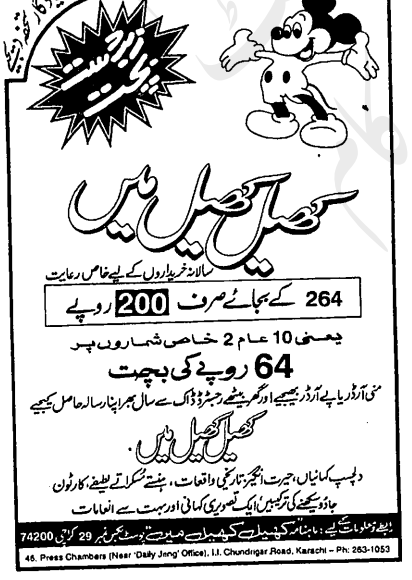
بچوں اور نوجوانوں کا پسندیدہ اور دلچسپ رسالہ
اپنے بچوں کو ہمارا خریدار بنائیے
ماہنامہ
کھیل کھیل میں
سالانہ خریداروں کے لیے خاص رعایت
264 کے بجائے صرف 200 روپے
یعنی 10 عام 2 خاص شماروں پر
64 روپے کی بچت
منی آرڈر یا پے آرڈر بھیجیے اور گھر بیٹھے رجسٹرڈ ڈاک سے سال بھر اپنا رسالہ حاصل کیجیے
کھیل کھیل میں
دلچسپ کہانیاں، حیرت انگیز تاریخی واقعات، ہنستے مسکراتے لطیفے، کارٹون
جادو سیکھنے کی ترکیبیں، ایک تصویری کہانی اور بہت سے انعامات
پتے و معلومات کے لیے ماہنامہ کھیل کھیل میں پوسٹ بکس نمبر 29 کراچی 74200
46, Press Chambers (Near "Daily Jang" Office), I.I. Chundrigar Road, Karachi – Ph: 263-1053

Downloaded from https://paksociety.com

کیا بتاتا کہ میں نے کیسی کیسی نفس کشی کے بعد اپنی عزت کو سلمٰی کے بے رحم ہاتھوں سے بچایا ہوا تھا۔

اس کے بعد غزالہ کی باری تھی۔ حالات کی سنگینی نے ہمیں ایک دوسرے سے آنکھ تھلگ رہنے پر مجبور کیا ہوا تھا مگر میرے بارے میں پوری طرح باخبر رہنا اس کا جائز حق تھا۔

اول خان کے گھر میں ویرا کی موجودگی میں یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ کسی اور کو فون سننے کا موقع دیتی۔ "سنا ہے کہ تمہیں کوئی وزارت ملنے والی ہے اور اب تم جھنڈے والی گاڑی میں دندناتے پھرا کرو گے؟" میری آواز سن کر وہ فون پر چہکی۔

اس سے کوئی سوال کئے بغیر میں نے سمجھ لیا کہ کسی سرکاری اجلاس میں میری شرکت کی اطلاع اسے جہانگیر ہی سے ملی ہوگی اور اس نے اسی بات کا بتنگڑ بنادیا۔ میں نے کسی سخت ردِعمل کا مظاہرہ کئے بغیر نرمی سے کہا "جھنڈے لہرانے والے بعض لوگوں کو بعد میں ڈنڈوں کی تنصیب بھی سہنی پڑتی ہے۔ میں ایسی کسی پیشکش کو قبول کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

میرے جواب نے اسے تعجب میں ڈال دیا "میں تو مذاق کر رہی تھی! کیا یہ واقعی سچ ہے؟"

"اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ہر وقت نیک بول بولا کرو' نہ جانے کب' کون سی بات قبول ہو جائے" میں نے اس کے سوال کا براہِ راست جواب دینے کے بجائے کہا "ذرا غزالہ سے بات کرادو۔"

"تمہیں کس عہدے کی پیش کش کی گئی ہے؟" وہ بدستور تحیر زدہ تھی۔

"غزالہ سے بات کرادو۔ میں اسے سب کچھ سمجھادوں گا۔" میں نے تحمل سے جواب دیا۔

"ظاہر ہے کہ ایسی خبر تم سب سے پہلے اسی کو سناؤ گے' میں تمہاری کون لگتی ہوں" میرے جواب نے اسے آزردہ کردیا اور فون کال فوراً ہی غزالہ کو منتقل ہوگئی۔

"یہ ویرا کیا کہہ....." غزالہ نے ریسیور سنبھالتے ہی موضوع کو جاری رکھنا چاہا مگر میں نے بہت خلوص سے اس کی بات منقطع کردی۔

"ڈارلنگ! تم اس کی بے سروپا باتوں پر دھیان مت دیا کرو۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ آج ایک غیر سرکاری اجلاس میں ایک اہم سرکاری اہل کار نے ہم سب کو کھٹمنڈو سے دور رہنے کی ہدایت کی ہے اور میں اسی سلسلے میں تھوڑی دیر بعد اسلام آباد جارہا ہوں۔"

"آپ نے امریکا سے آنے کے بعد ایک دن بھی میرے ساتھ بے فکری سے نہیں گزارا" اس نے شکوہ کیا "اب پھر یہ بھاگ دوڑ شروع ہوگئی۔ کیا آپ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے؟"

"مجھے معلوم ہے کہ تم بہت بے خوف اور حوصلہ مند عورت ہو مگر وہاں تمہارا کام نہیں ہے۔ خود کو بلاوجہ کسی خطرے میں ڈالنا دانش مندی کے خلاف ہے۔"

اس نے میرے ساتھ سفر کرنے پر اصرار نہیں کیا اور بولی۔ "کب تک لوٹ آئیں گے؟"

"جلد از جلد..... شاید ایک دو روز میں" میں نے گول مول سا جواب دیا۔

"میں منتظر رہوں گی۔ جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ کچھ امریکی سراغ رساں اپنے ساتھ لائے ہوئے تربیت یافتہ کتوں کے ساتھ نادرہ کے فلیٹ میں گئے تھے' میں آپ کی سلامتی کی طرف سے بہت فکر مند ہوں۔ یہ محاذ آرائی روز بروز بڑھتی ہی جارہی ہے۔"

اس کی تشویش رفع کرنے کے لیے میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "میرے خلاف ان کے پاس کوئی سراغ نہیں ہے۔ وہ کتوں کو کس بو پر لگائیں گے؟ میری تصویر سے وہ بے چارے اب تک محروم ہیں۔ بس ذرا ویرا کا دھیان رکھنا۔ مجھے گھیرنے کے لیے وہ اس کو اپنا ہدف بناسکتے ہیں۔"

"کھوجی کتوں کے لیے انہیں دنیا بھر سے ویرا کے ذاتی استعمال کی بے شمار چیزیں مل سکتی ہیں" وہ میری طرف سے بے فکر ہو کر ویرا کے لیے تشویش میں مبتلا ہوگئی۔ اس کی یہی معصومانہ سادگی مجھے اس کی ساری اداؤں سے زیادہ عزیز تھی۔

"تم میری توقع سے زیادہ سمجھ دار ہو۔ اسے بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلنے دینا۔"

"وہ آپ سے بات بات پر الجھتی رہتی ہے مگر میری ہر بات بے چون وچرا مان لیتی ہے۔ آپ بے فکر ہو کر اسلام آباد جائیں۔ میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔"

میں نے فون بند کرکے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور نئی سگریٹ سلگالی۔

کالو مکرانی اور قاسم پولیس کی تحویل میں تھے۔ ان پر کلفٹن کی عمارت میں دہشت گردی کا الزام تھا جس کا وہ خود اعتراف کرچکے تھے۔ دہشت گردی میں چھ افراد کی موت کی وجہ سے ان کا جرم بہت سنگین ہوگیا تھا۔ سلیم پر جہانگیر کو بلیک میل کرنے کے بجائے کالو مکرانی اور قاسم کی دہشت گردی میں معاونت کرنے کا الزام تھا۔ ان لوگوں کے بیانات نے بالم اور جانی کو بے نقاب کردیا تھا جو کھٹمنڈو کے ہرکارے تھے۔

کراچی میں اس حد تک سب کچھ بہتر تھا۔ بس کھٹمنڈو سے آگے گڑبڑ ہی گڑبڑ تھی۔

اول خان ہمارے منصوبے میں پوری طرح شامل تھا۔ مجھے کرنل جمال دستی اسی نے بنایا تھا مگر واضح ترین وجوہ کی بنا پر وہ سامنے نہیں آسکتا تھا۔ اس نے ہمیں ائرپورٹ پہنچانے کی ذمے داری بچل شاہ کو سونپ دی تھی اور ہم تینوں وقت گزاری کے لیے چائے نوشی میں مصروف ہوگئے تھے۔

ایس ٹی ایف میں نچلی سطح پر پاکستان کے ہر خطے سے تعلق رکھنے والے لوگ کام کررہے تھے اور پوری تن دہی سے ملک کے

Downloaded from https://paksociety.com

دشمنوں کی سرکوبی کررہے تھے لیکن یہ عجیب اتفاق تھا کہ ہمارے رنگا رنگ اتحادیوں بھی ہر خطے کے لوگ شامل تھے۔

خود میرا خمیر داتا کی نگری سے اٹھا تھا۔ لاہور میرا آبائی شہر تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اپنے باپ کی وفات کے بعد سوتیلی ماں اور بھائیوں کے سلوک کی وجہ سے میرے اوپر اس شہر کی زمین تنگ ہونی شروع ہوئی اور پھر کس مپرسی کے عالم میں میری سگی ماں نے داعیِ اجل کو لبیک کہا تو کراچی کی مہربان فضاؤں نے مجھے اپنی نرم و پُر عزم آغوش میں لے کر زندگی گزارنے کا نیا حوصلہ سکھایا اور میں کراچی کے رنگ میں رنگتا چلا گیا۔ اول خان اور سلطان شاہ قدرے مختلف علاقوں کے پٹھان تھے۔ بچل شاہ اصل نسل سندھی تھا۔ جہانگیر کراچی کا پیدائشی تھا اور ویرا.... وہ تو نہ جانے کہاں کہاں کی باسی رہ چکی تھی۔

ہم سب کی زبانیں' ثقافتیں اور تہذیبیں خاصی مختلف تھیں لیکن سب کا مشن مشترک تھا۔ ہم مل جل کر ایک بڑے مقصد کے لیے کام کررہے تھے جس کی ابتدا ملک میں ہیروئن کے انسداد سے ہوئی۔ اس مہلک اور گھناؤنے کاروبار کی جڑوں میں اترتے اترتے ہم عالمی سازشوں اور دہشت گردیوں کے ایک ایسے سمندر میں نکل گئے تھے جہاں بظاہر ہیروئن کا کہیں پتا نہیں تھا لیکن اس سمندر کا مخرج و منبع وہی خطیر سرمایہ تھا جو کسی روک ٹوک کے بغیر ہیروئن کے دھندے سے کمایا جارہا تھا۔

"اب تم کیا سوچ رہے ہو؟" اول خان نے اپنی پیالی خالی کرکے مجھ سے پوچھا۔

"میں رابطوں کے موجودہ دیقانوسی نظام کے بارے میں فکرمند ہوں" میرے ذہن نے چوکتے ہی ایک قلابازی کھائی اور میں نے ایک اہم بات چھیڑ دی۔

"کس نظام کی بات کررہے ہو؟" اول خان نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

"ہم ابھی تک ٹرانسیٹرز وغیرہ کے جھمیلوں میں الجھے ہوئے ہیں اور ہمارے حریف شاید موبائل فون سے فیض حاصل کررہے ہیں" میں نے شکوہ کیا۔

"تمہاری شکایت مجھے یاد ہے۔ میں نے تمہیں بتایا بھی تھا کہ یہ سہولتیں یہاں نئی اور بہت مہنگی ہیں لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ ہورہا ہے۔ اسلام آباد میں تمہیں موبائل فون مل جائے گا۔ چند ہفتوں تک کراچی میں بھی تم اپنے یا فورس کے وسائل سے یہ سہولت حاصل کرسکو گے۔"

باتوں میں وقت تیزی سے گزر گیا۔ روانگی کا مرحلہ آیا تو اول خان نے ہمیں پوری گرم جوشی کے ساتھ بچل شاہ کے ساتھ رخصت کیا۔ ملیر چھاؤنی سے ایئرپورٹ کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ کشادہ سڑکوں پر چند منٹ کے سفر کے بعد ہم ایئرپورٹ پہنچ گئے۔

ایس ٹی ایف ملک کی ایک ایسی نادیدہ اور منظم قوت تھی کہ ہر لمحے اپنے حریفوں کی نظروں سے روپوش رہنے کی کوششوں کے باوجود اہم مقامات اور مواقع پر اپنی موجودگی کا احساس دلاتی رہتی تھی۔

بچل شاہ نے گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دیکھ کر دور ہی سے بتادیا کہ سرمئی کپڑوں والا ایئرپورٹ سے پرواز کی روانگی تک ہماری دیکھ بھال کا ذمے دار تھا۔

ہمارے پاس بچل شاہ کے فراہم کئے ہوئے ایک بریف کیس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ حد یہ ہے کہ ہمارے ٹکٹ بھی ہم تک نہیں پہنچے تھے۔ سرمئی کپڑوں والے نے گاڑی سے اترتے ہی ادب سے سلام کیا اور ٹکٹ کے بقیہ کوپن کے ساتھ دو بورڈنگ کارڈز میرے حوالے کردیے۔

لاؤنج میں ذرا بھی وقت ضائع بغیر براہِ راست بورڈنگ کارڈز حاصل کرنے کا وہ تجربہ خوشگوار تھا۔ سرمئی سوٹ والا بریف کیس اٹھائے ایسے طنطنے سے ہمارے آگے آگے چل رہا تھا جیسے راہ میں حائل ہونے والوں کو ایک طرف دھکیل دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

وہ سادہ پوش اور ہمارے لیے اجنبی ہونے کے باوجود عمارت میں موجود' مختلف ایجنسیوں کے اہل کاروں کا شناسا تھا۔ ہمیں کہیں رکنا پڑا' نہ کوئی تلاشی ہوئی۔ ہم براہِ راست فرسٹ کلاس

سو سالہ ڈاکومنٹڈ فلم ڈائریکٹری آئی

اس فلم ڈائریکٹری میں ۱۹۳۱ء سے ۱۹۹۷ء تک بننے والی اردو فلموں کی مکمل تفصیل اور ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۷ء تک پاکستان میں بننے والی اردو' پنجابی' سندھی' پشتو فلموں کی تفصیل کے ساتھ معلومات۔ اس کے علاوہ اس ڈائریکٹری میں آرٹ پیپر پر بے گنتی' چار رنگی تصاویر ☆ پاکستان کی فلمی تاریخ ☆ پاکستان کے فلم تقسیم کاروں کی مکمل فہرست نام اور پتے مع فون ☆ انگریزی فلموں کے امپورٹر کے نام اور پتے مع فون ☆ پاکستان کے تمام سینماؤں کے نام' پتے اور فون ☆ کراچی کی فلم صنعت ☆ چار سو اداکاروں کی پہلی فلم ☆ نگار ایوارڈ کے ۳۹ سال' کراچی کے فلمی اداروں کے پتے اور نام اور بے شمار دلچسپیاں۔ قیمت دو سو روپے بذریعہ منی آرڈر روانہ کریں اور یہ فلمی خزانہ منگالیں۔ وی پی ارسال نہیں ہوگا۔

پتہ : روپ پبلشرز

نزد دفتر رسالہ رومان۔ آسن مل اوجھا روڈ کراچی

فون نمبر 213496

Downloaded from https://paksociety.com

لاؤنج میں پہنچ گئے۔ وہاں بھی وہ ہمارے آس پاس ہی منڈلاتا رہا۔

پرواز کی روانگی سے چند لمحوں قبل وہ طیارے میں بھی نظر آیا اور دور سے ہم دونوں پر ایک نگاہ ڈال کر واپس لوٹ گیا۔

کراچی سے اسلام آباد تک جاتے ہوائی پی آئی اے کی وہ پرواز بہت ہموار اور آرام دہ مگر رو کھی پھیکی تھی۔ مسافروں کی دیکھ بھال پر مامور کیبن کریو کا ہر فرد تھکا تھکا اور بیزار نظر آرہا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے عملے کی کمی کی وجہ سے انہیں زبردستی اضافی ڈیوٹی انجام دینے پر مجبور کیا گیا ہو۔

اسلام آباد ائرپورٹ پر حالات بالکل مختلف تھے۔ وہاں لاؤنج میں ہماری پیشوائی کے لیے کوئی موجود نہیں تھا۔ ہماری آمد کی رازداری برقرار رکھنے کے لیے شاید وہ احتیاط ضروری سمجھی گئی تھی۔ مجھے فکر صرف ایک ہی تھی کہ کہیں ایس ٹی ایف والا ہمیں پہچاننے میں ناکام نہ ہو گیا ہو۔

ہم سامان کی فکر سے آزاد مسافروں کی ابتدائی بھیڑ میں شامل ہو کر لاؤنج سے باہر نکلے تو آہنی ریلنگ کے پیچھے کھڑے ہوئے ایک اجنبی شخص نے شناسائی کے انداز میں ہماری طرف ہاتھ لہرایا پھر تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر غائب ہو گیا۔

ہم گھوم کر برآمدے کے غیر مسقوف حصے میں پہنچے تو وہ ہمارے ساتھ آملا اور ہمیں تیزی کے ساتھ ایک دور افتادہ گوشے کی طرف لیتا چلا گیا۔

اس نے ہمارا تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی' نہ اپنے بارے میں کچھ بتایا' چھوٹتے ہی بولا "سر! ایف سیون میں اس کی موجودگی کا شبہ ہے لیکن ابھی تک اسے کہیں نہیں دیکھا گیا۔ دو گھنٹے بعد یہ پرواز کراچی واپس جائے گی۔ ہو سکتا ہے وہ اس کے ذریعے یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے۔ ہمارے دو آدمی یہاں نگرانی کر رہے ہیں۔"

بات کرتے ہوئے اس نے اپنی جیب میں سے ابتدائی وضع کا ایک موبائل فون نکال کر میرے حوالے کر دیا تھا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "پیچھے اسکرپر اہم نمبروں کے ساتھ اس سیٹ کا نمبر بھی لکھا ہوا ہے۔ چار جر ریسٹ ہاؤس میں موجود ہے۔"

"ریسٹ ہاؤس یہاں سے کتنی دور ہے؟" میں نے موبائل فون کا جائزہ لے کر کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"سر! بس بیس منٹ کی ڈرائیو ہے۔" اس نے مجھے مطلع کیا۔

"ذرا معلوم کرو کہ کراچی کے لیے پرواز کی روانگی کا صحیح وقت کیا ہے۔ ہم کونے پر کافی ہاؤس میں تمہاری واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے میں عمارت کے بیرونی بازو پر واقع کافی شاپ کی طرف بڑھ گیا۔

"تم نے تو یہاں اترتے ہی چکر چلانا شروع کر دیا۔" سلطان شاہ نے دھیرے سے کہا "تمہارے کیا ارادے ہیں؟ کیا کراچی واپسی کے لیے پر تول رہے ہو؟"

"اگر اگلی پرواز دو گھنٹے بعد روانہ ہونے والی ہے تو ذرا سی دیر میں اس کے مسافروں کی آمد شروع ہو جائے گی۔ ریسٹ ہاؤس تک ہماری آمد و رفت کے چالیس منٹ میں ذرا سا آرام کا نصف گھنٹا جمع کر لو تو یہ سوا گھنٹے سے زیادہ وقت بن جاتا ہے۔ اگر وہ وی آئی پی بن کر عین وقت پر بھی آیا تو ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہو گا۔ بہتر ہو گا کہ ہم پرواز چیک کر کے ہی شہر کی طرف جائیں۔"

ایس ٹی ایف کا آدمی کافی شاپ میں خبر لایا کہ پرواز کی روانگی میں فنی دیکھ بھال کی بنا پر ڈیڑھ گھنٹے کی تاخیر متوقع تھی۔ ہم نے جلدی جلدی پیالیاں خالی کیں اور باہر آگئے۔

ائرپورٹ کے احاطے میں اس کی آرام دہ گاڑی موجود تھی۔ ہم فوراً اسلام آباد کی طرف روانہ ہو گئے۔ گاڑی چلنے پر اس نے بتایا کہ اس کا نام اکبر تھا۔

ائرپورٹ سے شاہراہِ اسلام آباد تک کا راستہ ڈرائیونگ کے اعتبار سے پُر پیچ اور قدرے بے آرام ہے جو پاکستان کے دارالحکومت میں آنے والوں پر کچھ اچھا تاثر نہیں چھوڑتا۔ بڑی سڑک پر آنے کے بعد اکبر نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

شاہراہ کشمیر کے چوراہے پر زیرو پوائنٹ کے سگنل کو عبور کر کے بھی اکبر سیدھا چلتا رہا۔ خیابان قائداعظم کے چوراہے پر داہنی طرف مڑنے کے بعد اس نے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا "یہ اسلام آباد کا سیکٹر ایف سیون ہے۔ چوہدری سلام اسی سیکٹر میں رہتا ہے۔"

"چوہدری سلام!" سلطان شاہ چونک پڑا "تمہیں اس کا نام کیوں یاد آگیا۔ اسلام آباد میں تو اس سے بھی بڑے بڑے بہت سے سیاست داں رہتے ہیں۔"

"اس کے گھر کی خفیہ نگرانی ہو رہی ہے' سر!" اکبر نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا "شبہ ہے کہ کھٹمل اسی کے گھر میں ٹھہرا ہوا ہے۔"

"اس شبے کی کچھ نہ کچھ وجوہ ضرور ہوں گی؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"سر! لڑکیاں ذرا مشکل سے ملی ہیں پھر بھی مل ہی گئی ہیں۔ ہم لوگ سیاست اور سیاسی لیڈروں سے دور رہتے ہیں۔ اب پتا چلا ہے کہ ان دونوں کی کسی کاروباری پارٹنرشپ کی خبریں اسلام آباد میں عام ہیں۔ ہم اندر کی خبریں معلوم کرنے کے لیے کسی ملازم پر ہاتھ ڈالنے کے چکر میں ہیں۔" اکبر نے ہلکے سے مجرمانہ احساس کے ساتھ کہا۔

"لیکن یہ خبر کراچی ابھی تک نہیں پہنچی۔" میں اپنے لہجے کی بے اختیار خفگی پوشیدہ نہ رکھ سکا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ ایس ٹی ایف کے اسلام آباد یونٹ والے اس وقت تک کھٹمل کے معاملے کی سنگینی کا ادراک نہیں کر سکے تھے۔

"سر! ہمیں خود یہ خبر ایک گھنٹے پہلے ملی ہے۔" اس نے برا مانے بغیر وضاحت کی "اسٹیشن فور والوں کو فوراً خبر دی گئی تھی۔ آپ دونوں وہاں سے نکل چکے تھے۔"

چوہدری سلام کی رہائش ایف سیون میں تھی۔ وہاں سے گزرتے ہوئے میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اس کے گھر پر

Downloaded from https://paksociety.com

ایک نگاہ ڈال لوں مگر ایسی کسی قبل از وقت کوشش سے ان لوگوں کا بنایا ہوا کھیل بگڑ سکتا تھا۔

اسلام آباد کے بلاک ایف کے سیکٹر نمبر چھ یا عرفِ عام میں ایف سکس میں ہمارا ریسٹ ہاؤس تھا.... وہاں کے عام رواج کے مطابق وہ ایک بڑا رہائشی مکان ہی تھا جس کے اگلے حصے کو دفتر اور عقبی کمروں کو ریسٹ ہاؤس کی رسمی شکل دے دی گئی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ ایس ڈی ایف کے سربراہ سے ملاقات کے لیے پچھلی بار میں اس عمارت میں نہیں آیا تھا۔

اکبر نے ہمیں کمروں تک پہنچایا تو میں اس سے اس بارے میں اپنا سوال کیے بغیر نہ رہ سکا "کیا پہلے تمہارا یہ دفتر کسی اور عمارت میں تھا؟"

"نہیں سر! یہ شروع سے یہیں ہے۔" اس نے اختصار سے جواب دیا۔

"مگر میں کہیں اور آیا تھا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "میری یادداشت اتنی کمزور نہیں ہے۔"

"سر! آپ ہیڈ آفس آئے ہوں گے۔ یہ اسٹیشن نائن کہلاتا ہے۔ ہم لوگ صرف پنڈی، اسلام آباد اور اس کے مضافات میں آپریٹ کرتے ہیں۔ ہیڈ آفس سارے اسٹیشنوں کا نگراں ہے۔"

"اوہ!" میں نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا "اسٹیشن نائن کا کمانڈر کون ہے؟"

"وہ میرے ہم نام ہیں، سر!" وہ سر کے بغیر کسی بات کا جواب نہیں دے رہا تھا "ان کا پورا نام اکبر رانا ہے۔ فرق کے لیے انہیں کمانڈر رانا کہا جاتا ہے.... اس وقت وہ بھی کھٹمول کے پیچھے ہیں۔ پہلی فرصت میں آپ سے ملنے آئیں گے۔"

ریسٹ ہاؤس میں ایک کل وقتی خدمت گار موجود تھا۔ اسے ہم دونوں کے بارے میں ہدایات دے کر اکبر واپس چلا گیا۔ جانے سے پہلے اس نے اپنے موبائل فون پر کوڈ ورڈز میں کسی سے چند ثانیوں کے لیے مختصر سی بات کی تھی۔

"چوہدری سلام کے نام پر تم کیوں چونکے تھے؟" اکبر کے چلے جانے کے بعد میں نے اپنے ذہن میں کسی بچھو کے ڈنک کی طرح چبھنے والا وہ سوال سلطان شاہ سے کر ہی ڈالا۔

"وہ ایک رسوائے زمانہ بدمعاش ہے۔" سلطان شاہ نے ایک گہرا سانس لے کر بے بسی سے کہا "سیاسی لیڈروں نے اپنے جلسوں میں آدمی جمع کرنے کے لیے اسے شہ دینا شروع کیا اور رفتہ رفتہ وہ ممّو مستری سے چوہدری سلام بنتا چلا گیا اور آج خود بھی ایک بڑا لیڈر بنا بیٹھا ہے۔"

"تم اتنے عمر رسیدہ تو نہیں ہو کہ یہ تبدیلیاں تم نے اپنے سامنے آتی دیکھی ہوں۔"

"ماضی کی کہانیاں ہیں۔ اپنے بڑوں سے سنتا رہا تھا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد میں نے خود اس کے لیے نعرے لگائے تھے۔ برسوں سے وہ خود اور اس کا ایک آدھ بیٹا اسمبلیوں کا ممبر چلا آرہا ہے۔" سلطان شاہ کی معلومات واقعی خاصی اہم تھیں۔

فیروپائرین (رجسٹرڈ)
قائم شدہ
1976

★ فیروپائرین دانتوں میں لگے ہوئے سب کیڑوں کو جڑ سے بالکل ختم کردیتی ہے
★ فیروپائرین دانتوں اور مسوڑوں میں ٹھنڈا اور گرم پانی لگنا بند کردیتی ہے
★ فیروپائرین پائیوریا کی خطرناک بیماری دور کر کے دانتوں اور مسوڑوں کو تندرست رکھتی ہے
★ فیروپائرین مسوڑوں سے گندہ اور بادی پانی خارج کر کے ورم اور سوزش اتارتا ہے
★ فیروپائرین مسوڑوں سے خون نکلنا بند کر کے مسوڑوں کو مضبوط اور سخت بناتی ہے
★ فیروپائرین منہ کے ان تمام جراثیم کو ہلاک کرتی ہے جو دانتوں میں کیڑا بنانے کا سبب بنتے ہیں
★ فیروپائرین منہ میں گندگی اور بدبو دور کر کے سانسوں کو خوشگوار بناتی ہے
★ فیروپائرین دانتوں مسوڑوں اور منہ کی سب پیچیدہ بیماریوں کی بے مثل دوائی ہے۔

تیار کردہ:- فیر لیبارٹریز O/1084 غازی روڈ راولپنڈی۔ (051-72471)

Downloaded from https://paksociety.com

"سرحد میں تو چوہدری نہیں ہوتے پھر تم نے اس کے لیے نعرے کیوں لگائے تھے؟"

"اب شرمندہ نہ کرو۔" وہ خفت سے بولا "نعرے ریلی کے لیے لگانے پڑتے ہیں جس سے پیسے ملتے ہیں۔ قومی اسمبلی کے نگ الیکشن میں سارے لیڈر ایک دوسرے کے جلسوں میں جاتے ہیں۔ پنجاب کے جلسے میں سرحد یا بلوچستان کے کسی لیڈر کے حق میں نعرے لگیں تو اس کی مقبولیت سے سب ہی مرعوب ہونے لگتے ہیں۔"

"ایک معمولی مستری کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آگیا؟" میرے ذہن میں سوال ابھرتے چلے آرہے تھے۔

"پہلے سیاسی رشوت میں بھنگ' چرس اور دیسی شراب کے ٹھیکے چلانے شروع کیے۔ بعد میں پاؤڈر چلا تو اس کے پاس دولت کی ریل پیل ہوتی چلی گئی۔ اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ کھنول کی چوہدری سلام سے دوستی ہے تو میں تمہیں اسی کے گھر جانے کا مشورہ دیتا۔"

"تو کیا وہ شروع سے اسلام آباد میں ہی رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پہلے لاہور میں کسی فٹ پاتھ پر مستری کا کام کرتا تھا۔ وہاں سے آٹو پارٹس کے دکان داروں کی بڑی رقم کھا کر ہڑی پور میں آگیا تھا۔ وہاں اس کا مستری خانہ تو کیا چلتا' لیڈروں کے جلسوں کے لیے آدمی جمع کرنے کا دھندا چل پڑا۔ اب تو پتا نہیں کہاں کہاں اس کی حویلیاں ہوں گی۔"

یہ ہمیشہ سے ایک حیران کن بلکہ روح فرسا حقیقت رہی ہے کہ حلال کی روزی کمانے اور اس پر تمام سرکاری محصول ادا کرکے سفید پوشی قائم رکھنے والوں کی آمدنی یا تنخواہوں میں چند ہزار سالانہ کا بھی اضافہ ہو تو محصول اور محاسبے کے سارے مروج قوانین حرکت میں آجاتے ہیں لیکن تحت الثریٰ سے اپنے سفر کا آغاز کرکے پچیس تیس برسوں میں ارب پتی بن جانے اور ٹیکس میں دھیلا بھی نہ دینے والوں سے کوئی نہیں پوچھتا کہ ان کے ابتدائی وسائل کیا تھے اور انہوں نے اتنی دولت کیسے جمع کی۔

اس دلدل میں پیر رکھنے کے بعد وہ رموز دھیرے دھیرے میری سمجھ میں آنے لگے تھے۔ جس طرح چوہدری سلام عرف مستری نے ہوم سیکریٹری کے ذریعے کراچی میں کھنول کو تحفظ فراہم کیا تھا اور ہر ادارے کو اس کے جرائم سے چشم پوشی اختیار کرنے کا حاکمانہ مشورہ دیا تھا اسی طرح اوپر کے کچھ لوگ چوہدری سلام کو اپنے مفادات کے لیے تحفظ فراہم کررہے تھے۔

وہ ان ہی بڑی مچھلیوں کا کھیل تھا جن کی کہانیاں آئے دن اخباروں میں آتی رہتی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ وہ غاصب' خائن' بدنیت' چور اور لٹیرے ہیں لیکن قانون از خود ان کے خلاف حرکت میں آنے کی قوت نہیں رکھتا۔ قانون کے بے رحم محافظوں کو بھی ان مگرمچھوں کے خلاف کسی نہ کسی کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسی اجازت آج تک نہیں دی گئی۔

اگر کھنول ہیروئن کے گمنام ڈنے کاروبار کے ذریعے اپنے اور مومستری کے لیے بے اندازہ دولت کما رہا تھا تو ان دونوں کی مفاہمت بہت زیادہ قابل فہم تھی۔

ایس ٹی ایف والے مومستری کے مکان سے باہر رہ کر چوری چھپے اندر کی خبریں معلوم کرنے کی کوشش کررہے تھے' میں نے براہِ راست ایک وار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

پاکستان میں ٹیلی فون ڈائرکٹریوں کا نظام اس قدر فرسودہ اور از کار رفتہ ہے کہ برسہا برس سے کبھی بھی تازہ ترین ڈائرکٹری دستیاب نہیں ہوسکی۔ ہر زیرِ اشاعت ڈائرکٹری مقررہ مدت سے ڈیڑھ دو سال بعد آتی ہے اور اس وقت تک بیشتر نمبر تو بے شمار فون نمبر فنی وجوہ کی بنیاد پر بدلے جاچکے ہوتے ہیں۔

ڈائرکٹری میں بلاوجہ سر کھپانے کے بجائے میں نے انکوائری سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا۔ فون کا ریسیور اٹھاتے ہی مجھے حکومتِ پاکستان کی اس محکمہ جاتی ڈائرکٹری کا خیال آیا جس میں ساری وزارتوں اور ان کے متعلقہ دفاتر اور افسروں کے فون نمبر ہر بڑی تبدیلی کے بعد نہایت باقاعدگی سے اور بروقت شائع کیے جاتے ہیں۔

ایس ٹی ایف جیسے حساس ادارے کے ریسٹ ہاؤس میں اس ڈائرکٹری کی موجودگی ناگزیر تھی۔ میں نے جوں ہی رائٹنگ ٹیبل کی پہلی دراز کھولی' میرے اندازے کی تصدیق ہوگئی۔

قومی اسمبلی کے اراکین کی فہرست میں چوہدری سلام کے نام کے سامنے کئی اقامتی اور دفتری فون نمبر موجود تھے۔ میں نے وہ صفحہ موڑ لیا۔

ایف سیون کے پتے والا پہلا نمبر ملانے کے چند ثانیوں بعد دوسری طرف سے رابطہ قائم ہوگیا۔ ادھر سے بات کرنے والی کوئی مہذب خاتون تھی۔

"کیا یہ چوہدری سلام صاحب کا گھر ہے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ تصدیق چاہی۔

"یقیناً۔ گھر ان ہی کا ہے مگر وہ اس وقت موجود نہیں ہیں....."

اس سے پہلے کہ وہ خاتون نپا تلا سا جواب مکمل کرکے فون بند کرتی' میں خوشامدانہ لہجے میں بول پڑا "میرا چوہدری صاحب سے تعارف نہیں ہے۔ مجھے ان کے مہمان سے ذرا سی بات کرنی ہے۔ میرا یہ مسئلہ بہت اہم اور ضروری ہے۔"

خوشامد ہر عورت کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے' وہ فوراً نرم پڑگئی "ان کے پاس تو کئی مہمان ہوتے ہیں۔ آپ کون ہیں اور کس سے بات کرنی چاہتے ہیں؟"

میں نے اس کے پہلے سوال کا جواب گول کرکے دوسرے سوال کا جواب دے ڈالا "کراچی سے کھنول راجوانی آئے ہوئے ہیں۔ ان سے بات کرادیں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"یہ مشکل ہے۔" اس کی متذبذب آواز ابھری "وہ ذرا علیل ہیں۔ آپ اپنا نام اور فون نمبر لکھوا دیں۔ انہوں نے ضروری سمجھا تو وہ خود آپ سے رابطہ کرلیں گے۔"

خوشی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ جس سراغ کے لیے اسٹیشن نائن والے پچھلے روز سے ہر طرف مارے مارے پھر رہے تھے' وہ میں نے اسلام آباد پہنچنے کے پہلے گھنٹے میں ہی حاصل کرلیا تھا۔ یہ بات اپنی جگہ سب سے اہم تھی کہ میری اس کوشش کے لیے بنیادی اطلاع اکبر نے ہی فراہم کی تھی۔

اکبر نے چوہدری سلام اور کھٹمول کے گٹھ جوڑ پر شبہے کا اظہار کیا' سلطان شاہ نے مومستری کا کچا چٹھا کھولا اور میرے ذہن کو ایک نئی راہ ملتی چلی گئی۔

میں نے فون پر کسی وقفے کے بغیر اس خاتون کو جواب دیا "میں ابھی ابھی پشاور سے پنڈی پہنچا ہوں۔ ایک پی سی او سے فون کررہا ہوں۔ آپ کھٹمول کو صرف یہ بتادیں کہ پشاور سے ششں.... شہزاد آفریدی یہاں آگیا ہے۔ میں کسی ہوٹل میں کمرا لے کر دوبارہ فون کروں گا یا پھر آپ کے گھر پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

میری زبان سے بے اختیار شنکر آفریدی نکلتے نکلتے رہ گیا۔ کھٹمول کو میں شنکر کے نام سے ہی ڈراتا رہا تھا لیکن وہ موقع ایسی شہ زوری دکھانے کا نہیں تھا۔ اسے ذرا بھی شبہ ہوجاتا کہ اس کے خون کے پیاسے اس کے پیچھے اسلام آباد تک پہنچ گئے ہیں تو وہاں ہلچل مچ جاتی۔ شاید چوہدری مو اپنے اثرو رسوخ کے سہارے پورے اسلام آباد کی پولیس فورس اپنے گھر پر جمع کرکے ایسا ہنگامہ کھڑا کردیتا کہ ہم اپنا مقصد کسی طرح بھی حاصل نہیں کرسکتے تھے۔

اس خاتون کو شہزاد آفریدی کی ادائیگی میں میری خفیف سی ہکلاہٹ پر کوئی شبہ نہیں ہوا۔ اسلام آباد میں شیر اپنے کچھار میں محفوظ تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چوہدری سلام عرف مو مستری کی پناہ میں آئے ہوئے مہمان کو کوئی للکار سکے گا۔

خاتون نے میرا پیغام سننے کے بعد اوکے کہہ کر فون بند کردیا۔

میرے ریسیور رکھتے ہی سلطان شاہ والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا "خدا کی قسم! تم نے انتہائی شیطانی کھوپڑی پائی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ مشکل مسئلہ اتنی آسانی سے حل ہوجائے گا۔ تم نے واقعی کھیل میں جان ڈال دی ہے۔"

وہ میرے سینے سے الگ ہوا تو مسرت سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

"مجھ پر الزام تراشیاں مت کرو۔" میں نے مسکراتے ہوئے احتجاج کیا "مجھے یہ سیدھی سی راہ تم نے اکبر خان کی دی ہوئی اطلاع کی وضاحتوں کے ذریعے سجھائی تھی۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔" وہ فرطِ جوش میں اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا "تمہیں راہ میں نے سجھائی مگر یہ بات میرے ذہن میں نہیں آسکی۔ تمہارے ریڈار نے ہلکا سا اشارہ ملتے ہی اپنا کام شروع کرڈالا اور تم نے نتیجہ حاصل کرلیا۔"

"ابھی زیادہ اچھلنے کی ضرورت نہیں۔ شکار کو اس کے کچھار سے نکالنے میں دانتوں پسینہ آسکتا ہے۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "سب سے پہلے ہمیں اکبر رانا کو دیکھنا چاہیے۔ پتا نہیں وہ اور اس کے آدمی شہر بھر میں کیا پاپڑ بیلتے پھر رہے ہیں۔"

"ضرور دیکھو۔" سلطان شاہ مسہری پر بیٹھ گیا "کبھی کبھی تو ایسی فضا بن جاتی ہے کہ تمہاری کسی بھی بات سے اختلاف کرتے ہوئے خوف آنے لگتا ہے۔"

اکبر کے دیے ہوئے موبائل فون کی پشت پر چسپاں اسٹکر پر کمانڈر رانا کا موبائل نمبر بھی درج تھا۔ میں نے فوراً ہی وہ نمبر ملالیا۔

"میں جمال دستی بول رہا ہوں...." میں نے اس کی ہیلو کے جواب میں کہا اور اس نے میری بات درمیان سے ہی اچک لی۔

"میں اسی چکر میں الجھا ہوا ہوں اور آپ کی طرف آرہا ہوں۔ مجھے شرمندگی ہے کہ میں آپ کو لینے کے لیے خود ائرپورٹ پر نہ آسکا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔ "آپ جناب کا چکر چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ اس وقت کی صورتِ احوال کیا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنی ضروریات کے معاملے میں خود کفیل اور اس گھر میں محصور ہیں۔ وہاں سے صرف دو گاڑیاں برآمد ہوئی ہیں۔ ایک میں تین افراد تھے۔ ان کا اس توقع پر پیچھا کیا گیا کہ ان میں سے کوئی کہیں اترے گا تو اسے گھیر لیا جائے گا۔ وہ گاڑی اپنے مسافروں سمیت مری روڈ کی ایک کوٹھی میں گھس گئی۔ دوسری گاڑی کا میں نے خود پیچھا کیا۔ اس میں پورے پانچ افراد تھے۔ میں سوہاوہ سے واپس لوٹ آیا۔ ان کے تیوروں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ ہائی وے پر کسی لمبے سفر کی نیت سے نکلے ہوئے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم ہم سے بہت دور ہو۔" میں نے رسٹ واچ دیکھ کر کہا۔

"نہیں' نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا "ہم فیض آباد چوک سے آگے نکل چکے ہیں۔ بس ذرا سی دیر میں وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"شہر سے اپنے سارے آدمی سمیٹ کر چوہدری سلام کے مکان کے گرد جمع کردو۔ ہمارا مطلوبہ آدمی وہیں موجود ہے اور ہمیں اس بارے میں آج ہی کچھ کرنا ہے۔"

"وہ.... وہاں ہے.... تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟" اس کی آواز سے اضطرار' حیرت اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیات عیاں تھیں "تم نے تو ابھی یہاں قدم ہی رکھا ہے۔"

"اپنے آدمیوں کو ہدف پر مرکوز ہونے کی ہدایات کرتے ہوئے چلے آؤ۔ باقی باتیں یہیں ہوں گی۔" یہ کہہ کر میں نے کال ختم

Downloaded from https://paksociety.com

کردی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔" سلطان شاہ بولا "مومستری کا مکان کسی قلعے یا حویلی سے کم نہیں ہوگا۔ ہم کھٹمل کو آسانی سے وہاں سے نہیں لاسکیں گے۔"

"دیکھنا ہوگا کہ اس بارے میں اسٹیشن نائن والے کیا کچھ کرسکتے ہیں۔"

"ان کی کارکردگی تمہارے سامنے آہی گئی ہے۔ وہ ابھی تک کھٹمل کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔"

"زیادہ بڑھ چڑھ کر نہ بولا کرو۔" میں نے ترشی سے کہا "تم بار بار یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس کے بارے میں پہلا سراغ اکبر نے ہی دیا تھا۔"

"ہم..... میرا مطلب تھا کہ وہ کام کرنے والے لوگ ہیں۔" اس نے بوکھلا کر وضاحت کی "اول خان خود بھی اپنی اس خامی کو تسلیم کرتا ہے۔ زیادہ باریک قسم کی منصوبہ بندیاں شاید ان کے فرائض میں سرے سے شامل نہیں ہیں۔ اوپر سے طے شدہ ہدف دیا جاتا ہے اور یہ اسے حاصل کرلیتے ہیں۔"

"پھر خاموش رہو اور خود بھی کچھ سوچنے کی کوشش کرو۔ میں بھی امکانات پر غور کرنا چاہتا ہوں۔" میں یہ کہہ کر صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔

کمانڈر رانا جلد ہی لوٹ آیا۔ وہ ایک دراز قامت اور وجیہہ آدمی تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی اور روشن آنکھوں سے اس کی دلیری اور فراخ دلی کا اظہار ہورہا تھا۔

وہ آیا اور اس نے آتے ہی میرے ہاتھ فرطِ عقیدت سے چوم کر اپنی آنکھوں سے لگالیے "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں آپ سے مل رہا ہوں۔ میرے لیے یہ فخر کی بات ہے کہ میں آپ کے ساتھ کام کروں گا۔ آپ کے قدموں کی خاک بھی میرے لیے ایک بڑا انعام ہوگی۔"

"میں نے کہا تھا کہ تکلفات کو بالائے طاق رکھ دو۔" اس کی وارفتگی دیکھ کر میں مزید بے تکلف ہوگیا "فون پر تم سدھر گئے تھے۔ سامنا ہوتے ہی پھر آپ جناب شروع کردی۔"

"ہمت ہی نہیں ہوتی کہ آپ کے روبرو ایسی گستاخی کروں۔ فون پر بہک گیا تھا' اس کے لیے معافی چاہتا ہوں۔" اس نے میرے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"اب تم کھٹمل جیسی حرکتیں کررہے ہو۔" میں نے دوستانہ نرمی سے اس کے ہاتھ گرادیے "تکلف کی فضا میں ساتھ رہ کر کام کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔"

"آپ یہ بات میرے اوپر چھوڑ دیں۔ میں بے تکلف ہونے کی کوشش کروں گا اور جب اپنے حجاب پر غالب آجاؤں گا تو خود بخود اندازِ تخاطب بدل لوں گا۔ یہ بتائیں کہ یہاں پہنچنے کے بعد کھانے پینے کے لیے کیا پسند کریں گے۔"

"فی الحال کچھ نہیں۔ تمہارا آدمی بتا چکا ہے کہ کچن میں سب کچھ تیار ہے۔"

وہ میری ذات اور شہرت سے اس قدر مرعوب تھا کہ دیر تک نیازمندی کے ان ہی مظاہروں میں بتا رہا۔ جب اس کی ذرا تسکین ہوئی تو اسے کھٹمل کا خیال آیا۔

تصدیق کے لیے اختیار کیے جانے والے سہل ترین طریقے کے بارے میں سن کر وہ حیران رہ گیا "مجھے خیال آبھی جاتا تو میں اس خوف سے یہ طریقہ استعمال نہ کرتا کہ کھٹمل فون پر آہی گیا تو میں اس سے کیا کہوں گا۔"

"وہ فون پر آجاتا تو شاید میں اس کی آواز سن کر فون بند کردیتا۔"

"اسے شبہ ہوجاتا کہ کسی نے اس کا سراغ لگالیا ہے۔" اکبر رانا نے کہا۔

"ناممکن۔" میں نے پورے وثوق سے کہا "پتا نہیں چوہدری سلام نے کہاں کہاں کی ڈوریاں ہلائی ہوں گی۔ کراچی میں ان کوششوں کا نتیجہ حیران کن تھا۔ ایسے آدمی کی چاردیواری میں رہ کر کھٹمل کوئی صحیح اندازہ لگا ہی نہیں سکتا تھا۔"

"مجھے معلوم ہوچکا ہے کہ سندھ میں اب کھٹمل پر فوراً ہاتھ نہیں ڈالا جاسکے گا۔"

"عملی طور پر اسلام آباد میں بھی یہی صورت ہے۔ جس نے ایسی جسارت کی' وہ مارا جائے گا۔"

"اسلام آباد کی فیڈرل پولیس بہت بااختیار ہے۔ یہاں حوصلہ مند افسروں کی کمی نہیں ہے۔"

"اور کھٹمل جیسا خطرناک مجرم یہیں چھپا بیٹھا ہے..... چوہدری سلام اس کی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ سے پنجہ آزمائی کرے گا۔ انگلیاں کس کی ٹوٹتی ہیں' یہ فیصلہ وقت کرے گا۔"

"اس کے ٹھکانے کا پتا چل گیا ہے لیکن سامنے آئے بغیر اسے وہاں سے نکالنا محال نظر آرہا ہے۔" ابتدائی مسرت کے بعد اس کے چہرے پر تشویش کی پرچھائیاں نظر آنے لگیں۔

"کھٹمل کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ بیمار ہے لیکن اول خان جانتا ہے کہ وہ زخمی ہے۔ اس وقت چوہدری سلام گھر پر نہیں ہے....."

اکبر رانا نے میری بات درمیان سے اچک لی "میرا خیال ہے کہ میں نے جی ٹی روڈ پر سوہاوہ تک جس کار کا پیچھا کیا ہے' اس میں ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر وہ خود موجود تھا۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور چند ثانیوں تک دیکھتا ہی رہا۔

میری نظروں کی تاب نہ لاکر اس نے آہستگی سے اپنی نگاہیں جھکالیں۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے ذہن میں کوئی نئی بات آرہی

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

میں نے سلطان شاہ کی آواز سنی مگر میں بالکل خالی الذہن تھا۔ ذہن کے کسی گوشے میں کچھ گڈمڈ ہو رہا تھا جس کا خاکہ واضح نہیں تھا۔

یکایک میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا۔ نیویارک میں ڈیوڈ اسٹار ججمن فورٹ کا فورٹ ہاؤس بھی کسی قلعے سے کم نہیں تھا۔ کسی مسلح اجنبی کا وہاں گھسنا ناممکنات میں سے تھا لیکن ہم بلیک ڈیڈ کے آدمیوں کے پورے مسلح لشکر کے ساتھ اندر گھس کر اپنے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ وہاں سے ہمیں کسی قیدی کو لانے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ ہم نے اپنے ساتھ لائی ہوئی جارج شلز کی لاش بھی وہیں کہیں پھینک دی تھی۔

"کیا تم کسی طرح یہ تصدیق کر سکتے ہو کہ چوہدری سلام... تمہارے اندازے کے مطابق اس وقت کسی لمبے سفر پر نکلا ہوا ہے؟" میں نے اکبر رانا سے پوچھا۔

"شاید یہ اتنا مشکل کام ثابت نہیں ہوگا۔" اس نے نیم دلی سے جواب دیا۔

"کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟" میں نے اسے اکسایا اور اس نے کرسی چھوڑ دی۔

چوہدری سلام عرف ممو مستری کے پُرشکوہ گھر کا نمبر حاصل کرنے کے لیے اکبر رانا نے بھی اسی فیڈرل فون ڈائرکٹری کا سہارا لیا جو میں نے استعمال کی تھی۔

اکبر رانا کو یہ معلوم تھا کہ چوہدری سلام اس وقت اپنے گھر پر نہیں تھا۔ اسے صرف یہ جاننا تھا کہ وہ کب تک گھر سے باہر رہے گا۔

فون پر رابطہ ہوتے ہی اس نے پورے اعتماد سے بے دھڑک کہہ دیا "ریلوے کے ڈی ای صاحب چوہدری صاحب سے بات کرنی چاہتے ہیں...."

اکبر رانا نے چالاکی سے کام لیا تھا۔ اس نے کسی مخصوص عہدے یا عہدے دار کا نام لیے بغیر صرف ریلوے کے ڈویژنل انجینئر کا ذکر کیا تھا جب کہ ریلوے کے محکمے میں ہر ڈویژن کے مختلف شعبوں کے لیے متعدد ڈی ای پائے جاتے ہیں۔ چوہدری سلام واپس آکر بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کے کس مخصوص افسر نے فون کیا ہوگا۔

دوسری طرف سے مکالموں کے مختصر سے تبادلے کے بعد اکبر رانا نے بتایا کہ چوہدری سلام کسی اہم کام سے تھوڑی دیر پہلے گجرات کے لیے روانہ ہوا تھا۔ اگلے روز سے پہلے اس کی واپسی ممکن نہیں تھی۔

"پھر تم جلد از جلد کسی معتبر ادارے کی ایک ایمبولینس کا بندوبست کرو۔" میں نے کہا۔

"ایک کیا' میں ابھی فون کر کے کئی ایمبولینسیں منگوائے لیتا ہوں۔" اکبر رانا نے کہا۔

"نہیں' ایمبولینس مسروقہ ہونی ضروری ہے۔ دوسری صورت میں سارا عتاب ایمبولینس بھیجنے والے ادارے کے سر آجائے گا۔ ہمیں یہ کام الگ تھلگ رہ کر کرنا ہے۔"

اکبر رانا کا چہرہ گمبھیر ہو گیا مگر ایس ٹی ایف والوں کی لغت میں انکار کا لفظ نہیں تھا۔ حکم کی تعمیل کرو خواہ اس کوشش میں تمہاری جان ہی چلی جائے۔

یہی وہ جذبہ تھا جو کھٹمل اور چوہدری سلام جیسے لوگوں کی سازشوں کو کچلنے میں کام آتا رہا تھا اور اس وقت اکبر رانا اسی عزم کی علامت کے طور پر اٹھ کر گیا تھا۔

"تم نے آتے ہی اسے امتحان میں ڈال دیا ہے۔" اس کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے کہا۔

"وہ کیا' اس وقت ہم سب ہی ایک کڑے امتحان سے گزر رہے ہیں۔"

"مجھے کچھ تو بتاؤ کہ اب تم کیا کرنے جا رہے ہو۔" سلطان شاہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"مسروقہ ایمبولینس میں ہم چار افراد چوہدری سلام کے گھر جائیں گے۔ تم اور اکبر رانا اسٹریچر اٹھانے یا مردے ڈھونے والوں کا روپ دھاریں گے۔ میں ڈاکٹر کا بہروپ اختیار کروں گا۔ چوتھا آدمی اس ایمبولینس کا ڈرائیور ہوگا۔"

"اور وہاں جا کر ہم چوہدری سلام کے گھر والوں سے التجا کریں گے کہ وہ زخمی مجرم کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم اسے پوری احتیاط سے اپنے ساتھ لے جائیں۔"

"بالکل!" میں نے اس کے طنز سے محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"اور تمہارا خیال ہے کہ وہ ہماری اس فرمائش کو کسی چون و چرا کے بغیر پورا کر دیں گے؟"

"اگر ان میں شرافت کا ذرا بھی مادہ ہے تو انہیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔" میں نے اسے چڑانا شروع کر دیا۔

"فرض کرو کہ انہوں نے تمہاری بات ماننے سے انکار کر دیا تو کیا ہوگا؟" اس نے غصے کی رو میں پوچھا۔

"یہ فیصلہ وہیں اور اسی وقت کیا جائے گا۔ میں نے ڈاکٹر کا کردار اسی وجہ سے اپنے لیے مخصوص کیا ہے۔ تم انہیں سنبھال لو تو میں تمہارے حق میں مستعفی ہونے کو تیار ہوں۔"

"تمہیں شاید ابھی تک ان لوگوں کی بدمعاشی کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ انہیں ہم پر شبہ بھی ہو گیا تو وہاں ایک خون آشام فضا بن جائے گی۔"

"حالات بگڑنے سے پہلے ہی ہم خاموشی سے وہاں سے واپس لوٹ آئیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"اندر جانے کے بعد تم اپنی مرضی سے باہر نہیں آسکو گے۔ وہ

Downloaded from https://paksociety.com

نہ صرف ہمیں چھلنی کردیں گے بلکہ اپنے گھر میں ڈاکا زنی وغیرہ کی کوشش کا الزام بھی رکھ دیں گے۔ چوری کی ایمبولینس کی وجہ سے ہر ایک یقین کرلے گا کہ چاروں مرنے والے ڈاکو ہی تھے۔ تم آگ سے کھیلنے کی کوشش کررہے ہو۔"

"اگر کھٹمول کو سزایاب کرنا ہے تو یہ خطرات ہر قیمت پر مول لینے پڑیں گے۔" میں نے جواب دیا "تمہارے اطمینان کے لیے یہ کافی ہے کہ تم اکیلے وہاں نہیں جارہے' میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"ہمارے مقدر میں ایسی ہی گندی موت لکھ دی گئی ہے تو پھر یوں ہی سہی۔ تم میری بات لکھ کر رکھ لو کہ ہمارے تمام پس ماندگان غم سے اپنی چھاتیاں پیٹ پیٹ کر مرجائیں گے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ وہاں کھلا حملہ کردو۔ مارے گئے تو بعد میں کوئی ہمیں ڈاکو تو نہیں سمجھے گا۔"

"آدمی مرجاتا ہے تو اس کے لیے یہ دنیا کچھ نہیں رہتی۔ سارے رشتے اور جذبے منوں مٹی کے نیچے دب کر ہمیشہ کے لیے ختم ہوجاتے ہیں۔ یہ نہ سوچو کہ تمہارے مرنے کے بعد لوگ تمہارے بارے میں کیا سوچیں گے۔ بس اپنے ضمیر کو صاف رکھو اور اس کی آواز پر چلتے رہو۔ اس کے بعد جو ہونا ہے' ہونے دو۔"

"لوگ اپنی پہاڑ جیسی عمر محض ان کوششوں میں گزار دیتے ہیں کہ انہیں مرنے کے بعد اچھے نام سے یاد کیا جائے اور تم مجھے الٹی پٹی پڑھا رہے ہو۔ پتا نہیں اس وقت تمہیں کیا ہوگیا ہے۔"

"کوشش ہماری بھی اچھے انجام اور نتیجے کے لیے ہے۔ اس کا کوئی برا نتیجہ نکل آئے تو ہم کیا کرسکتے ہیں؟ چوہدری سلام اور اس کے آدمی ہم پر لاکھ الزام تراشیاں کرتے رہیں' ان کے دل گواہی دیں گے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ جو ہمیں جانتے ہیں' وہ ہمیں کبھی برا نہیں کہیں گے۔"

سلطان شاہ بھنّا کر اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں زیرِ لب مسکرا کر رہ گیا۔

خاصی دیر بعد وہ کمرے میں واپس آیا تو اس کے ساتھ اکبر رانا بھی چلا آرہا تھا۔

"مجھے ایمبولینس کے بندوبست کے لیے خاصا وقت دینا پڑا۔" اس نے آتے ہی معذرت کرتے ہوئے امید ظاہر کی "توقع ہے کہ کچھ دیر بعد پولی کلینک کی ایک ایمبولینس یہاں آجائے گی۔ اگر مزید تیاریوں کی ضرورت ہو تو وہ بھی بتادیں۔"

اس کے آخری فقرے سے ظاہر ہورہا تھا کہ سلطان شاہ نے میرے منصوبے کے خلاف اس کے کان بھرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اختصار سے جواب دیا "ایمبولینس کے عملے کے چار افراد کے لیے وردیوں وغیرہ کی ضرورت پڑے گی۔ آپریشن تھیٹر میں استعمال ہونے والے چار عدد نقاب بھی بہت ضروری ہیں۔"

"اکبر سے بھی اس بارے میں بات کرلو!" آخر سلطان شاہ سے نہ رہا گیا تو وہ بول ہی پڑا۔

"دراصل سلطان شاہ کے ذہن میں پوری کارروائی کا کوئی واضح خاکہ نہیں ہے۔" اکبر نے وضاحت کرکے سلطان شاہ کی زہر افشانی کی پول کھول دی "یہ چاہ رہا ہے کہ جانے سے پہلے ہم آپس میں ایک بار کھل کر تبادلۂ خیال کرلیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا۔

"نہیں' اگر آپ گمان کررہے ہیں تو کسی تبادلۂ خیال کی ضرورت نہیں۔ ہمیں موقع پر ہی ہر ہدایت ملتی رہے گی۔" اکبر رانا نے گڑبڑا کے کہا۔

اس کی بپھائی نے میرے تیور نرم کردیے اور میں نے کہا۔ "درحقیقت میرے ذہن میں بھی سب کچھ واضح نہیں ہے۔ وہاں جو کچھ ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔"

"وہ لوگ آسانی سے کھٹمول کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے۔" رانا بولا۔

"میں جانتا ہوں۔ ہم وہاں کوئی مطالبہ کرنے نہیں جارہے۔ انہیں بتائیں گے کہ چوہدری سلام نے فون پر ہمیں اپنے گھر سے ایک زخمی مریض کو اسپتال لے جانے کی ہدایت کی ہے کیونکہ مریض کے زخموں میں زہر پھیل رہا ہے جو متعدی بھی ہوسکتا ہے۔۔۔"

"میں سلطان شاہ سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ آپ کوئی کمزور منصوبہ نہیں بنا سکتے۔" میری بات سن کر رانا اچھل پڑا "چوہدری سلام کی ہدایت کا حوالہ ہی کم نہیں ہوگا۔ زخموں میں دوسروں کو لگنے والا زہر پھیلنے کی اطلاع انہیں حواس باختہ کردے گی۔"

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "ہم رات کے ایک ڈیڑھ بجے سے پہلے وہاں نہیں جاسکیں گے۔ کچی نیند سے بیداری کے دباؤ میں کوئی کچھ نہیں سوچ سکے گا۔"

"آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ میں باقی سامان کے لیے بھی کہے دیتا ہوں۔" وہ ایک مرتبہ پھر کمرا چھوڑ کر باہر نکلتا چلا گیا۔

"اس کے سامنے میرے خلاف زہر اگل کر تم نے کیا حاصل کیا؟" چند لمحوں بعد میں نے نرمی سے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"تم نے یہ باتیں پہلے ہی مجھے بتادی ہوتیں تو مجھے منہ کھولنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میرے کچھ بتانے سے پہلے ہی تم نے اپنے مفروضے بیان کرنے شروع کردیے اور میں ان کی تائید کرتا چلا گیا۔ تم نے پروگرام کے بارے میں پوچھا ہی کب تھا؟"

"چلو' اس طرح تم نے یہ تو دیکھ لیا کہ رانا تمہارا اندھا معتقد ہے۔ آخر تک تمہارا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔" اس نے ڈھٹائی سے اپنی خامی میں بھی خوبی کا ایک پہلو نکال لیا۔

منصوبے کی صحیح جزئیات معلوم ہونے کے بعد سلطان شاہ بھی

Downloaded from https://paksociety.com

زیادہ فعال ہوگیا۔ کچھ دیر بعد رانا اپنی گاڑی میں اس مہم کے لوازم لے کر آیا تو میں نے حلیوں میں تبدیلی کی ضرورت کا ذکر کیا۔ اس قسم کے شعبدے عمارت کے اگلے دفاتر میں موجود تھے۔

عینکوں اور گھنی مونچھوں کے استعمال نے ہمیں ایک دوسرے کے لیے بھی اجنبی بنا کر رکھ دیا۔ رانا کے بالائی لبوں پر مونچھیں پہلے سے موجود تھیں۔ اپنے حلیے کی تبدیلی کے لیے وہ ان کی قربانی دینے پر بھی آمادہ تھا مگر میں نے اسے روک دیا۔ میرے مشورے پر اس نے تھوڑی سی محنت کے بعد اپنے چہرے پر خشخشی داڑھی لگالی اور خاصا معتبر نظر آنے لگا۔

ایک بجے سے چند منٹ پہلے مسروقہ ایمبولینس خاموشی کے ساتھ احاطے میں پہنچ گئی۔ ان دنوں اسلام آباد میں پولیس کا کنٹرول اتنا سخت اور مؤثر ہوا کرتا تھا کہ وہاں جرم کرکے بچ نکلنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہوتے تھے۔ اس خوف یا امکان کی وجہ سے رانا نے ایسا اہتمام کیا تھا کہ کم از کم دو تین گھنٹوں تک اسپتال کی انتظامیہ کو ایمبولینس کی چوری کا علم نہ ہوسکے۔

مجھے توقع تھی کہ ایمبولینس لانے والا رانا کا ہم نام ہوگا جس نے ائرپورٹ پر ہمارا استقبال کیا تھا مگر وہ کوئی اور ثابت ہوا۔ رانا نے اپنے ہم نام کو چوہدری سلام کے گھر کے گرد پھیلی ہوئی مسلح نفری کو کنٹرول کرنے کی ذمے داری سونپی تھی۔

ان لوگوں کو بتا دیا گیا تھا کہ انہیں صرف اسی وقت ایکشن میں آنا تھا جب اندر سے گولی چلنے کی کوئی بھی آواز سنائی دے۔ وہ جس قماش کے لوگ تھے' ان سے یہ امید کی ہی نہیں جاسکتی تھی کہ وہ اپنے اشتعال کا پہلا مظاہرہ فائرنگ کی صورت میں نہ کریں۔

ایک بجے تک ہماری تیاریاں مکمل تھیں۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر فورٹ ہاؤس کا منظر گھوم رہا تھا۔ اسلام آباد میں واردات کے اسی طریقے کا ایک نیا استعمال ہونے والا تھا۔

رانا اور سلطان شاہ ایمبولینس کے عقبی حصے میں سوار ہوگئے۔ میں سفید کوٹ میں ملبوس' ایک میڈیکل بیگ کے ساتھ ڈرائیور کے برابر میں بیٹھ گیا اور ہمارا سفر شروع ہوگیا۔

دونوں بلاک ایک ہی تھے' بس سیکٹر ایک دوسرے سے متصل تھے۔ ہم ایمبولینس کا سائرن اور تیز گردشی روشنیاں بند کرکے ذرا سی دیر میں چوہدری سلام کے مکان کے بند پھاٹک پر پہنچ گئے۔ تیز ہیڈ لیمپس کی روشنی پھاٹک پر پڑ رہی تھی۔ میرے ایما پر ڈرائیور نے چھت پر لگی ہوئی سرخ اور زرد روشنیاں بھی آن کردیں۔

تیز انکاس کے ساتھ گھومنے والی ان روشنیوں کے آن ہوتے ہی ذیلی کھڑکی کھلی اور پھر بند ہوگئی۔ چوکی دار پھاٹک پر ایمبولینس دیکھ کر اس قدر وحشت زدہ ہوا تھا کہ اس نے باہر نکل کر ہم سے کوئی سوال کیے بغیر فوراً پھاٹک کھول دیا۔

ڈرائیور نے ایمبولینس اندر بڑھا کر روک لی۔ ساتھ ہی چھت والی روشنیاں بھی گل کردیں۔ چوکی دار پھاٹک کھلا چھوڑ کر تیزی سے میری طرف کی کھڑکی پر آیا۔

"مریض کہاں ہے؟" میں نے خشک لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"صاحب! مجھے نہیں پتا۔" مسلح چوکی دار نے تشویش اور.... بے بسی سے جواب دیا۔

"اندر کسی کے زخموں میں کیڑے پڑ گئے ہیں۔ چوہدری صاحب نے اسے اسپتال لے جانے کے لیے ہمیں بھیجا ہے۔" میں نے زہر کو کیڑوں میں تبدیل کرکے تحکمانہ لہجے میں کہا "جلدی اندر خبر کرو۔"

چوکی دار پھاٹک بند کرنے کے لیے مڑا۔ ڈرائیور ایمبولینس کو برآمدے تک بڑھاتا لے گیا۔

ایمبولینس کے رکنے تک وسیع اور ویران احاطے میں نہ جانے کہاں سے کئی مسلح افراد نکل آئے۔ شاید وہ سب ہی احاطے میں کسی انجن کی آواز سن کر بیدار ہوئے تھے۔

میں نے ڈرائیور کے ساتھ نیچے اترکر منہ پر نقاب اوڑھی اور اسٹیتھسکوپ گلے میں ڈال لیا۔ میرا رویہ آمرانہ تھا۔ جمع ہونے والے ڈرائیور سے پوچھ گچھ کرنے لگے۔ اسی اثنا میں عمارت کا عالی شان چوبی دروازہ کھلا اور سلیپنگ سوٹ پر گاؤن پہنے ایک بہت موٹا شخص نیند سے جھومتا ہوا باہر آگیا۔

مجھے توقع تھی کہ وہ اکھڑ لہجے میں بدتمیزی سے بات کرے گا لیکن اس نے اسٹیتھسکوپ سے مجھے ڈاکٹر سمجھ کر انگریزی میں کہا۔

"یہاں کوئی ایمرجنسی نہیں ہے۔ آپ لوگ کیوں آئے ہیں؟"

"ایمرجنسی نہیں ہے تو ہم چلے جاتے ہیں۔ کئی گھنٹے پہلے چوہدری صاحب نے فون کیا تھا کہ ان کے گھر میں کسی زخمی کا سپٹک ہونا شروع ہوگیا ہے۔ اسے اسپتال منتقل کردیا جائے۔" میں نے روکھے پھیکے انداز میں کہا "ایمبولینس میسر آتے ہی ہم پہنچ گئے۔"

"اوہ' ہاں۔" وہ شہادت کی انگلی اپنی پیشانی کے قریب لے جا کر بولا "ڈیڈی نے شاید کھٹوا انکل کے بارے میں فون کیا ہوگا۔ مگر انہوں نے سپٹک کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں بتایا۔"

میں پیش قدمی کرکے اس کے قریب پہنچ گیا اور قدرے رازدارانہ لہجے میں بولا "چوہدری صاحب سمجھ دار آدمی ہیں۔ انہیں کسی متعدی زہریاد کا خطرہ ہے۔ یہ بات کسی سے کہتے تو پورے گھر میں خوف وہراس پھیل جاتا.... اس وقت چوہدری صاحب خود کہاں ہیں؟"

"وہ ایک ضروری کام سے رات ہی گجرات گئے ہیں۔" وہ ہلکی سی جھرجھری لے کر بولا "بہرحال میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ انکل اس کمرے میں ہیں۔ آپ انہیں اسپتال لے جائیں۔"

اس نے جس دروازے کی طرف اشارہ کیا' وہ بند تھا۔ میں نے غیر ضروری طور پر اس سے کہا "یہ دروازہ کھلوادیں۔" پھر بات کو مزید آگے بڑھایا "مریض کی منتقلی کے بعد اس کے زیر استعمال

Downloaded from https://paksociety.com

ہر چادر اور تکیے کو جلوا دیں۔ کمرے کی جراثیم کش دواؤں سے صفائی بلکہ دھلائی ہونی ضروری ہے۔ ٹیٹنس کی یہ قسم بہت تیزی سے ایک سے دوسرے فرد تک پھیلتی ہے۔"

طبی معاملات میں اناڑی پاکر میں نے دانستہ اسے ہراساں کیا تھا تاکہ چوہدری سلام کو واپسی پر اپنے گھر کی چند قیمتی اشیا کی بربادی پر بھی سر پیٹنے کا موقع مل سکے۔

چوہدری کے موٹے بیٹے نے کراہت سے منہ بنا کر پھریری لی اور برآمدے کے سرے پر آکر نیچی آواز میں اپنے آدمیوں سے بولا۔ "تم لوگ ذرا دور ہی رہو۔ یہ لوگ انکل کو خود اسپتال لے جائیں گے۔"

ہمارے اردگرد منڈلاتے ہوئے سارے منحوس چہرے تیزی سے دور ہوتے چلے گئے۔

"آپ فکر نہ کریں۔" اس مرتبہ چھوٹا مگر موٹا چوہدری مجھ سے مخاطب تھا "میں ابھی نوکرانی سے دروازہ کھلواتا ہوں۔ میری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خرچے کا چیک میں صبح بھیج دوں گا اور آپ کے جاتے ہی اس کمرے کی ہر چیز کو آگ لگوا دوں گا۔ پتا نہیں جراثیم کہاں کہاں بیٹھ چکے ہوں۔"

میرا دل چاہا کہ اسے پورے مکان ہی کو آگ لگانے کا مشورہ دوں مگر یہ صائب مشورہ زبان پر لانا مناسب نہیں تھا۔ وہ رضاکارانہ طور پر جو کچھ کر رہا تھا' چوہدری کے اشتعال کے لیے وہی کافی تھا۔

رانا اور سلطان شاہ اپنے دہانوں پر سفید نقاب چڑھائے' ایمبولینس سے اسٹریچر باہر نکال چکے تھے۔ چھوٹا چوہدری چوبی دروازے کے پیچھے گھر میں غائب ہوگیا۔ دروازہ بند کرلیا گیا۔ چند ثانیوں بعد ایک موٹی اور بدصورت عورت نے کھوتل کی خواب گاہ کا دروازہ اندر سے کھول دیا۔

وہ ہمارے حلیوں کا ردِعمل تھا یا شاید اس عورت کو کھوتل میں چھوت سے جراثیم پیدا ہونے کی بھنک مل گئی تھی کہ اس نے ناک اور دہانے کو دوپٹے سے دبایا ہوا تھا۔

دروازہ کھول کر وہ عورت خود بھی کسی دوسرے دروازے سے اندر غائب ہوگئی۔ وہ دونوں اسٹریچر لے کر روشنی میں میرے سامنے سے گزرے تو مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ انہوں نے ایمبولینس سے اٹھا کر اپنے ہاتھوں پر باریک سرجیکل دستانے بھی چڑھا لیے تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے وہ انگلیوں کے نشانات چھوڑے بغیر من مانی کارروائیاں کرسکتے تھے۔

ان کے پیچھے میں کمرے میں داخل ہوا تو اس کی تزئین و آرائش دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ فرش پر دبیز قیمتی قالین سے مرصع چوبی مسہری تک ہر چیز پُرتعیش اور بیش قیمت تھی۔ بہت بڑی مسہری کے وسط میں ایک مختصر سا وجود یوں سکڑا ہوا سو رہا تھا جیسے اسے اسی حالت میں وہاں رکھ دیا گیا ہو۔ اس کی قمیص کی داہنی آستین غائب تھی اور کلائی سے شانے تک بھاری پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ وہ دونوں سرنج لے کر جوتوں سمیت مسہری پر چڑھ گئے۔

"سرنج میں موجود دوا کے بارے میں رانا ہی تھوڑا بہت جانتا تھا۔ وہ کھوتل کو کئی گھنٹوں کے لیے بے ہوش رکھنے کے لیے کافی تھی۔ بازو میں وہ انجکشن لگتے ہوئے اس نے ذرا بھی جنبش نہیں کی تو مجھے اندازہ ہوگیا کہ اپنی تکلیف کی وجہ سے وہ پہلے ہی مسکن دواؤں کے زیرِ اثر تھا۔

پلاسٹر میں مقید دونی بازو کی پروا کیے بغیر وہ دونوں اسے مسہری کے سرے تک لائے پھر اسے اٹھا کر اسٹریچر پر ڈال دیا۔

وہ ساری کارروائی چند منٹ میں پوری ہوگئی۔ مجھے کسی چیز کو چھونے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ہمارا سہ نفری کارواں اپنے شکار سمیت کمرے سے نکل آیا۔

گھر کا داخلی دروازہ بدستور بند تھا۔ چوہدری کے مال پر پلنے والے مسلح حرام خور دور کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسٹریچر کے ساتھ رانا اور سلطان شاہ اندر گھسے تو میں نے رانا کو اتار لیا تاکہ وہ ڈرائیونگ کیبن میں میرے ساتھ ہی بیٹھ سکے۔

اپنی مہم کا مشکل ترین مرحلہ سر کرنے کے بعد مجھے اچانک ہی خیال آیا تھا کہ ہم لوگوں نے کھوتل کے اغوا کے بعد کے بندوبست کے بارے میں ذرا بھی مشورہ نہیں کیا تھا۔

ہم جتنی آسانی سے چوہدری سلام کی کچھار میں داخل ہوئے تھے' اتنی ہی آسانی سے وہاں سے نکل کر تیزی سے ایک طرف روانہ ہوگئے۔

"یہاں تک سب کچھ طے تھا۔" گاڑی سڑک پر بائیں طرف رواں ہونے کے بعد میں نے رانا سے پوچھا "اب ہم کھوتل کو کہاں اور کیسے پہنچائیں گے؟"

روشن اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں مجھے اس کے ہونٹوں پر متکبرانہ مسکراہٹ نظر آئی اور وہ دھیرے سے بولا "سر! آپ نے اس مہم کا مشکل ترین مرحلہ سر کرادیا۔ اب ہر کام بہت سہل ہے۔ اس بارے میں ہم آدم خان کے آدمیوں سے مسلسل رابطے میں ہیں۔"

مجھے سرکہہ کر اس نے اس مرتبہ ضرورت سے زیادہ تکلف یا احترام کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ اپنے اندر کے جذبوں اور تربیت سے مجبور تھا۔ اسے ٹوکنا بے سود ہوتا۔ میں نے ایمبولینس کے راستے پر غور کرتے ہوئے پوچھا "اسلام آباد کی منصوبہ بندی مجھے بہت پسند ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسٹیشن نائن کے لیے ہمیں چوہدری سلام کے گھر سے نکل کر داہنی طرف مڑنا چاہیے تھا لیکن یہ سفر مخالف سمت میں جاری ہے۔ کیا ہم کہیں اور جارہے ہیں؟"

"آپ مسلسل مجھے حیران کیے جارہے ہیں۔ اتنا قریبی مشاہدہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ ہم اسٹیشن نائن کے بجائے جی ٹی روڈ کی طرف جارہے ہیں۔ وہاں پیرودھائی کیمپ کے بس اسٹینڈ کے قریب آدم خان کے آدمیوں کا امدادی کیمپ ہے' ہم وہیں جائیں

Downloaded from https://paksociety.com

گے۔"

ایمبولینس کا سائرن بند تھا۔ ٹریفک کے ہجوم کو خبردار کرنے اور چھت پر گھومنے والی تیز روشنیاں بھی بند تھیں۔ اکبر رانا کی کسی ہدایت کے بغیر ایمبولینس پہلے سے طے شدہ راستے پر دوڑی چلی جارہی تھی۔ چند ہی لمحوں میں' میں مضطرب ہوگیا۔

"کیا تم کھٹمل کو اسی ایمبولینس میں امدادی کیمپ تک لے جاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"اپنے شکار کو ان لوگوں کی تحویل میں دینے کے بعد ہم ایمبولینس پنڈی کے کسی حصے میں چھوڑ دیں گے۔" اس نے پورے اعتماد اور اطمینان سے جواب دیا۔

"ابھی ہم نے بہت کم فاصلہ طے کیا ہے مگر میں پولیس کی دو گشتی گاڑیاں دیکھ چکا ہوں۔ تم خود بھی اسلام آباد پولیس کی کارکردگی کے معترف ہو۔ کل صبح کھٹمل کے اغوا کا راز کھلتے ہی ایمبولینس کی ٹریکنگ شروع ہوگی اور پولیس امدادی کیمپ تک پہنچ جائے گی۔"

وہ تشویش میں پڑ گیا "یہ خطرہ واقعی موجود ہے۔ رازداری قائم رکھنے کے لیے ہماری ہر کوشش ناکام ہو جائے گی۔ شاہراہ کشمیر پر ویسے بھی رات کے وقت پولیس سڑکوں وغیرہ کو چیک کرتی رہتی ہے۔ وہ ہمیں نہیں روکیں گے مگر ہمارا راستہ ان کی نظروں میں آجائے گا۔"

وہ پریشان کن گفتگو سن کر ڈرائیور نے ازخود ایمبولینس کی رفتار کم کرلی۔

"گاڑی کا رخ کسی بالکل ہی مخالف سمت میں موڑ لو" میں نے اسے مشورہ دیا۔

ڈرائیور کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کا کمانڈر میرے مشورے سے اختلاف نہیں کرے گا۔ موڑ قریب ہی تھا۔ اس نے بریک لگاتے ہوئے گاڑی واپسی کے لیے موڑ لی۔

"انہیں الٹی راہ پر ڈالنے کے لیے اب کسی بھی محفوظ راستے سے جی ٹی روڈ کے لاہور جانے والے راستے پر نکل چلو۔" اکبر رانا نے ڈرائیور کو ہدایت کی پھر مجھ سے مخاطب ہوگیا "وہاں سے ہمیں کھٹمل کے لیے کوئی نہ کوئی متبادل بندوبست کرنا ہوگا۔"

"متبادل بندوبست تمہاری جیب میں موجود ہے۔ فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

میری بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ اس کے تحیر زدہ استفسار پر میں نے اسے موبائل فون یاد دلایا تو وہ بے اختیار اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر رہ گیا۔

"یہ کرتی ٹیلی فون کل ہی ملا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی عادت پڑے گی" یہ کہہ کر اس نے اپنی جیب سے موبائل فون نکالا اور اکبر سے گفتگو شروع کردی۔

وہ ایک ایسے ادارے کے ارکان تھے جس کے تشخص کا خود ان کو بھی علم نہیں تھا۔ اسی وجہ سے وہ آپس میں بیشتر گفتگو ایسے خفیہ الفاظ میں کرتے تھے جو کم از کم میرے پلے کبھی نہیں پڑ سکی تھی۔ وہ گفتگو ذرا سی دیر جاری رہی۔ فون بند کرتے ہی رانا کے دہانے سے اطمینان کا ایک لمبا سانس خارج ہوگیا۔

"ہمارے نکل آنے کے باوجود وہ لوگ ان ہی اطراف میں تھے" اس نے مجھے بتایا "میں نے ان سب کو ریلیز کردیا ہے۔ اکبر ایک آدمی کے ساتھ جی ٹی روڈ پر فوجی فاؤنڈیشن پر پہنچ رہا ہے۔ وہاں دو گاڑیاں آئیں گی تاکہ کھٹمل کی روانگی کے ساتھ ہم لوگوں کی واپسی بھی ممکن ہوسکے۔"

"پتا نہیں بعد میں کیا ہو۔ میں ایک مرتبہ کھٹمل کو غور سے ضرور دیکھنا چاہوں گا" میں نے خوش دلی سے کہا "ایسے نایاب مجرم کبھی کبھی ہی ہاتھ آتے ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ اس کی منتقلی کے لیے میں نے جو مقام سوچا ہے' وہاں ہم ایک گھنٹے تک بھی اس کا سروے کرتے رہیں تو کوئی دخل اندازی نہیں کرے گا۔"

"مجھے بس ایک ہی ڈر ہے" میں نے اپنے خدشے کا اظہار کیا "وہ پہلے سے خواب آور دواؤں کے زیر اثر تھا۔ تمہارا دیا ہوا انجکشن اس کے لیے ضرورت سے زیادہ نہ ہوگیا ہو۔"

"مجھے امید نہیں کہ قدرت نے اس جیسے خبیث کے حق میں بے خبری کی ایسی آسان موت لکھی ہوگی" اکبر رانا نے پہلی مرتبہ میری رائے سے اختلاف کیا اور میں اس کا شانہ تھپتھپا کر رہ گیا۔

محی الدین نواب کے نشترِ قلم سے ایک لازوال ناول

جذبات کی دُنیا میں زلزلے برپا کردینے والی معاشرتی و رومانی داستان

محبت کیا ہے؟ اس ناول میں آپ کو محبت کا صحیح فلسفہ ملے گا

دلِ پارہ پارہ

برائے راست منگوانے کا پتہ: قیمت: ۱۲۵ روپے

علی میاں پبلی کیشنز

۲۰ عزیز مارکیٹ، اُردو بازار۔ لاہور۔ فون: ۷۲۴۷۴۱۴

اسٹاکسٹ: علی بک اسٹال

نسبت روڈ، چوک میو اسپتال، لاہور۔ فون: ۷۲۲۳۸۵۳

اپنے ہاکر یا قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

سب کچھ ازسرِنو طے ہو چکا تھا اور ایمبولینس شہر سے نکل کر رات کی روشنی میں نہائی ہوئی کشادہ اور خوب صورت شاہراہ اسلام آباد پر دوڑی چلی جارہی تھی۔ اس سڑک پر ٹریفک پولیس کے کل وقتی گشت کے پیشِ نظر رانا نے ایمبولینس کی خوف آور گردشی روشنیاں آن کرادی تھیں تاکہ دیکھنے والے دور ہی سے کسی مداخلت کا ارادہ ترک کردیں۔

رانا نے اپنے ماتحت اکبر کو شاید بہت تیزی کے ساتھ طے شدہ مقام پر پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ اسی کے ساتھ ایمبولینس کی رفتار میں کچھ کمی واقع ہو چکی تھی۔ ان دو امور کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے پہنچنے کے چند منٹ بعد ہی دو گاڑیاں فوجی فاؤنڈیشن سے ذرا پہلے ایمبولینس کے قریب آرکیں۔

دو گاڑیوں کے ساتھ اکبر اور اس کے ایک ساتھی کی آمد کے بعد ہماری نفری چھ ہو چکی تھی۔ ساتواں کھٹول تھا۔ ساتوں کے لیے دو گاڑیاں بہت کافی تھیں۔

موٹے، سخت اور سفید پلاسٹر میں لپٹا ہوا کھٹول کا ہاتھ اس امر کا غماز تھا کہ اس نے حیدر آباد کے نواح میں رینگتی یا چلتی ٹرین سے چھلانگ لگا کر بہت خطرناک قدم اٹھایا تھا۔ اس جسارت کے نتیجے میں ہاتھ کی ہڈیوں کے بجائے اس کی گردن بھی ٹوٹ سکتی تھی۔

ایمبولینس کی ساری روشنیاں گل کردی گئی تھیں پھر بھی تاروں کی چھاؤں میں، میں نے اتنا ضرور دیکھا کہ اپنی نرم گفتاری اور تحمل مزاجی کی مطابقت سے وہ کوئی پُرشکوہ یا بارعب آدمی نہیں تھا۔ متوسط قدوقامت اور عام سے چہرے کی بنا پر کوئی بھی اس موذی کی حقیقی ہلاکت خیزی کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔

ایمبولینس کا ڈرائیور، اکبر اور اس کے ساتھی سمیت اس گاڑی میں سوار ہوگیا جس کی عقبی نشست پر بے ہوش و لاچار کھٹول پڑا ہوا تھا۔ وہ غدار اور خطرناک شخص اس وقت پوری طرح ہمارے رحم وکرم پر تھا۔ ہم میں سے کوئی بھی اس کی گردن دبوچ کر اسے موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا مگر وہ مضبوط سیاسی روابط اور پشت پناہی بھی رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ ایسی کوئی فوری واردات بہت سے نقصانات پہنچا سکتی تھی۔

سلطان شاہ نے تو اس مرحلے پر دانت پیس کر اسے مار ڈالنے کا مشورہ دے ہی ڈالا تھا مگر میں نے سختی سے اسے مسترد کردیا۔ آنے والے دو تین روز میں اس کے خلاف فضا سازگار کرنے کے بعد ہی اس کے بارے میں کوئی صحیح فیصلہ کیا جاسکتا تھا۔

رانا کے آدمی ایک گاڑی میں اسے لے کر واپس پنڈی کے راستے اس امدادی کیمپ کی طرف روانہ ہوگئے جہاں سے آدم خان کے آدمی پوری رازداری کے ساتھ اسے ملک کی قانونی حدود سے باہر نکال لے جاتے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ آزاد قبائلی علاقے پاکستان کی جغرافیائی حدود میں واقع ہیں، پاکستان کی اسمبلی میں بھی ان علاقوں کی قابلِ لحاظ نمائندگی ہے مگر ان علاقوں میں پاکستان کا قانون اور خاص طور پر تعزیری قانون لاگو نہیں ہوتا۔ آزاد علاقوں کے مسلح قبائلی اپنی صدیوں پرانی رسوم و روایات کے سائے میں زندگی گزارتے ہیں۔ جسے وہ امان دے دیں، کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ ہاں، وہ خود ہی کسی کو مجرم قرار دے کر پاکستانی حکام کے حوالے کردیں تو وہ دیگر بات ہوتی ہے جس کا قانونی دباؤ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

دوسری گاڑی میں ہم تینوں سوار تھے۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر کمانڈر اکبر رانا خود براجمان تھا۔ اگلی گاڑی کی واپسی کے چند منٹ بعد رانا نے بھی واپسی کا سفر شروع کردیا۔

"ہوش میں آتے ہی اس حرام زادے کے ہوش اڑ جائیں گے۔" راستے میں سلطان شاہ نے کہا۔ معلوم ہورہا تھا کہ وہ کھٹول کی طرف سے دل ہی دل میں پیچ وتاب کھا رہا تھا۔

"تم اس کی طرف سے زیادہ بدظن اور بے زار معلوم ہورہے ہو؟" سلطان شاہ کے جلے کٹے تبصرے پر اکبر بے ساختہ ہنس پڑا۔

"اس کی وجہ ہے۔" میں نے اسے بتایا "اول خان کے ساتھ یہ بھی حیدر آباد ریلوے اسٹیشن پر کھٹول کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ آخری لمحات پر وہ نظر آیا تو ٹرین رینگ رہی تھی۔ کھٹول بھاگ کر رینگتی ہوئی ٹرین پر چڑھ گیا۔ اول خان نے بھی لپک کر دوسرا ڈبا پکڑلیا۔ سلطان شاہ وہیں پلیٹ فارم پر اپنا خون سلگا تا رہ گیا۔"

"سلطان شاہ کا غصہ قابلِ فہم ہے۔" اکبر رانا نے کہا "ٹرین میں اگر یہ دونوں سوار ہوجاتے تو کھٹول کو شاید چلتی ٹرین سے کود کر فرار ہونے کا موقع نہ ملتا۔ جب وہ دونوں چلتی ٹرین میں سوار ہوگئے تھے تو تم اتنی ہمت کیوں نہیں کرسکے؟"

میں نے سلطان شاہ کی پیشاب کی بے وقت ضرورت کا ذکر دانستہ نہیں کیا۔ اس نے خود ہی وضاحت کی "بس کسی وجہ سے میں اول خان سے کافی دور تھا۔ میرے پہنچنے تک ٹرین خطرناک رفتار پکڑ چکی تھی ورنہ یہ قصہ حیدر آباد اور شہداد پور کے درمیان ہی نمٹ گیا ہوتا۔"

رانا کو کھٹول کے بارے میں بہت کچھ معلوم تھا لیکن اسے یہ علم نہیں تھا کہ وہ کراچی سے کن حالات کے تحت فرار ہوکر مدد حاصل کرنے کے لیے اسلام آباد پہنچا تھا۔ بات چھڑی تو اس کی طرف سے سوالات کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا اور میں نے کسی پس وپیش کے بغیر اس کو حقائق سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔ وہ ایس ٹی ایف کا ایک قابلِ اعتماد افسر تھا، اپنے یونٹ کے ذریعے ایک ایمبولینس اور پھر کھٹول کے اغوا کے بعد پوری طرح اس سنگین صورتِ حال میں ملوث ہو چکا تھا۔ پوری طرح باخبر ہونے کے بعد ہی وہ ہمارے لیے زیادہ کارآمد ثابت ہوسکتا تھا۔

اسٹیشن نائن پہنچنے تک وہ میرے بارے میں بے تکلفی کے حصار سے نکل چکا تھا۔ وہاں ہمارے ساتھ چائے نوشی کے دوران میں ہی اس نے کراچی فون کرکے اول خان کو اپنی کارکردگی سے باخبر کیا۔ اس کی گفتگو مکمل ہونے کے بعد ریسیور میرے پاس آگیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"تم نے وہاں پہنچتے ہی اپنے کمالات کا مظاہرہ شروع کردیا۔" اس کی خوشی سے بھرپور آواز میرے کانوں میں آئی "رانا تم سے بہت زیادہ متاثر ہوچکا ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ یہ معاملہ آج رات ہی نمٹ گیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ چوہدری سلام گجرات سے واپسی پر کیا طوفان اٹھاتا ہے۔ اپنے گھر کی آگ اسے پاگل کردے گی۔" میں نے اس کے تعریفی فقروں کو یکسر نظرانداز کرکے ایک نئی بات چھیڑدی۔

"چوہدری سلام مشکوک ذرائع آمدنی کا مالک ہے اور اس کی شہرت بھی بہت خراب ہے۔ یوں سمجھ لو کہ وہ اپنے علاقے کا سفید پوش بدمعاش ہے۔ رانا بتارہا ہے کہ وہاں پوری کارروائی مفاہمانہ انداز میں مکمل ہوئی تھی پھر تم کس آگ کا ذکر کررہے ہو؟"

"چوہدری سلام کے بیٹے کو ہم اس وہم میں ڈال آئے ہیں کہ کھٹمل کے ڈنموں میں چھوت چھات سے پھیلنے والے خوفناک جراثیم پیدا ہوچکے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کے باپ نے مکمل خاموشی اور رازداری سے کھٹمل کو اپنے گھر سے اسپتال بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے...."

"شاید تم رانا کے کوڈورڈز نہیں سمجھ سکے۔ اس نے مختصر اور جامع انداز میں یہ سب مجھے بتادیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس کے گھر میں آگ کا کیا قصہ ہے۔"

"میں اسی طرف آرہا تھا۔ چوہدری سلام نے کھٹمل کو اپنے شاندار گیسٹ روم میں ٹھہرایا ہوا تھا جس کی شاہانہ آرائش بیش قیمت فرنیچر اور دیگر سامان سے کی گئی ہے۔ چوہدری کے بیٹے نے روپوش جراثیم سے دہشت زدہ ہوکر اس کمرے کا سارا سامان نذرِ آتش کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے تاکہ وہ اپنے گھر والوں کو کھٹمل کے جراثیم سے بچاسکے۔"

اول خان زور سے ہنس پڑا۔ "توپوں کہو کہ تم نے چوہدری کے گھر کو اسی کے چراغ بلکہ چشم وچراغ سے آگ لگوانے کا پورا پورا بندوبست کرلیا ہے۔ وہ اپنے بال نوچ کر رہ جائے گا۔"

"اس کا بیٹا اپنے ارادے کو اسی وقت عملی جامہ پہنانے کے موڈ میں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اب تک یہ عمل شروع ہوچکا ہو۔ اس بارے میں وہ فون پر اپنے باپ سے مشورہ کرنے کی زحمت بھی نہیں کرے گا۔ چوہدری سلام کو گجرات سے واپسی پر اس دہری بربادی کا علم ہوگا۔ بس دعائیں کرتے رہو۔ صبح یہاں کے حالات دیکھنے کے بعد ہی میں واپسی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرسکوں گا۔" میں نے کہا۔

"میرا مشورہ ہے کہ فی الحال تم وہیں ٹھہرو۔ ہوسکتا ہے کھٹمل کے اغوا کے بارے میں ہماری پوزیشن صاف ہونے کے باوجود حالات اس حد تک سازگار نہ ہوسکیں کہ اسے پاکستان واپس لایا جاسکے۔ چوہدری سلام بہت بڑا سیاسی فتنہ ہے۔ وہ بہت سوں کو ہلا کر رکھ دے گا۔ ایسی صورت میں تمہیں کھٹمل سے بات چیت اور آخری فیصلے کے لیے آزاد علاقے کا سفر کرنا پڑے گا۔"

"کل کی کل دیکھی جائے گی۔ اب نیند آنے لگی ہے۔" میں نے کسل مندی سے کہا۔

"بڑے شکار کے بعد عام طور پر ایسی ہی گہری نیند آتی ہے۔ اسے گرفت میں لے کر تم نے مجھے اپنے ضمیر کی ایک گہری خلش سے بچالیا ہے۔ فی امان اللہ۔"

لائن بے جان ہوگئی۔ سلطان شاہ احمقانہ انداز میں میرا منہ دیکھ رہا تھا۔

○☆○

ہم اسٹیشن نائن کے ہی عقبی حصے میں مقیم تھے اس لیے ہماری پل پل کی مصروفیات کی خبریں رانا تک پہنچتی رہیں۔ ہم دونوں تازہ دم ہوکر ناشتے کے لیے مختصر سی گول میز کے گرد بیٹھے تو اس پر کئی تازہ اخبارات موجود تھے۔

صفحہ اول کے اوپر نصف حصے کی چنگھاڑتی ہوئی عالمی اور سیاسی سرخیوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے اخبار پلٹا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پہلے صفحے کے نچلے حصے میں امریکیوں کی طرف سے میرے خلاف چوتھائی صفحے کا نمایاں اشتہار پھر موجود تھا۔

یہ دیکھ کر میرا دل دھک سے رہ گیا کہ اشتہار کے جلی متن کے درمیان ایک قلمی خاکہ بھی موجود تھا مگر دوسری نگاہ میں میرا ہر خوف رفع ہوگیا۔

وہ قلمی خاکہ میرے ہی نام سے معنون کیا گیا تھا لیکن اس میں دور دور تک میری کوئی شباہت نہیں تھی۔ بے اختیار میرا دل جینی کے لیے ممنونیت کے جذبات سے لبریز ہوگیا۔

یوں تو اس وقت کی پوری ہی امریکی انتظامیہ میرے لہو کی پیاسی تھی لیکن انفرادی سطح پر آنرک بیل میرا اکلوتا بدترین دشمن تھا جو اپنی خوش قسمتی سے زندہ اور امریکا کی فیڈرل ایجنسیوں کی تحویل میں تھا۔ اس سے بس ایک بار ہی میرا آمنا سامنا ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔ میں ویرا کے ایما پر اسٹیشنری فراہم کرنے والی ایک فرم کے نمائندے کے بہروپ میں خوب صورت وخوش گفتار جینی کے دفتر میں اس کی میز پر بیٹھا ہوا تھا کہ جینی اور رنگس کا سربراہ آنرک بیل اچانک ہی اس کے دفتر میں آگیا تھا۔ غنیمت ہوا کہ میں اس کی شناسا آواز سن کر ہی اپنی جگہ منجمد ہوکر رہ گیا تھا ورنہ اس روز وہ نہ صرف مجھے دیکھ لیتا بلکہ پہچان لینے کی صورت میں اسی دن اور اسی لمحے میرا کام تمام کرسکتا تھا۔

اس سے بارہا فون پر میری تلخ کلامیاں ہوتی رہیں لیکن وہ میری شناخت کے بارے میں امریکی حکام کی کوئی بھی مدد کرنے سے قاصر تھا۔ امریکی صرف دو ہی افراد سے میرے خاکوں کے بارے میں مدد لے سکتے تھے۔ ان میں سے ایک بلیک ڈیڈ تھا جو سخت جان ہی نہیں' ضدی بھی تھا۔

میں نے اس مخلص اور بے خوف دوست کو آخری لمحات پر اپنی مجبوریوں کے تحت داؤ پر لگاکر امریکا کو خیرباد کہا تھا لیکن اس بے چارے کو آخر تک علم نہیں ہوسکا تھا کہ میرے فرار کے بعد وہ کیسی

Downloaded from https://paksociety.com

بھیانک پریشانیوں کی دلدل میں دھنسنے والا تھا۔ اپنے بارے میں اس کی والہانہ پسندیدگی کے پیشِ نظر مجھے پورا یقین تھا کہ بلیک ڈیڈ نامی وہ سیاہ فام امریکی مرکز بھی میرے بارے میں ایک لفظ اپنی زبان پر نہیں لائے گا۔ وہ امریکا میں میرا سب سے بڑا دوست اور ہمدرد ثابت ہوا تھا۔ میری شکل وصورت سے بالکل متضاد نوعیت کا وہ مطبوعہ خاکہ چیخ چیخ کر اعلان کررہا تھا کہ بلیک ڈیڈ نے میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی تھی' اپنی زبان کو تالا لگالیا تھا۔

وہ خاکہ بالکل غلط اور گمراہ کن تھا۔ امریکی حکام نے اسے پورے اعتماد سے میرا اسکیچ سمجھ کر اس مہنگے اشتہار میں شامل کیا تھا۔ وہ خاکہ یقینی طور پر کسی ایسے شخص کی مدد سے تیار کیا گیا تھا جس پر امریکیوں کو پورا پورا اعتبار تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس شخص کے دل کے کسی گوشے میں میرے لیے ہمدردی کی کوئی بھی رمق موجود ہوگی۔

اس وقت نیویارک میں ایسی ذات صرف ایک ہی تھی اور وہ پیاری اور گدازی جینی تھی۔

میں اسے ملاقات کے دھوکے میں رکھ کر' بتائے بغیر امریکا سے بھاگ نکلا تھا۔ اس کے لیے وہ صدمہ ناقابلِ برداشت تھا کہ اس کے خلوت کے ایک ساتھی نے اتنی آسانی اور بے رخی سے اسے فراموش کردیا تھا۔ غصے اور انتقام کے ابلتے ہوئے جذبات میں آکر اس نے از خود نیویارک کے پولیس چیف کو میری اور ویرا کی امریکا میں موجودگی کے بارے میں سب کچھ بتادیا تھا۔

ویرا نے خود ہی مجھے جینی سے متعارف کرایا تھا۔ جینی بہت دلکش شخصیت اور من موہنی شکل وصورت کی مالک تھی۔ اس کی خوش کلامی اور پھرزرا سی آزاد خیالی نے ہمیں رنگس کے دفتر سے جینی کے گھر اور پھر اس کی خواب گاہ تک پہنچادیا۔ ویرا کو اندرون خانہ پروان چڑھنے والی اس روداد کی بھنک بھی نہیں ملی تھی لیکن اس کی چھٹی حس نے اسے جینی سے حسدور قابت میں اس حد تک مبتلا کردیا کہ وہ میری زبان سے جینی کا نام تک سننے کی روادار نہ رہی۔

ویرا کی اس خود غرضی کے باوجود شاید میرے ستارے یاور تھے کہ میں نے چند روز پہلے کراچی سے جینی کو فون کرڈالا۔ مجھے امریکا میں اس لڑکی کی اہمیت کا صحیح اندازہ تھا۔ اس کی رفاقت میں گزارا ہوا وقت میرے لیے ماضی کا ایک اثاثہ ضرور تھا پھر بھی میں نے نہایت منافقت اور ریاکاری سے کام لیتے ہوئے اسے بہت سی بے بنیاد یقین دہانیاں کراتے ہوئے یہ باور کرادیا کہ میں درحقیقت ویرا کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور تھا۔ اسی نے مجھ کو جینی سے ملے بغیر امریکا سے نکل جانے پر مجبور کیا تھا۔

جینی نے اسی وقت مجھے بتادیا تھا کہ امریکی حکام اس کی مدد سے میرے خاکے بنوانے کی تیاریاں کررہے تھے۔ میں نے فون پر اس کی ہمدردیاں جیت کر مستقبل کے لیے کچھ دل فریب وعدے کئے تھے اور سادہ لوح جینی میرے جال میں آگئی تھی۔ اشتہار میں موجود گمراہ کن خاکے سے میری ذات کے لیے جینی کی تمام ہمدردیاں جھلک رہی تھیں۔ اس امریکی لڑکی نے مجھ سے فریب کھانے کے بعد بھی میرے اوپر ایک بہت بڑا احسان کیا تھا جس کا بوجھ میں عمر بھر نہیں اتار سکتا تھا۔

جینی اور بلیک ڈیڈ۔ بلیک ڈیڈ اور جینی! وہ اشتہار میری نظروں کے سامنے دھندلانے لگا۔ مجھے اس میں بس وہی دونوں چہرے اپنی بدلتی ہوئی طنزیہ' مزاحیہ' دوستانہ اور بے تکلفانہ مسکراہٹوں کے ساتھ نظر آرہے تھے۔

اپنی دانست میں' میں امریکیوں سے لڑرہا تھا۔ وہ میرے خون کے پیاسے تھے اور میں ان کی جانوں کا خواہاں تھا لیکن خود فراموشی اور احسان مندی کے ان نازک لمحات میں یکایک مجھے ادراک ہوا کہ میری اصل لڑائی عام امریکیوں سے نہیں تھی۔ ان میں سے بیشتر سادہ لوح' فراخ دل اور کھلے دل کے مالک تھے۔ میری اصل لڑائی امریکی حکومت اور اس کے اہل کاروں سے تھی۔

وہ بے گناہ اور کمزور قوموں کا لہو پی جانے والے درندوں کا ایک منظم غول تھا جس کی سربراہی راشنگٹن کے وائٹ ہاؤس میں بیٹھا ہوا صدر کرتا تھا۔ اس کا کھلا ثبوت گیپ کے مستند اور اصل کاغذوں کی صورت میں میرے اور اول خان کے ہاتھوں سے گزرتا ہوا منزلِ مقصود پر پہنچ چکا تھا۔

امریکی قوم کی واحد اور سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ شباب اقتدار کے نشے میں بدمست حکمراں ان ہی کے دیے ہوئے اقتدار اور اختیار کے ذریعے کبر ونخوت کے ساتھ' من مانے انداز میں لوگوں کو روند رہے تھے اور وہ خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔

میرے خلاف امریکیوں کا وہ اشتہار بالکل نیا اور تازہ تھا۔ انعام کی رقم بیس لاکھ ڈالر ہی تھی مگر خاکے کی اشاعت کے ذریعے میری تلاش کا کام آسان بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ میری ذات پر امریکیوں کے روایتی الزامات کی فہرست میں کھٹمل کی بدولت کچھ ایسے مواد کا اضافہ بھی کردیا گیا تھا جس کی بنا پر بہت سے بے خبر پاکستانی بھی مجھ سے متنفر ہوسکتے تھے۔

اشتہار کی رو سے میں کراچی کے ایک معزز اور معتبر شہری کے گھر ہونے والی تقریب میں ڈکیتی اور قتل کے الزامات میں پولیس کو مطلوب تھا۔ اشتہار میں بس کھٹمل کا نام نہیں تھا ورنہ متعلقہ تھانے میں اس کی درج کرائی ہوئی ایف آئی آر کا پورا حوالہ موجود تھا۔

کھٹمل نے اپنے گھر پر رقص وموسیقی کی محفل سجا کر بالم اور جانی کے ذریعے ہمارے نادرہ والے فلیٹ پر لشکر کشی کا جو منصوبہ بنایا تھا' وہ بہت قلیل سی مدت میں بے نقاب ہوچکا تھا۔

اگر وہ خوں خوار غنڈے اپنے حملے میں ہم لوگوں کو اور بطور خاص مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب ہوجاتے تو امریکیوں کا مقصد اسی مرحلے پر پورا ہوجاتا لیکن اول خان کے آدمیوں کی مسلسل خبرگیری کی وجہ سے کھٹمل اپنے چھ آدمی گنوا کر بھی کچھ حاصل نہ کرسکا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اپنے گھر پر دشمن کے ناکام قاتلانہ شب خون کے بعد کھٹمل کی تقریب پر جوابی وار کرنے کا ہمارا فیصلہ قطعی اضطراری تھا جس میں پیشگی منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ شاید اس واردات کے بعد بھی کھٹمل یہ نہ سوچ سکا ہوگا کہ اس کے گھر میں ہونے والی تقریب پر ہماری طرف سے حملہ کیا گیا ہوگا۔

یقینی طور پر یہ امریکی سفارت کاروں کے روپ میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے کے ایجنٹوں کی ذہنی ندرت تھی کہ انہوں نے کھٹمل کو اس واردات کی ایف آئی آر میں بلا سوچے سمجھے میرا نام ڈالنے کی ہدایت دے ڈالی تھی۔ اپنی اس حرکت کے ذریعے وہ میرا نام سرکاری ریکارڈ پر لے آئے تھے اور محض دو دن گزرنے کے بعد ہی انہوں نے اس اشتہار میں مذکورہ ایف آئی آر سے فائدہ اٹھا ڈالا تھا۔

"ملزموں یا مجرموں کے خاکے مشابہت کے کسی یقین کے بعد جاری کرائے جاتے ہیں۔" سلطان شاہ نے اپنے ہاتھ میں موجود دوسرے اخبار میں چھپے ہوئے اشتہار کا جائزہ لے کر کہا "اس انعامی خاکے میں تو تمہارے چہرے کی ساخت ہی بدل کر رکھ دی گئی ہے۔"

"یہ اس پیاری سی امریکی لڑکی کا کمال ہے جس نے ہمارے فرار کے بعد نیویارک کے پولیس چیف کو میرے اور ویرا کے بارے میں رضاکارانہ طور پر سب کچھ بتا ڈالا تھا۔" میں نے اسے بتایا۔

"جینی نامی اس آوارہ لڑکی کے بارے میں ویرا مجھے بہت کچھ بتا چکی ہے۔" اس نے منہ بنا کر کہا "وہ پڑھ لکھ کر معاشرے میں ایک باعزت مقام حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہوگئی لیکن چڑھتی جوانی کی بے راہ روی ابھی تک اس کی ذات میں گھر کئے بیٹھی ہے...."

میں نے تحیرزدہ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "میری آمد کے بعد تم مسلسل ویرا سے لڑتے رہے ہو۔ یہ ساری خرافات اس نے تمہیں کب سنا ڈالیں؟"

"یہ میرا اور ویرا کا معاملہ ہے۔ یہ جینی تم پر اتنی مہربان کیوں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں نے اسے امید دلائی ہے کہ میں جلد ہی امریکا جاؤں گا یا دنیا کے کسی اور ملک میں تفریح کے لیے اسے مدعو کروں گا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ جینی سے میرے خاکے میں مدد ضرور لیں گے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں قدم قدم پر ایسی مرمٹنے والی لڑکیاں کیسے مل جاتی ہیں؟" بہتیرے لوگ اسی کوشش میں پوری عمر گزار دیتے ہیں لیکن انہیں ایک لڑکی بھی نہیں ملتی۔"

"ایسی طفلانہ باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔" میں نے اسے ہلکی سی سرزنش کی "کبھی کسی لڑکی سے چھیڑ چھاڑ کر کے دیکھو، تمہاری ٹانٹ پر ایک بال بھی باقی نہیں رہے گا۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں کہ تمہیں ہر جگہ حسینائیں کیسے مل جاتی ہیں؟" اسے میری ہی بات سے ایک دلیل مل گئی۔

"تم کن حسینوں کی بات کر رہے ہو؟" میں نے اسے گھور کر پوچھا۔

"ایک ہو تو بتاؤں، یہاں تو لائن لگی ہوئی ہے۔" وہ میری نگاہوں سے مرعوب ہوئے بغیر بولا۔

"ذرا تمہاری زبان سے چند نام میں بھی تو سنوں۔" میں نے تلخی سے اصرار کیا۔

"غزالہ سے تم شادی کئے بیٹھے ہو اس لیے وہ اس گنتی سے باہر ہے۔" اس نے بائیں ہاتھ سے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلی تھام کر گنتی شروع کرائی "ویرا ایسی جان کو آئی ہے کہ آج تک گلے کا ہار بنی ہوئی ہے، سلمیٰ سے تم خود ہر وقت خوف زدہ رہتے ہو.... بیچ کی گنتی کو چھوڑ بھی دو تو نادرہ عرف کل کی سی بات ہے اور اب جینی سامنے آئی ہے۔ اشتہار میں چھپے ہوئے اس بے سروپا خاکے کے بعد یہ بات ہر شک و شبے سے بالا ہے کہ وہ بھی تمہاری دیوانی ہے۔"

اس نے مجھے لاجواب کرنے کی سرتوڑ کوشش کی تھی مگر میں نے کسی خفت کے بغیر گہری سنجیدگی سے کہا "میری ایک بات گرہ سے باندھ لو کہ عورتیں یا لڑکیاں جنگلی بیری کا پھل نہیں ہوتیں کہ جس نے جب چاہا، پتھر مار کر انہیں اپنی گود میں گرا لیا۔ تم نے ابھی جتنے نام گنوائے، ان میں سے کوئی بھی قدم قدم پر ملنے والی لڑکی یا عورت شمار نہیں کی جاسکتی۔ ہر ایک سے پہلے کوئی نہ کوئی تعارف یا رابطہ ہوا اور پھر بات ذرا آگے بڑھ گئی۔ جینی میری نہیں، ویرا کی پرانی اور گہری دوست ہے۔ ویرا نے ہی مجھے اس سے ملاقات کے لیے بھیجا تھا۔"

"وہ اس گھڑی کو کوس رہی تھی جب اس نے وہ غلط فیصلہ کیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ تم نے کراچی آتے ہی اسے فون کر ڈالا تھا۔" سلطان شاہ نے انکشاف کیا۔

"لعنت ہے ویرا کی کھوپڑی پر۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "میں نے اسے فون نہ کیا ہوتا تو آج اس اشتہار میں میرا ایسا بھرپور خاکہ شائع ہوا ہوتا کہ مجھے کہیں چھپنے کی جگہ نہ ملتی۔"

وہ گفتگو وہیں ختم ہوگئی۔ ملازم ناشتا لے آیا تھا اور اسی کے پیچھے پیچھے رانا اپنے دفتری لباس میں چلا آرہا تھا۔ اس کے لبوں پر عجیب سا فاتحانہ تبسم رقصاں تھا۔

سلطان شاہ نے میز پر پھیلے ہوئے اخبارات سمیٹ کر ایک خالی کرسی پر ڈال دیے۔ ملازم میز پر ناشتا لگانے لگا۔ رانا نے ہم دونوں سے ہاتھ ملا کر چوتھی خالی کرسی سنبھالی۔

"مبارک ہو، آج پھر تمہارے بارے میں بڑے بڑے اشتہار چھپے ہیں۔" ملازم کے چلے جانے کے بعد رانا نے شوخ لہجے میں کہا۔ "تمہارے بارے میں امریکی کچھ اعصاب زدہ سے ہوگئے ہیں۔"

"تم مبارک باد دے رہے ہو!" سلطان شاہ نے متعجبانہ لہجے میں کہا "میرے لیے تو یہ سخت تشویش کی بات ہے کہ ڈینی کے دشمن

Downloaded from https://paksociety.com

دوبارہ ضرورت سے زیادہ سرگرم ہو رہے ہیں۔"

"لیکن وہ غلط راہ پر چل رہے ہیں۔" رانا مسکرا کے بولا "تم نے خاکے پر غور نہیں کیا۔ اب ڈینی خود بھی گرفتاری پیش کرنا چاہیں تو انہیں ناکامی ہوگی۔ تازہ اشتہار کے بعد کوئی ہوش مند آدمی انہیں ڈینی تسلیم نہیں کرے گا۔"

"خوش فہمی شاید اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی بنیادی کمزوری ہے۔" سلطان شاہ نے ٹوسٹ پر ہلکا سا مکھن لگاتے ہوئے جواب دیا "تم لوگ ہر بری خبر میں بھی اچھائی کا کوئی نہ کوئی پہلو تلاش کر لیتے ہو۔ یہی مرض اول خان کو لاحق ہے۔"

اس نے قہقہہ لگا کر سلطان شاہ کے طنز کو سراہا پھر بولا "تم نے اخبار تو دیکھ ہی لیا ہوگا؟"

"ابھی اشتہار سے آگے بڑھنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ تم آ گئے۔" میں نے کہا۔

"چوہدری سلام کے بیٹے نے وہم میں پڑ کر کھٹمول کے کمرے کے سارے سامان کو رات ہی آگ لگوا دی۔ دیکھنا ہوگا کہ اس کا باپ واپس آ کر کیا کرتا ہے۔"

"تو کیا پورا واقعہ اخبارات میں آچکا ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"کم تعداد میں چھپنے والے اخبار ذرا دیر سے پریس جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک اخبار میں یہ دلچسپ خبر آئی ہے۔ ایف سیون سے کئی لوگوں نے پولیس اور فائر اسٹیشن فون کر کے چوہدری سلام کی کوٹھی میں آگ لگنے کی خبر دی۔ وہاں سے بلند شعلوں کے ساتھ دھواں اٹھ رہا تھا۔" وہ چائے نوشی کے دوران میں مزے لے لے کر بتانے لگا "معاملہ چوہدری سلام کے گھر کا تھا۔ ذرا سی دیر میں کئی گاڑیاں وہاں پہنچ گئیں۔ اندر واقعی زوردار آگ لگی ہوئی تھی۔ ملازمین نے بتایا کہ وہ چھوٹے چوہدری کے حکم پر گھر کا کچھ غیر ضروری سازوسامان جلا رہے تھے۔"

"ان سے پوچھا نہیں گیا کہ اس روی کام کے لیے وہ دن طلوع ہونے کا انتظار نہیں کر سکتے تھے؟" رانا کے خاموش ہوتے ہی سلطان شاہ پوچھ بیٹھا۔

"ضرور پوچھا گیا ہوگا مگر یہ تفصیل اخبار میں نہیں آئی۔ ملازمین نے جو کچھ بھی کہا ہوگا وہ مان لینا پڑا ہوگا۔ بڑے لوگوں کے ساتھ ڈیل کرنے میں ایسی بہت سی مجبوریاں آڑے آتی ہیں۔"

"ایمبولینس اور کھٹمول کے بارے میں کیا خبریں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کھٹمول' چوہدری سلام کا دوست تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کے گھر والوں کو کھٹمول سے کوئی لگاؤ یا زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ وہ بات اسی وقت کھلے گی جب کوئی کھٹمول کے بارے میں پولی کلینک سے رابطہ کرے گا۔ البتہ ایمبولینس کا قصہ آج صبح نمٹ گیا۔"

"نمٹ گیا؟" سلطان شاہ نے حیرت سے دہرایا "وہ قصہ کیسے نمٹ سکتا ہے؟"

"کسی کو کچھ نہیں معلوم کہ وہ ایمبولینس کہاں استعمال کی گئی تھی۔ اسپتال کی انتظامیہ نے رپورٹ درج کرائی تھی کہ کل رات کوئی نامعلوم شخص اسپتال کے احاطے سے ایک ایمبولینس لے اڑا۔ کوئی ایمبولینس کی چوری کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ حفاظتی عملے نے معمول کی کوئی روانگی سمجھ کر ڈرائیور سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ رات بھر وہ ایمبولینس وہیں کھڑی رہی جہاں ہم نے اسے چھوڑا تھا۔ پولیس کنٹرول روم سے آج صبح پولی کلینک سے ایمبولینس کی چوری کی رپورٹ نشر کی گئی تو ایک گشتی پارٹی فوراً ہی وہاں پہنچ گئی اور دیکھ بھال کے بعد ایمبولینس اسلام آباد پہنچا دی گئی۔"

"سرکاری زبان میں مالِ مسروقہ برآمد ہو گیا' مدعی پولیس کی کارکردگی اور اپنے مال کی برآمدگی پر مسرور و مطمئن ہے اس لیے فائل بند کر دی گئی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پولیس کے ہر محرر کی تحریر اس سے کہیں زیادہ گنجلک اور ناقابلِ فہم ہوتی ہے جس کا سر پیر سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں ہوتا۔ وہ فائل کھٹمول کے اغوا کے انکشاف پر دوبارہ کھولنی پڑ جائے گی۔" رانا واقعات کی رفتار سے بہت مطمئن تھا۔

میں نے ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد لاہور سے جاری ہونے والے ایک مشہور اور بڑے اخبار کو غور سے صفحہ بہ صفحہ دیکھ ڈالا' ہر سرخی پڑھ لی لیکن مجھے کالو کمرائی' قاسم یا نادرہ کے فلیٹ میں جانے والی کھوجی پارٹی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ مل سکا۔

اس دوران میں رانا' سلطان شاہ کے ساتھ باتوں میں لگا رہا۔ میں اخبار بینی سے فارغ ہوا تو وہ فوراً ہی میری طرف متوجہ ہو گیا "تم نے پڑھا کہ چھوٹا چوہدری کس قدر احمق ہے۔"

"اس کی حماقت کی داستان تم نے زیادہ تفصیل سے سنائی ہے۔ پورے اخبار میں مجھے اپنے مطلب کی بات کہیں نہیں مل سکی۔ اس میں کراچی کی خبریں بہت کم ہیں۔"

"پنجاب کے زمین دار اور جاگیردار ہر روز کسی کمین کی بہو بیٹی کی چادر تار تار کر کے ان اخباروں کو اتنا مواد فراہم کر دیتے ہیں کہ دوسرے شہروں کے لیے بہت کم جگہ باقی بچتی ہے۔ ویسے بھی ہر اخبار کا اپنا انداز اور قرینہ ہوتا ہے۔ تم کراچی کا کون سا اخبار پڑھتے ہو؟"

میری فرمائش پر تھوڑی ہی دیر میں کراچی کا ایک مشہور اردو روزنامہ بھی آ گیا۔

مجھے اس اخبار کے تمام صفحات نہیں کھنگالنے پڑے۔ شہری صفحات پر کلفٹن میں ہونے والی ہولناک دہشت گردی کے حوالے سے تین اہم ملزموں کی گرفتاری کی خبر موجود تھی۔ جن کے ذریعے اہم شہادتیں ملنے کی توقع تھی۔ نامہ نگار کے بیان کے مطابق پولیس ان تینوں کے بارے میں مکمل رازداری سے کام لے رہی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

صاف ظاہر تھا کہ نامہ نگار نے جہانگیر کی پسند، نسیم کو بھی کالو مکرانی اور قاسم کے ساتھ شامل کرلیا تھا۔ خبر میں ان تینوں میں سے کسی کا نام نہیں تھا۔

آخری صفحے پر امریکا سے آئے ہوئے ایف بی آئی کے ایک سراغ رساں کی سرگرمیوں کی خبر تھی۔ وہ اپنے دو تربیت یافتہ کھوجی کتوں کے ساتھ سکھر میں مقیم ایک خاتون کے آراستہ مگر غیر آباد فلیٹ میں کئی گھنٹوں تک مصروف رہا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے لیے مقامی ماہرین کی ایک جماعت بھی اس کے ہمراہ تھی۔ ان لوگوں کے پڑوسیوں اور عمارت کے چوکی دار کے بیانات بھی لیے تھے۔

اس سے پہلے اول خان نے مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ اس خبر میں زیادہ تفصیل کے ساتھ موجود تھا۔ ایف بی آئی والے نے اخباری نمائندوں کو وقت دینے سے صاف انکار کردیا تھا مگر اپنی حکومت کی پالیسی کی وضاحت میں کچھ ایسی باتیں کہہ گیا تھا جو بہت اہم تھیں۔

اس نے میرا نام لیے بغیر الزام لگایا تھا کہ امریکی حکومت کے پاس یہ باور کرنے کی ٹھوس وجوہ موجود تھیں کہ ایک خطرناک ترین عالمی دہشت گرد کراچی میں روپوش تھا اور امریکی حکومت یہ عزم کرچکی تھی کہ دنیا کے آخری سرے تک ہر دہشت گرد کا پیچھا کرکے اسے کیفرِ کردار تک پہنچائے گی۔

اخبار کے نامہ نگار نے مذکورہ بیان اور میرے بارے میں اپنے اخبار کو ملنے والے انعامی اشتہار کی روشنی میں آخر میں خود یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا کہ امریکی حکومت اور اس کے مقاصد کے حصول کے لیے کام کرنے والے خفیہ شعبوں کے اہل کار ڈینی نامی کسی مفروضہ شخص سے بہت زیادہ خائف تھے جو ان کے بیان کے مطابق پاکستانی نژاد تھا۔ دوسری طرف پاکستان کے ذمے دار افسران اس نام سے اپنی مکمل بے خبری ظاہر کررہے تھے۔

میں نے نشان دہی کرکے وہ دونوں خبریں رانا کے سامنے کردیں "مجھے ان خبروں کی تلاش تھی جو لاہور کے اخباروں میں سرے سے موجود نہیں ہیں۔"

"کلفٹن میں دہشت گردی کرنے والوں کی گرفتاری قومی اہمیت کی خبر ہے، دوسری خبر بین الاقوامی اہمیت کی ہے۔" اکبر رانا نے اعتراف کیا "دونوں خبریں اسٹاف رپورٹرز کے حوالے سے آئی ہیں۔ کراچی میں ہونے کی وجہ سے ان کے زیادہ تعلقات ہیں...."

میں ہنس پڑا "یہ مت کہو۔ پاکستان کے ہر قابل ذکر اخبار کے بیورو آفس کراچی میں بھی ہیں۔ ان دفاتر میں کراچی والے ہی کام کرتے ہیں مگر ان سے خبروں کے بجائے اشتہارات حاصل کرنے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے پھر محنت والی خبریں کہاں سے آئیں گی؟"

حسن وہ! جو چھپائے نہ چھپے!

میرے نسوانی حسن کا راز

بلوسم بریسٹ کریم (یونانی)

قدرتی جڑی بوٹیوں پر برسہابرس کے تجربے اور تحقیق کے بعد ایک نئی ایجاد

بلوسم بریسٹ کریم جو

قیمت = 150/

- بریسٹ کے ٹشوز کو سخت کرکے اُبھار لاتی ہے۔
- بریسٹ کے چھوٹے پن میں اضافہ کرکے پروقار شخصیت کا مالک بناتی ہے
- کھوئی ہوئی نسوانی خوبصورتی کو دوبالا کرتی ہے

اسٹاکسٹ:

خواجہ سنز ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
صدر ریڈیکل سٹور ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
سلم جنرل سٹور ریاقت مارکیٹ ملیر کراچی
ابراہیم سن ریاقت مارکیٹ ملیر کراچی
تھری اسٹار جنرل سٹور مدینہ مارکیٹ۔
ریشم بازار حیدرآباد
نیو دہلی دواخانہ وکٹوریہ روڈ سکھر
پیرزادہ میڈیکل سٹور سبزی روڈ سکھر
حافظ میڈیکل سٹور کپن پور روڈ لاڑکانہ
ہیل جنرل سٹور بیرکش مارکیٹ شاہ عالم لاہور
طاہر شاپنگ سینٹر پل بازار اوکاڑہ
محمد صالحین اینڈ سنز موتی والے چوک بازار ملتان
راجہ برادرز تحصیل بازار سیالکوٹ
پاکستان جنرل سٹور کچہری بازار گوجرانوالہ
علیم ہیرلی سٹور مدینہ مارکیٹ فیصل آباد
ادارے شاپنگ سینٹر صدر بازار ڈیرہ غازی خان
ایس نجابت سوسائٹی میڈیکل سٹور مسلم بازار گوجرانوالہ
گنجوی دواخانہ شاہی بازار بہاولپور
بادشاہ دی مٹی ڈھوک کھبہ راولپنڈی
گل برادرز آبپارہ مارکیٹ اسلام آباد
جرمن ہومیو سٹور بازار نسیم یار خان
ابن سینا سٹور گھنٹہ گھر بازار ڈیرہ غازی خان
حبیب دواخانہ گھنٹہ گھر بازار ملتان
امداد ہومیو سٹور ہائی سٹریٹ ساہیوال
شہزاد دواخانہ کارخانہ بازار فیصل آباد
شافی طبی دواخانہ چنیوٹ بازار فیصل آباد
گورے اینڈ گورے میڈیکل سٹور کچہری بازار سرگودھا
نثار میڈیکل سٹور ریلوے روڈ سیالکوٹ
جرمن ہومیو سٹور ریلوے روڈ گوجرانوالہ
الحافظ دواخانہ بازار مارکیٹ کلاں بازار ڈیرہ غازی خان
حق القیوم جنرل سٹور ہسپتال روڈ چکوال
کوثر دواخانہ کارخانہ بازار فیصل آباد
شگفتہ محل مارکیٹ مسجد اہلحدیث یاسین چنیوٹ
عرافی دواخانہ مین بازار مظفر آباد
یونی پنسار سٹور ہری کشن روڈ کوئٹہ
دکن پنسار سٹور ہری کشن روڈ کوئٹہ
انعام ہیمپتھ قصہ خوانی روڈ پشاور
سعید فیملی سٹور اندرون لنگر گیٹ کوہاٹ
دارالشفاء مینا بازار منگورہ سوات
ملت دواخانہ گھنٹہ گھر پشاور
آندھرا لائٹ ہاؤس مین بازار مارکیٹ شاہین بازار کریم پورہ پشاور
مناز اینڈ سنز ناگی کمرشل مارکیٹ بیرونِ آزاد کشمیر

ڈسٹری بیوٹرز

- ریاض محمود ۶۹۔ نیو عالمگیر مارکیٹ شاہ عالم لاہور • بادشاہ دی مٹی ڈھوک کھبہ راولپنڈی
- محمد صالحین اینڈ سنز موتی والے چوک بازار ملتان • گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی پارسل منگوانے کے لئے

حکیم اینڈ سنز پوسٹ بکس نمبر 2159 کراچی 74600 پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

"کلفٹن میں ہونے والے خوں ریز مقابلے کے بارے میں پنجاب کے سارے اخباروں نے بڑی بڑی سرخیاں لگائی تھیں۔ پتا نہیں اب اسے کیوں بھلا دیا گیا۔" رانا بولا۔

"شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ وہ واقعہ ہی کھٹول کی جان کا روگ بنا ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا "وہ کراچی کے معمولات کا کوئی حصہ نہیں تھا۔"

اکبر رانا چونک پڑا۔

کراچی میں اندرونِ خانہ ہم لوگوں کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا تھا' وہ اس سے بالکل بے خبر تھا۔ اسے اول خان کی زبانی صرف اتنا پتا چلا تھا کہ مشہور لیڈر کھٹول کراچی سے فرار ہو کر اسلام آباد پہنچنے والا تھا اور وہ اول خان کو مطلوب تھا۔ اسے اول خان کے مطالبے کے اسباب اور پس منظر سے ذرا بھی واقفیت نہیں تھی۔ وہ سر جھکا کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

میں نے اخبارات کی کارکردگی سے شروع ہونے والی گفتگو کے تسلسل میں اسے کھٹول کے پورے پس منظر سے آگاہ کیا تو حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اگر کھٹول کراچی میں امریکیوں کا ایجنٹ ہے تو مجھے یقین ہے کہ یہاں چوہدری سلام ان کا نمک خوار ہے۔ ان لوگوں نے ہر طرف اپنے زر خرید کارندوں کا جال پھیلایا ہوا ہے۔ مجھے ابھی تک اندازہ نہیں تھا کہ یہ اتنا اونچا کھیل چل رہا ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"یہاں ہم تم سے مدد لینے کے لیے آئے ہیں۔ تمہارا ان سب باتوں سے باخبر ہونا ضروری تھا۔" میں نے مزید وضاحت کی "کھٹول کے ساتھ ملک دقوم کے چند اور غداروں کی گردنیں ہمارے شکنجے میں آسکیں تو اس سیاسی مافیا کی کمر ٹوٹ جائے گی۔"

"تم نے مجھے ایک نئی راہ سجھائی ہے۔" رانا کی آواز گمبھیر ہو گئی "ہم یہاں دارالحکومت میں بیٹھے ہیں۔ ہم بہت کچھ ہوتے ہوئے کچھ بھی نہیں ہیں۔ اپنی آنکھوں سے ایسے ایسے کھیل دیکھتے ہیں جو کراہت انگیز ہوتے ہیں مگر ہم ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔"

"اب تمہیں ہر وقت اپنی آنکھیں کھلی رکھنی ہوں گی۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"تم جانتے ہو کہ جنیوا کنونشن کے تحت دنیا بھر میں سفارت خانوں کو بہت سے تحفظات حاصل ہیں۔ وہ پرائی زمین پر ہونے کے باوجود اپنے وطن کی سرزمین کے ایک حصے کی طرح ہوتے ہیں۔ ان پر متنازع مقامی قوانین کا ذرا بھی اطلاق نہیں ہوتا۔"

"یہ بہت پرانی باتیں ہیں۔ ان ہی کی آڑ لے کر بہت سی گھناؤنی سازشیں کی جاتی ہیں۔"

"تمہاری فکر انگیز باتیں سن کر میرے ذہن میں بار بار دو نام کلبلا رہے ہیں۔ یہ وہ بے غیرت پاکستانی ہیں جو اپنی بیویوں اور اولادوں کے ساتھ بہت باقاعدگی سے امریکی سفارت خانے کی تمام کاک ٹیل پارٹیوں میں شریک ہوتے ہیں...."

"اب ہمارے درمیان کوئی پردہ نہیں رہا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "یہاں کوئی غیر نہیں ہے۔ نام لے کر بات کرو تاکہ ہم بھی ان چہروں سے واقف ہو سکیں۔"

"ان کی اولادوں میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیاں بھی شامل ہوتی ہیں۔" اس نے دکھ بھری آواز میں کہا "میں تصدیق کیے بغیر ان کے نام نہیں لوں گا۔ مناسب وقت آنے پر تم خود ان کے چہرے دیکھ لو گے۔ وہ دونوں ہی چوہدری سلام کے گہرے دوست ہیں۔"

"دوستی کو معیار مت بناؤ۔" سلطان شاہ نے تلخ لہجے میں کہا۔ "عوام کے بڑے بڑے اجتماعات میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے بلکہ گالیاں دینے والے سیاست داں بھی نجی زندگی میں ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ بعض کو اس طرح ہم نوالہ و ہم پیالہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔"

"سیاست سے ہم ہمیشہ بہت دور رہتے ہیں۔" رانا نے فوراً ہی کہا "ہم بس افراد کو دیکھتے' پرکھتے اور ان کی نگرانی کرتے ہیں۔"

"بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے یہاں بیشتر خرابی اسی سیاست کی لائی ہوئی ہے۔ کاغذوں پر لکھے ہوئے ہر جماعت کے نعرے یا منشور محض دکھاوے کے لیے ہیں۔ ہمارے یہاں بس دو سیاسی جماعتیں چلی آرہی ہیں۔ ایک حزبِ اقتدار کہلاتی ہے اور دوسری حزبِ اختلاف۔ عوام کو بے وقوف بنا کر درونِ خانہ یہ سب مل جل کر رہتے ہیں۔ کیا پتا کب کس کی لاٹری نکل آئے۔"

"اس کے باوجود ایس ٹی ایف کسی کی سیاسی وفاداری سے مرعوب ہوتی ہے' نہ اس بنا پر اس کی دشمن ہوتی ہے۔ ہماری بے لاگ رپورٹیں آج بھی کہیں نہ کہیں محفوظ ہوں گی۔ یہ سب ہمارے پرانے ہوم ورک ہیں۔ ان کو سرزنش کرنا ہمارے دائرہ کار سے خارج ہے۔"

ناشتا ختم کر کے وہ دیر تک ہمارے ساتھ بیٹھا رہا۔ میرا ارادہ اس کے ساتھ اسٹیشن نائن کے دفاتر دیکھنے کا تھا لیکن اس نے نرمی کے ساتھ مجھے روک دیا۔

"تمہارے ساتھ وقت گزار کر اب مجھے اندازہ ہوا ہے کہ تم کھٹول کو فی الحال زندہ رکھنے پر کیوں مجبور ہو۔ اس واقعے کی گرد دبنے تک تم کو محتاط رہنا چاہیے۔ کیا پتا کہ کوئی سرکاری ایجنسی ہماری بھی نگرانی کر رہی ہو۔ ایسے میں تمہارا سامنے آنا مناسب نہیں ہوگا۔"

وہ دلوں کو چیر دینے والی بے اطمینانی تھی جو رانا کے لب و لہجے میں پنہاں تھی۔

وہ اپنے دفتر میں چلا گیا اور میں سی ایس ڈی کے بارے میں سوچنے لگا۔ رانا نے کسی ایجنسی کی طرف سے اپنے اسٹیشن کی نگرانی کا خدشہ ظاہر کر کے مجھے اندر سے ہلا دیا تھا۔ نگرانی ہو سکتی تھی تو فون بھی ٹیپ کیا جا سکتا تھا۔ میں فون پر اول خان سے کھل کر کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔

کراچی میں ہوم سیکریٹری کی طرف سے طلب کیے ہوئے

Downloaded from https://paksociety.com

اجلاس میں شرکت کے بعد میں اول خان کے ساتھ سیدھا ملیر چھاؤنی چلا گیا تھا۔ سلطان شاہ پہلے سے وہاں موجود تھا اور پھر ہم دونوں وہیں سے براہِ راست اسلام آباد چلے آئے تھے۔ مجھے درمیان میں ذرا بھی موقع ملا ہوتا تو میں جہانگیر کے گھر کی فون لائن سے ننھی سی سی ایس ڈی ضرور نکال لایا ہوتا۔

مجھ سے جب جہانگیر نے روز اپنی دکان پر آنے والی ایک خوب رو عورت سے اپنے یک طرفہ عشق کا ذکر کیا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جہانگیر کی وہ رنگین مزاجی کسی بڑے واقعے کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ اس کے بعد سب کچھ اتنی تیزی سے ہوتا چلا گیا کہ ہمارے فلیٹ پر حملہ آور ہونے والوں کے دو ساتھی کراچی پولیس کی تحویل میں تھے اور ہم کھٹومل کے کامیاب اغواء کے بعد اسلام آباد میں پڑے مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

موبائل فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے بٹن دبا کر فون آن کیا تو دوسری طرف اول خان موجود تھا "مجھے معلوم تھا کہ تم کہیں بھی ہوئے، تم سے بات ضرور ہو جائے گی۔" وہ مسرت آمیز آواز میں کہہ رہا تھا "یہ بتاؤ کہ اب تمہارے شہر کی کیا خبریں ہیں۔"

"کچھ نہیں۔" میں نے کسی جوابی گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا "جہانگیر کے گھر جا کر مجھے فون کرو پھر تفصیل سے بات ہو سکے گی۔"

"اوہ!" وہ فوراً ہی بات کی تہ تک پہنچ گیا "میں تھوڑی دیر میں رنگ کرتا ہوں۔"

بھارتی سیکرٹ سروس را کے سینئر اہل کار بدری ناتھ کے ساتھ میری منافقانہ رفاقت خاصی طویل رہی۔ وہ مجھے گھیرنے کی کوشش کرتا رہا اور میں اس کے گرد اپنا جال پھیلاتا رہا۔ اس دوران میں کئی نازک لمحات بھی آئے مگر امریکا میں ہم دونوں کو ہی مجبوریاں درپیش تھیں۔ دونوں ایک دوسرے سے دبتے اور بغلوں میں چھریاں دبا کر منہ سے رام رام کی مالا جپتے رہے۔

اس سرد جنگ میں مجھے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ میں اسے شیشے میں اتار کر سنر سینسنگ ڈیوائس یا سی ایس ڈی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس وقت اس ننھے سے موثر آلے کا کوئی متبادل یا توڑ میرے سامنے نہیں آسکا تھا۔

موبائل فون مل جانے کے بعد ایک مسئلہ میرے ذہن میں سر ابھار رہا تھا کہ سی ایس ڈی کو فون کے دو تاروں سے جوڑ کر ہی استعمال کیا جا سکتا تھا جب کہ موبائل فون میں بیرونی یا اندرونی تاروں کا تصور ہی سرے سے ناپید تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایس ڈی کو منسلک کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس آلے کے بغیر موبائل فون کی افادیت محدود ہو کر رہ جاتی۔

گیارہ بجے رانا نے کھٹومل کے بارے میں دل خوش کر دینے والی ابتدائی خبر سنائی۔

چوہدری سلام نے گجرات سے واپسی کے بعد فون کرنے کے بجائے کھٹومل کی خیریت معلوم کرنے کے لیے خود ہی اسلام آباد پولی کلینک کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ اسپتال میں اپنے گہرے دوست کا کوئی سراغ نہ پا کر وہ بری طرح بدحواس ہو گیا۔

پہلے وہ اسپتال کے اعلیٰ انتظامی عملے سے بدتمیزی کرتا رہا پھر اسلام آباد کے آئی جی کے دفتر میں زلزلہ برپا کر دیا۔ وہ ہر قیمت پر کھٹومل کی فوری بازیابی کا مطالبہ کر رہا تھا۔

کھٹومل سندھ کی اقلیت پر اپنے موثر کنٹرول کی وجہ سے قومی سطح پر ایک معروف حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ دوسری طرف چوہدری سلام جیسا منہ پھٹ اور جارح سیاست داں اس کی پشت پر تھا۔ پورے اسلام آباد میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔

سب کڑیاں موجود تھیں۔ انہیں یک جا کر کے یہ اندازہ لگانے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی کہ کھٹومل کو کیسے اغوا کیا ہوگا۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ اس موضوع پر باتیں کر رہا تھا کہ اول خان کا فون آگیا۔

"غنیمت ہے کہ تم نے موبائل فون پر رابطہ نہیں کیا۔ پتا نہیں اس لاسلکی فون پر سی ایس ڈی کام بھی کر سکے گی یا نہیں؟" میں نے دعا سلام کے بعد کہا۔

"میں تمہارا مسئلہ سمجھ گیا تھا۔ یہاں مسئلہ یہ ہے کہ ویرا مجھ سے پہلے موجود ہے اور جہانگیر کے کان کھا رہی ہے۔ میری صورت دیکھتے ہی جھاڑ کے کانٹے کی طرح میرے پیچھے پڑ گئی تھی۔"

"میں نے غزالہ کو بہت اختصار سے بریف کیا تھا۔ تم اس کی تسلی کرا دینا۔ اس سے کہو کہ وہ یوں گھر سے باہر نکلنے کا خطرہ مول نہ لے۔ وہ بے موت ماری جائے گی۔"

"میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم اپنی کہانی سناؤ۔" وہ بے چین ہوا جا رہا تھا۔

"چوہدری سلام نے واپس آکر ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے۔ دیکھنا ہے کہ کھٹومل کے اغوا کی تفتیش کیا رخ اختیار کرتی ہے۔ اکبر رانا بھی کچھ پریشان ہے۔"

"کیوں؟ اسے کس بات کی پریشانی ہے؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"اسے شبہ ہے کہ کہیں کوئی ایجنسی اسٹیشن نائن کی نگرانی نہ کر رہی ہو۔"

"یہ ناقابلِ یقین سی بات ہے۔ مجھے اس سے بھی رابطہ کرنا پڑے گا۔"

"میں نے بلاوجہ ہی تمہیں جہانگیر کا فون استعمال کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا۔"

"ہماری گفتگو کا جاری رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی مداخلت نہیں ہو رہی۔"

"رانا یہاں بیٹھا ہوا ہے۔ یہاں کے مسائل کو وہ ہم دونوں سے بہتر سمجھتا ہے۔" میں نے کہا۔

"میرے خیال میں [illegible] ہے۔ دنیا کے ہر

Downloaded from https://paksociety.com

دارالحکومت میں ایسی ہی بے یقینی کی فضا رہتی ہے۔ کسی کو کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کون کس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

"تمہارے بڑوں کو علم ہے کہ اسٹیشن نائن والے کیا کر رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ایسے اہم اور نازک معاملات میں ہم بڑوں کو بے خبر نہیں رکھ سکتے۔"

"اسے منظرِ عام سے ہٹا دیا گیا۔ اب اس کے خلاف تم کیا کر رہے ہو؟"

"آج مجھے اندازہ ہوا کہ کسی شہر کی انتظامیہ میں تھانے دار کتنا طاقتور ہوتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "ایس ایچ او نے ایف آئی آر کے تحت کالو مکرانی اور قاسم کے بیان لے کر سیل کر لئے ہیں۔ اس پر شدید دباؤ ہے کہ دونوں بیانات میں کھٹمل کا کوئی ذکر نہ آنے پائے لیکن اس نے ملزموں کے بیان میں ردوبدل کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے۔"

"جس صوبے میں آئی جی اپنے ہوم سیکریٹری کے سامنے بھیگی بلی بنا رہتا ہو' وہاں ایک تھانے دار کی یہ ضد سمجھ میں نہیں آتی۔" میں نے قدرے تعجب سے کہا۔

"بگڑی ہوئی مشینری میں اب بھی کہیں کہیں صحیح پرزے موجود ہیں۔" اول خان نے کہا۔

"اس کا تبادلہ کر دیا جائے گا' کھڈے لائن لگا دیا جائے گا۔" میں نے رائے ظاہر کی۔

"بعد میں جو ہونا ہے وہ ہوتا رہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اصل بیان فائل میں شامل رکھے گا۔ اس کا کوئی افسر چاہتا ہے تو خود اپنے قلم سے اس میں ردوبدل کرے۔ میں نے بہت دیکھ بھال کر قیدیوں کو اس کے حوالے کیا تھا۔ مجھے اس سے یہی امید تھی۔"

"مجھے خوشی ہے کہ پولیس کے محکمے میں ایسے اصول پرست افسر بھی موجود ہیں۔ اب اس بارے میں تیزی سے کوئی فیصلہ ہونا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"آج کسی بھی وقت فائل چل پڑے گی۔" اول خان نے پورے وثوق سے کہا۔ "معاملہ کھٹمل کا ہے اس لئے فائل درجہ بہ درجہ ایس پی' ہوم سیکریٹری' چیف سیکریٹری اور چیف ایگزیکٹو سے ہوتی ہوئی اسلام آباد جائے گی۔"

"اور کچھ ہو یا نہ ہو' وہ لوگ تاخیری حربے ضرور آزمائیں گے۔" میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

"یہ نہیں ہو سکتا' امریکیوں نے اپنے اشتہار میں کھٹمل کی درج کرائی ہوئی ایف آئی آر کا حوالہ دے کر اس کی گردن پھنسوانے کا پورا بندوبست کر لیا ہے۔ میٹنگ میں تمہارے اٹھائے ہوئے نکات اب ہر ذے دار کو سوچنے پر مجبور کر رہے ہیں۔"

"اس گٹھ جوڑ کو سامنے آنا ہی تھا۔ بس امریکیوں نے ذرا عجلت دکھا کر ہمارا کام آسان کر دیا۔ تم یہ دیکھتے رہو کہ بقیہ کام تیزی سے نمٹتا چلا جائے۔"

"مجھے جو کچھ کرنا تھا' میں کر گزرا ہوں۔ اب معاملات سرکاری ڈھب پر چلیں گے۔ معاملے کی نزاکت کے پیش نظر امید ہے کہ تاخیری حربے کامیاب ہوں گے' نہ کوئی کالو مکرانی کے بیان پر قلم لگا کر اپنی معطلی اور معزولی کا خطرہ مول لے گا۔"

"ہوم سیکریٹری وہ فائل آئی جی کے منہ پر دے مارے گا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"کمزور اور خوشامدی افسروں کو اکثر ایسی تذلیل سہنی پڑتی ہے۔" اول خان بولا۔ "ڈانٹ پھٹکار سن کر ان کی کھال اتنی موٹی ہو جاتی ہے کہ اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"کالو مکرانی کا بیان بہت اہم ہے۔ وہ اسلام آباد والوں تک پہنچ گیا تو چوہدری سلام کے غبارے سے ایک دم ہوا نکل جائے گی۔ رانا کو شبہ ہے کہ وہ بھی امریکی مفادات کے لئے کام کر رہا ہے۔"

"کھٹمل کے کرتوت بے نقاب ہو گئے تو وہ خود بخود عتاب میں آ جائے گا۔ میں یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ چوہدری سلام نے کھٹمل کی بے گناہی کی کہانی سنا کر کسی نہ کسی وزیر یا سیکریٹری کی ہمدردیاں حاصل کی ہوں گی۔ اس کے بغیر کھٹمل کو سندھ میں کھلی چھوٹ نہیں مل سکتی تھی۔ پول کھلنے کے بعد چوہدری سلام اپنا اعتبار کھو بیٹھے گا۔"

"اب میں یہاں ریسٹ ہاؤس میں چھپا بیٹھا ہوں۔ تم ویرا کو سمجھاؤ کہ وہ احمقانہ حرکتیں نہ کرتی پھرے۔ اس کے پہچانے جانے کے خطرات ہمیشہ بہت زیادہ رہے ہیں۔"

"مجھے سب سے بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ امریکیوں نے اپنے اشتہار میں تمہارا گمراہ کن خاکہ شائع کیا ہے۔ تم بے خوف و خطر پورے اسلام آباد میں گشت کر سکتے ہو۔ ہاں' ویرا کی بات مختلف ہے۔ وہ میرے سر پر سوار ہے۔ تم خود ہی اسے سمجھا لو۔"

"کل رات تم مجھے نہیں بتا سکتے تھے کہ تم اسلام آباد جا رہے ہو؟" ویرا بھری بیٹھی تھی۔ اول خان سے ریسیور لیتے ہی پھٹ پڑی۔ "میں تمہاری دُم میں کوئی نمدہ تو نہ باندھ دیتی۔"

"میرے پاس وقت کم تھا۔ میں نے غزالہ کو بتا دیا تھا۔ میں تم دونوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔"

"وہ تمہاری بیوی ہے' میں کچھ بھی نہیں ہوں۔" وہ زہریلی آواز میں غرائی۔

"اب تک تمہیں معلوم ہو چکا ہو گا کہ میں یہاں تفریح کے لئے....."

"مجھے بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے۔" ویرا نے برہمی سے میری بات کاٹ دی۔ "وہ چڑیل ہماری اتنی دشمن ہو گئی تھی کہ مخبری کرنے خود پولیس چیف کے پاس جا پہنچی یا اب اتنی ہمدرد ہو گئی ہے کہ اس نے تمہارا خاکہ ہی الٹ ڈالا۔ میں تم دونوں کی ایسی کی تیسی کر کے رکھ دوں گی۔"

"ایف بی آئی اور سی آئی اے والے بھی یہی کرنا چاہ رہے ہیں۔" میں نے کسی طنز کے بغیر کہا۔ "تمہارے ہاتھ سے گردن کٹنے

Downloaded from https://paksociety.com

گی تو مجھے زیادہ دکھ نہیں ہوگا۔"

"یہ یاد رکھنا کہ میرا نام ویرا ہے۔ میں اس جینی کی بچی کو دیکھ لوں گی۔"

"میری طرف سے تم اسے وڑے مارو' مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "وہ میری نہیں' تمہاری دوست ہے۔"

امریکیوں کے اشتہار کی وجہ سے اس روز جینی بار بار موضوعِ سخن بنتی رہی۔ وہ اس سلسلے کی آخری گفتگو تھی جو ویرا سے وہیں ختم ہوگئی اور وہ میری سرگرمیوں کے بارے میں پوچھنے لگی۔

مجھے اندازہ تھا کہ اس کی کھوپڑی میں لاوا پکتا رہا تھا۔ اسے اعتدال پر لانے کے لئے میں بہت تحمل سے اس کے سوالوں کے جواب دیتا رہا۔ آخر میں جب میں نے اس سے گھر میں محدود ہوجانے کا ذکر چھیڑا تو اس نے حیرت ناک سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کرلیا۔

"ویرا ہی تمہاری دکھتی رگوں کو دبانا جانتی ہے۔ اس سے تم ٹھیک رہتے ہو۔" سلطان شاہ بولا۔

"کراچی واپس چلو پھر دیکھوں گا کہ وہ کس کی رگیں صحیح دباتی ہے۔"

"میرے ساتھ وہ فتنہ انگیزی کرتی ہے جس کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا۔ تمہارے....."

"بس!" میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کردیا۔ "اب اپنی بے سروپا باتوں سے میرا دماغ مت کھاؤ۔ ہم ایک نئے شہر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں ہم کو ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہے۔"

"اوّل تو اسلام آباد تمہارے لئے نیا نہیں ہے۔ بندروں کے ذریعے کہوٹہ کے مضافات میں جاسوسی کے جدید ترین آلات کے استعمال کو ناکام بنانے کے لئے تم نے کافی دن یہاں گزارے تھے۔"

"مجھے وہ سب یاد ہے۔ ان مضافات میں ایک یہودی بم بردار ابابیلوں کے ذریعے کہوٹہ کی تباہی کے ناکام منصوبے پر کام کرتا رہا تھا مگر وہ حالات کچھ اور تھے۔ اس وقت ہم مقامی سیاست اور سازشوں کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہے ہیں۔"

"دونوں پاٹ گھس گھس کر اندر سے کھوکھلے ہوچکے ہیں۔ ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا۔"

میں نے اس کی بات سنی اَن سنی کرکے خاموشی اختیار کرلی۔

میرے ذہن میں ایک نکتہ رہ رہ کر سر ابھار رہا تھا۔ کھٹمل اقلیتوں کا ایک غیر متنازع لیڈر تھا اور چوہدری سلام اپنے صوبے کے کسی حلقے سے قومی اسمبلی کا رکن تھا۔ ان دونوں کے اثر و رسوخ میں کوئی شبہ نہیں تھا لیکن ان میں سے کسی کے پاس اتنے زبردست انتظامی اختیارات نہیں تھے کہ وہ اسلام آباد میں بیٹھے بیٹھے سندھ کے ہوم سیکریٹری کو کھٹمل کی حرکتوں سے چشم پوشی اختیار کرنے پر مجبور کرسکیں۔ وہ کام کوئی بااختیار شخص ہی کرسکتا تھا۔

دیکھنا یہ تھا کہ ملک میں دانستہ یا نادانستہ طور پر ایسی لاقانونیت کو فروغ دینے والا وہ مہرہ کون تھا اور کس بنا پر چوہدری سلام سے تعاون کررہا تھا۔

دو بجے رانا سے خبر ملی کہ چوہدری سلام نے اپنے سارے تعلقات بروئے کار لاکر کھٹمل کے ویلیرانہ اغوا کو پورے اسلام آباد کا مسئلہ بنا دیا تھا۔

اس نے رات گئے اپنے گھر میں لگائی جانے والی آگ کے بارے میں پوری سچائی سے کام لے کر ہر ایک کو صاف بتا دیا تھا کہ طلبی عملے کے روپ میں کھٹمل کو اغوا کرنے والوں نے اس کا نام لے کر اس کے گھر والوں کو اس قدر دہشت زدہ کردیا تھا کہ اس کے سادہ لوح بیٹے نے اپنے باپ سے مزید کسی مشورے کی ضرورت محسوس کئے بغیر پندرہ بیس لاکھ روپے سے زیادہ مالیت کے قیمتی فرنیچر' قالینوں اور دوسرے ساز و سامان کو محض اس خوف سے آگ لگوا دی تھی کہ کہیں ان میں کھٹمل کے زخموں کے جرثومے سرایت نہ کرگئے ہوں۔

ہر ایک سے اس کا ایک ہی سوال تھا کہ جب اسلام آباد جیسے محفوظ اور مرکزی شہر میں قومی اسمبلی کے ایک رکن کے گھر میں ٹھہرا ہوا مہمان مجرموں سے محفوظ و مامون نہیں تھا تو پھر ملک میں قانون عام شہریوں کو کس طرح تحفظ فراہم کرسکتا تھا؟

تسلی' تشفی اور دلاسوں کے سوا کسی کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

چوہدری سلام کے من میں چور تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کھٹمل مجھ سے دہشت زدہ تھا۔ میرے ہاتھوں اس کے کئی آدمی مارے گئے تھے اور میں شکنجہ بن کر فون پر اسے مزید خوف زدہ کرتا رہا تھا۔ اس وجہ سے اس نے کھٹمل کے اغوا کے سلسلے میں مجرموں کا نام لیا تھا۔ کسی ادارے یا ایجنسی پر اپنے شک و شبے کا اظہار نہیں کیا تھا۔

ایس ٹی ایف ویسے بھی اپنی ہیئت میں ایک پراسرار تنظیم تھی جس کے بارے میں خود اس کے اہلکار بھی بہت زیادہ نہیں جانتے تھے۔ کسی کو بھول کر بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ کھٹمل کے اغوا میں ان لوگوں نے کوئی کردار ادا کیا ہوگا۔

یہ آخری نکتہ اکبر رانا کے لئے بہت حوصلہ افزا تھا۔ بعد میں اس نے اعتراف کیا کہ کھٹمل کے اغوا کے بعد سے وہ مسلسل سوچ سوچ کر ہلکان ہوتا رہا تھا کہ کوئی بھی فیڈرل ایجنسی اس اغوا کے بارے میں براہِ راست اسٹیشن ہائن سے رجوع کرسکتی ہے۔

وہ ایک الگ بات تھی کہ ایس ٹی ایف کا کوئی بھی اسٹیشن اپنے ہیڈ کوارٹرز کے سوا کسی کو جواب دہ نہیں تھا۔ اکبر رانا اس اصول کے سہارے' اپنی طرف آنے والی ہر آفت کو ٹال سکتا تھا لیکن اس کے نتیجے میں جو بدمزگی اور کشیدگی پیدا ہوتی' وہ مستقبل

Downloaded from https://paksociety.com

میں اس کے کام میں رکاوٹوں کا سبب بن سکتی تھی۔ چوہدری سلام نے میری ذات کو اپنے ذہن میں رکھ کر ایس پی ایف پر سے ہر بوجھ بار ہٹا دیا تھا۔

شام کے چار بجے پہلی حوصلہ افزا خبر آئی۔ مرکزی وزارتِ داخلہ میں کراچی سے کوئی طویل پیغام فیکس پر آیا تھا اور دفاتر میں اچانک ہی پراسرار سی ہلچل اور نقل و حرکت شروع ہوگئی تھی۔ وہ اس دفتر کا کوئی معمول کا سلسلہ بھی ہو سکتا تھا۔ اس بارے میں اہم ترین بات یہ تھی کہ کراچی سے فیکس ملنے کے صرف نصف گھنٹے بعد ایس پی آفس کو چوہدری سلام کے ساتھ معذرت خواہانہ رویہ ترک کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

ایس پی آفس میں حالات کی رفتار پر نگاہ رکھنے کے لئے ایس ٹی ایف کے دو آدمی مامور تھے۔ انہوں نے خبر دی کہ ایس پی نے چوہدری سلام کا ایک فون سننے سے انکار کر دیا تھا۔

چوہدری سلام ایک سیاسی لیڈر ہی نہیں، فطری اور جبلّی طور پر بدمعاش بھی تھا۔ وہ اپنی کھلی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ اپنے آدمیوں کے ساتھ ایس پی کے دفتر پہنچا تو اس کی لاف و گزاف کے باوجود عملے نے اسے دفتر سے باہر ہی روک لیا۔

شور بڑھ کر مغلظات کی حدود میں داخل ہوا تو ایس پی خود اپنے دفتر سے باہر آیا اور اس نے چوہدری سلام کو تلخ لہجے میں جھاڑ دیا۔

"چوہدری صاحب! یہ شرمناک واردات ہوئی ہے۔ ہم پوری سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔ آپ بار بار زحمت کر کے ہماری زندگی اجیرن نہ بنائیں۔ کوئی نتیجہ برآمد ہوتے ہی آپ کو گھر پر مطلع کر دیا جائے گا۔ اس وقت تک آپ وہیں آرام کریں۔"

چوہدری سلام کے کان ایسے لب و لہجے سے آشنا نہ تھے۔ وہ ہر درجے کے سرکاری ملازمین کو ذاتی خدمت گار سمجھنے کا عادی تھا۔ وہ ایس پی کی دردی اتروانے کی دھمکیاں دیتا ہوا آگ بگولا ہو کر وہاں سے نکل گیا۔

سیکریٹریٹ..... میں مرکزی وزارتِ داخلہ کا دفتر اس کی دوسری منزل تھی۔ وہ اپنی توہین کی شکایت لے کر براہِ راست وزیر یا سیکریٹری سے ملنا چاہتا تھا مگر اسے فلور پر لفٹ سے اترتے ہی دوسرا دھچکا لگا۔ اسے بتایا گیا کہ سب لوگ کسی اہم کام میں مصروف تھے۔ فلور پر بیرونی افراد کے داخلے پر پابندی تھی۔ وہ زینوں سے نیچے اترا تو اس کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

وہ کوئی تیسرا دروازہ کھٹکھٹانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ شاید اسے نوشتۂ دیوار کچھ دھندلا دھندلا سا نظر آنے لگا تھا۔ اس بار وہ سیدھا اپنے گھر کی طرف گیا تھا۔

وہ خبریں سن کر میرا سر فخر سے تن گیا۔ پاکستان کی سرزمین پر کوئی جرم کرنا اگر آسان تھا تو پھر قانون کی بے رحم گرفت سے بچ نکلنا اسی قدر محال تھا۔ بات صرف قانون کے حرکت میں آنے کی تھی۔

بڑی مچھلیوں اور مگرمچھوں کے جرائم کے خلاف کارروائی کے لئے اجازتوں کے ذکر ہم سب سنتے آئے ہیں۔ وہ بھی مگرمچھوں کے خلاف ہونے والی ایک کارروائی تھی جس کی صحیح بنیاد ایک تھانے میں رکھی گئی تھی۔ تھانے دار راشی تھا، نہ ڈرپوک۔ اس نے جو کچھ دیکھا اور سنا اُسے من و عن ریکارڈ کرنے پر تُل گیا۔ اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو اس نے حقارت سے ٹھکرا دیا۔

اس کے بنائے ہوئے کاغذوں میں سنگین حقائق کے ساتھ ٹھوس ثبوت موجود تھے۔ نچلی سطح پر صحیح خطوط پر بننے والی وہ فائل کسی کے روکے نہ رک سکی اور شاید فیکس کے ذریعے مرکزی وزارتِ داخلہ تک پہنچ چکی تھی۔

چوہدری سلام ایک معروف اور معروف لیڈر تھا۔ اس روز ہونے والی ہوا خیزی نے اسے پریشان کر دیا۔ اس کے پاس پاسپورٹ موجود تھا۔ پاسپورٹ کے صفحات پر متعدد ملکوں کے ویزے موجود تھے۔ اس نے گھر بیٹھے ٹکٹ حاصل کیا اور صرف اپنے ڈرائیور کے ساتھ چھ بجے ائرپورٹ پہنچ گیا۔

وہ سات بجے والی پرواز سے اپنی دبئی روانگی کے بارے میں اس قدر پُریقین تھا کہ اس کا ڈرائیور اسے ائرپورٹ پر اتار کر چلا گیا۔

وہ بورڈنگ کے مرحلے سے بخوبی گزر گیا۔ وہاں کام کرنے والوں میں سے بیشتر اسے جانتے تھے۔ ان سے نمٹ کر وہ امیگریشن پر پہنچا تو کئی منٹ کے صبر آزما انتظار کے بعد اس کا پاسپورٹ اسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حجامت شاکر ہیئر کٹنگ

ڈاکٹر آصفہ شاکر ◆ ڈاکٹر نرگس معصل

تعطیل بروز ——— جمعۃ المبارک

۵۰٪ 360 کمرشل ایریا، طارق روڈ بالمقابل میٹروگرگ کراچی

اوقاتِ ملاقات: صبح ۱۱ تا ۲ بجے

گلشن اقبال برانچ

6/1 سفاری ویو بلاک 7 نزد مین گیٹ سفاری پارک گلشن اقبال کراچی

اوقاتِ ملاقات: شام ۶ تا ۹ بجے رات

شاکر ہیئر آئل بھی دستیاب ہے!

مزید معلومات کیلئے فون: 4966698

Downloaded from https://paksociety.com

لوٹا دیا گیا۔ افسر نے بہت احتیاط سے متعدد کاغذات چیک کر کے اس کے پاسپورٹ پر کلیئرنس کی مہر لگانے سے معذرت کرلی تھی۔ اس بار چوہدری سلام غصے میں آپے سے باہر ہوا' نہ افسر کو گالیاں یا دھمکیاں دے سکا۔ بس پھٹی پھٹی مجروح اور بے اعتبار آنکھوں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کے قدم گویا زمین میں گڑ کر رہ گئے تھے۔ اس کے پیچھے جمع ہونے والے اس کے ہٹنے کے منتظر تھے۔

افسر نے احترام آمیز لہجے میں اسے دوسروں کے لئے جگہ خالی کرنے کی ہدایت کی اور آگاہ کیا کہ تھوڑی دیر قبل اس کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں آچکا تھا۔

میرے لئے وہ ناقابل یقین واقعات اور تجربات تھے جو ٹوٹ ٹوٹ کر قسطوں میں مجھ تک پہنچ رہے تھے۔ اپنے رعب اور دبدبے سے ہر ایک کے اوسان خطا کردینے والا چوہدری سلام بے بسی کے عالم میں ٹیکسی سے اپنے گھر واپس پہنچا تھا۔

اکبر رانا کا اعتماد بہت تیزی سے بحال ہوا تھا۔ اس کے دل سے ہر خوف نکل چکا تھا۔ اس کے مستعد اور ذہین ماتحت محاذ کے ہر اہم مورچے پر پھیلے ہوئے تھے اور اسے پل پل کی خبریں پہنچا رہے تھے۔

اس وقت تک وہ چہرہ سامنے نہیں آیا تھا جس نے چوہدری سلام کے ایما پر کھٹمل کو سندھ میں تحفظ فراہم کیا تھا لیکن اس وقت آنے والی خبروں سے یہ ضرور ثابت ہوگیا تھا کہ سسٹم میں گنتی کی کالی بھیڑوں کے ساتھ سرگرم اور فرض شناس اہل کاروں کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی۔

سلطان شاہ بے حسی اور مستعدی کی ان دو انتہاؤں پر رہ رہ کر حیران ہو رہا تھا۔ ایک طرف یہ عالم تھا کہ ایک اعلیٰ عہدے دار خود کھٹمل کی وکالت کرکے ہر ایک کو اس کی طرف سے چشم پوشی برتنے پر مجبور کر رہا تھا۔ دوسری طرف اسی اعلیٰ عہدے دار کے ہاتھوں سے گزر کر کچھ ایسا مواد اسلام آباد پہنچ چکا تھا جس کی روشنی میں چوہدری سلام پر دھیرے دھیرے ہر در بند ہوتا چلا جا رہا تھا۔

"میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا۔" ائرپورٹ سے چوہدری سلام کی واپسی کی خبر سننے کے بعد سلطان شاہ بول پڑا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ کوئی الٹا جادو چل پڑا ہے۔"

"یہ الٹا جادو وادو نہیں' سیدھا سادہ مکافات کا عمل ہے۔" میں نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر کہا۔ "کبھی کبھی اس میں تاخیر ضرور ہوجاتی ہے مگر یہ اپنا رنگ ضرور دکھاتا ہے۔"

"جہاں کاغذ ایک سے دوسری میز تک پہنچنے میں ہفتوں کا وقت لے لیتا ہو' وہاں ایسی حیرتناک تیزی ناقابل یقین ہے۔ صبح وہ پورے شہر میں بکارتا پھر رہا تھا۔ اب کسی پرکٹے بلبل کی طرح اپنے گھر میں جا گھسا ہے۔"

"اس نے تو اپنی بے توقیری دیکھ لی ہے۔ اب وہ فون پر مصروف ہوگا۔"

"اس کا نام اتنی سرعت سے ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں آیا ہے کہ خود اسے بھی یقین نہیں آسکا ہوگا۔ اس حالت میں ہر ایک اس سے کترائے گا۔ وہ فون پر شاید ہی کسی سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوسکے۔" سلطان شاہ نے ترحم آمیز لہجے میں کہا۔

"ابھی کوئی بات طے نہیں ہے۔ پانسا پلٹ بھی سکتا ہے۔ جو لوگ اونٹ پالتے ہیں' وہ اپنے دروازے بھی اونچے رکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ فرار کے لئے اپنے خفیہ رابطوں کی تلاش میں ہو۔"

"اس کی نگرانی ہونی چاہیے۔" سلطان شاہ مضطربانہ لہجے میں بولا۔ "اگر وہ نکلنے میں کامیاب ہوگیا تو ہماری یہ ساری بھاگ دوڑ برباد ہوجائے گی۔"

"یہ نہ بھولو کہ تم کھٹمل کے پیچھے یہاں آئے تھے۔ وہ ہمارے قبضے میں ہے۔" اکبر رانا نے ہنس کر اسے یاد دلایا۔ "چوہدری سلام گرفت میں آگیا تو یہ اس کی بدقسمتی ہوگی۔"

"تو کیا تمہیں اب بھی اس کے پکڑے جانے میں شبہ ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"چکنی مچھلیاں اکثر ہاتھ آکر پھسل جاتی ہیں۔ شکاروہی کہلاتا ہے جو جھولی میں پہنچ جائے۔"

"مجھے واقعات میں اتنی تیزی کی امید نہیں تھی۔ چند گھنٹوں میں سب کچھ ہوگیا۔" میں نے کہا۔

"کراچی میں اول خان نے سر توڑ کوششیں کی ہوں گی۔" رانا نے خیال ظاہر کیا۔ "وہاں سے مواد اسلام آباد نہ آتا تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ہر شخص چوہدری سلام کے دباؤ میں رہتا۔"

"چوہدری سلام کے بال و پر کاٹے جاچکے ہیں۔ کل تک کھٹمل ...کے بارے میں بھی حالات واضح ہوجائیں گے۔ پھر ہم کیا کریں گے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"میں سمجھا نہیں کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔" رانا نے الجھن سے کہا۔

"کھٹمل کو اغوا تو کرلیا۔ اب واپس کیسے لاؤ گے؟" میں نے اپنی بات واضح کردی۔

"ابھی تک جو پوزیشن ہے وہ ہمارے حق میں ہے۔ کراچی والوں کو کھٹمل سے دور رہنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ ہم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ ہم اسے باضابطہ طور پر پولیس کی تحویل میں دے سکتے ہیں۔"

"سوچ لو اور اپنے بڑوں سے مشورہ کرلو۔ یہ معاملہ بہت اونچی سطح تک چلا گیا ہے۔ کھٹمل ضرور سزایاب ہوجائے گا مگر ایس ٹی ایف موضوع سخن بن جائے گی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ان معاملات میں چوہدری سلام بھی ملوث ہے۔ ایس ٹی ایف کا نام اسمبلی میں پہنچ گیا تو اس کی رازداری

Downloaded from https://paksociety.com

تباہ ہو جائے گی۔"

"یہی نہیں' پوری فورس کی بقا بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ فورس کس قانون کے تحت اور کس نے بنائی ہے؟ اسے فنڈز کہاں سے ملتے ہیں؟ اس کا دائرۂ کار کیا ہے؟ نام اچھلتے ہی بے شمار ٹیڑھے سوال سر اٹھائیں گے۔ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا۔"

"تمہاری نگاہیں دور رس ہیں۔ یہ باریکیاں میرے گمان میں بھی نہیں تھیں۔ مجھے اوپر ہی سے کوئی ہدایت لینی ہوگی۔ ایک مجرم کے لئے پوری فورس کی بقا کو داؤ پر نہیں لگایا جا سکتا۔"

"اسے اِدھر اُدھر گھمانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" سلطان شاہ نے بیزاری سے کہا۔ "آزاد علاقے میں ہی مارو اور کہیں دبا دو۔ کچھ عرصے تک اس کی تلاش جاری رہے گی۔ وقت گزرنے کے ساتھ لوگ رفتہ رفتہ اسے بھول جائیں گے۔"

"نہیں۔" رانا نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اول خان نے اسے زندہ رکھنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کی ابدی روپوشی کے سنگین نتائج بر آمد ہو سکتے ہیں۔ وہ مجرم سہی مگر ایک مقبول اقلیتی لیڈر ہے۔ اسے عدالت سے ہی سزا یاب ہونا ہے۔ کس طرح؟ یہ اوپر والے بتائیں گے۔"

"میری دانست میں اسے واپس لانے کا ایک ہی طریقہ ممکن ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تم بتا دو۔ میں اپنے چیف کو تمہاری رائے سے بھی آگاہ کردوں گا۔"

"آدم خان کے آدمیوں کے سوا کوئی بھی قبیلہ اسے اپنے علاقے کے پولیٹیکل ایجنٹ کے حوالے کردے۔"

"جواز کیا ہوگا؟" رانا نے میری تجویز میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بے ہوش اور زخمی حالت میں کہیں بھی پڑا ہوا مل سکتا ہے۔"

"بالکل۔" سلطان شاہ نے میری تائید کی۔ "یہی سمجھا جائے گا کہ کچھ لوگ تاوان وغیرہ کی امید میں اسے اغوا کرکے لے جا رہے تھے۔ راستے میں انہیں اندازہ ہوا کہ وہ غلط آدمی کو اٹھا لائے ہیں یا اس کے وارثوں سے تاوان کی رقم نہیں مل سکے گی۔ انہوں نے اسے پھینک دیا۔"

سلطان شاہ کے کہے ہوئے ہر لفظ کے ساتھ رانا کی آنکھوں میں چمک بڑھتی چلی گئی۔ وہ اپنی بات مکمل کرکے خاموش ہوا تو رانا بولا۔ "میں چیف سے ضرور بات کروں گا مگر مجھے تمہاری تجویز مناسب معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت میں وہ کسی پر الزام تراشی

چہرے کے فاضل بال
اور بھدیوں و بدنما داغ دھبے خواتین کیلئے
ایک عذاب سے کم نہیں۔ اب پریشانی اور فکر کی
ضرورت نہیں
گلیسی یونانی کریم
کا استعمال کیجئے ہزاروں خواتین کی آزمودہ کریم
قیمت _____ 105/-

موٹاپے سے نجات
بڑھے ہوئے جسم کو صرف ایک ماہ میں
۲۰ پونڈ وزن یقینی کم کرکے جسم کو سڈول و
اسمارٹ بنا کر پروقار شخصیت کا مالک
بنیئے اسمارٹلین غذا کا استعمال کیجئے
اسمارٹلین غذا
قیمت _____ 275/-

مردوں میں مقبول ترین دوا
فربا اور طاقتور بننے کیلئے
کمزور جسم اور سوکھے پچکے گال کو طاقت پہنچا
کر جسم کو فربا بناتا ہے چہرے پر سرخی لاتا ہے۔
جسمانی و اعصابی کمزوری دور کرکے طاقت بحال
رکھتا ہے
نیچرل پاور (یونانی)
قیمت _____ 150/-

اسٹاکسٹ:
خواجہ اسٹور ایمرس مارکیٹ صدر کراچی
صدر میڈیکل اسٹور ایمرس مارکیٹ صدر کراچی
مسلم جنرل اسٹور لیاقت مارکیٹ ملیر کراچی
ابراہیم سن لیاقت مارکیٹ ملیر کراچی
ٹھٹھی انشاء جنرل اسٹور مدینہ مارکیٹ ریشم بازار
حیدرآباد۔
نیو ہلی دواخانہ و کوئز روڈ سکھر
پیرزادہ میڈیکل اسٹور بیرج روڈ سکھر
عاقل میڈیکل اسٹور گھن پور روڈ لاڑکانہ
طاہر شاپنگ سینٹر ریل بازار اوکاڑہ
علی ہومیو اسٹور اچھرہ موڑ لاہور
ایس اے ہومیو اسٹور ریلوے روڈ لاہور
راحیہ برادرز تحصیل بازار سیالکوٹ
پاکستان جنرل اسٹور کچہری بازار گوجرانوالہ
عظیم ہومیو سینٹر مدینہ مارکیٹ ستیانہ روڈ فیصل آباد
شاہی ہومیو دواخانہ پیپلوٹ بازار فیصل آباد
پنجاب جنرل اسٹور کچہری روڈ سرگودھا
شہناز جنرل اسٹور مدینہ مارکیٹ ستیانہ روڈ فیصل آباد
جرمن ہومیو اسٹور آردو بازار گوجرانوالہ
بادشاہ دی ہٹی ڈھوک کھبہ راولپنڈی
خالدہ دواخانہ مرافر بازار ایبٹ آباد
احسن محمود میڈیکل اسٹور سیان محمد روڈ نیلور
عوامی دواخانہ مین بازار مظفر آباد آزاد کشمیر
یو پی پنسار اسٹور ہری کشن روڈ۔ کوئٹہ
دکن پنسار اسٹور ہری کشن روڈ۔ کوئٹہ
انعام کیمسٹ شمسی روڈ مردان
سعید میڈیسن اسٹور اندرون لنگ گیٹ کوہاٹ
دارالشفاء مینا بازار نگروہ سوات
ملت دواخانہ گھنٹہ گھر پشاور
علی ہومیو اسٹور سرکلر روڈ گجرات
سٹی ہومیو اسٹور اقبال روڈ ملکی چوک راولپنڈی
لطیف کیمسٹ چاندنی چوک راولپنڈی
حمد رد دواخانہ مین بازار جہلم
جاں ہومیو اسٹور کربلا چوک ساہیوال
المدینہ جنرل اسٹور ریلوے روڈ راولاکوٹ
ابن سینا اسٹور گھنٹہ گھر بازار ڈیرہ غازی خان
گنجوی دواخانہ شاہی بازار بہاولپور
محمد صالحین اینڈ سنز موتی والے چوک بازار ملتان
حیی القیوم جنرل اسٹور ہسپتال روڈ چکوال

ڈسٹری بیوٹر:۔ ریاض محمود ۶۹ تیو عالمگیر مارکیٹ شاہ عالم لاہور ما بادشاہ دی ہٹی ڈھوک کھبہ راولپنڈی۔ فون:۔ ۵۰۲۹۰۳
محمد صالحین اینڈ سنز موتی والے چوک بازار ملتان۔
گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی۔ پی۔ پی پارسل منگوانے کے لیئے
حکیم اینڈ سنز۔ پوسٹ بکس 2159 کراچی 74600 پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں کرسکے گا۔"

میرے ذہن میں یہ بات پہلے سے موجود تھی کہ اکبر رانا' کھٹمل کے اغوا کے بعد تحفظ کے سلسلے میں بہت فکرمند تھا۔ یہی صورت اول خان کے ساتھ تھی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں تھا کہ کھٹمل کو عارضی امانت کے طور پر آدم خان کے آدمیوں کے حوالے کیا گیا تھا۔ وہ اسے جتنے دن اپنی تحویل میں رکھتے' مہمان کے طور پر رکھتے۔ کھٹمل کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ تاوان کے سوا کسی اور مقصد کے لئے آزاد علاقے میں پہنچایا گیا تھا۔

"کھٹمل کے ساتھ اب چوہدری سلام بھی ہماری لسٹ پر آگیا ہے تو اس کے خلاف بھی کچھ کام شروع ہوجانا چاہیے۔" میں نے رانا کو مشورہ دیا۔

"حکم کرو۔ جو چاہتے ہو اسی پر عمل شروع کردیا جائے گا۔" اس نے فوراً کہا۔

"یہ پتا چلاؤ کہ چوہدری سلام چار آدمیوں کے ساتھ کل اتنی رات گئے گجرات کیوں گیا تھا؟ اس کا پچھلی رات کا سفر میری نگاہوں میں کھٹک رہا ہے۔"

"تم کہہ رہے ہو تو خیال آرہا ہے کہ لوگ رات کے وقت اسلام آباد اور لاہور کے درمیان سفر سے گریز کرتے ہیں کیونکہ ٹرکوں کا رش زیادہ ہوتا ہے۔ بعض خطرناک مقامات پر ٹرکوں کی تیز روشنیاں کار چلانے والوں کو بالکل اندھا کردیتی ہیں۔" رانا بولا۔

"مجھے پورا یقین ہے کہ کھٹمل خود ہی چوہدری سلام کے خلاف بہت کچھ اگل دے گا لیکن ہمیں بھی کہیں نہ کہیں مصروف رہنا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"یہاں بظاہر کوئی زیادہ کام نہیں ہے۔ اکبر سمجھ دار آدمی ہے۔ میں ابھی اسے گجرات روانہ کئے دیتا ہوں۔ کل تک وہ بہت کچھ معلوم کرکے لوٹ آئے گا۔"

میں نے اثبات میں سرہلا دیا۔ آج کا کام کل پر چھوڑنا میری سرشت میں نہیں تھا۔

رانا کو دو کام مل گئے تھے۔ اکبر کی گجرات روانگی اور کھٹمل کی واپسی کے بارے میں اپنے چیف سے مشورہ۔ وہ اٹھ کر اپنے دفتر کی طرف چل دیا۔

"برا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں جو صبح سے میرے دماغ میں پھانس بن کر چبھ رہی ہے۔" رانا کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے تخلیے میں مجھ سے کہا۔

"تم نے سوال نہ کیا تو یہ پھانس رات بھر میرے دماغ میں چبھتی رہے گی۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "جو پوچھنا ہے' جلد از جلد پوچھ ڈالو!"

"ہمیں اسلام آباد آئے ہوئے چوبیس گھنٹے ہونے والے ہیں۔ ایس ٹی ایف کا چیف اسی شہر میں ہے۔ اس نے ابھی تک تم سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟"

وہ سوال میرے ذہن میں بھی ابھر چکا تھا۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا پھر بھی میں نے اس کا دل رکھنے کے لئے کہا۔ "اس کی اپنی کوئی مصلحت یا مجبوری ہوسکتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو' اسے فون کرکے معذرت ہی کرلینی چاہیے تھی۔ میں رانا سے پوچھوں گا۔"

"رانا سے ذکر بھی نہ کرنا۔ یہ معمولی سی بات بلاوجہ اہم بن جائے گی۔"

"معمولی نہیں' میرے نزدیک یہ بہت اہم بات ہے۔" اس نے قدرے تیزی سے کہا۔ "آدمی عزت کے لئے ہی اپنی جان لڑاتا ہے۔ عزت نہ ملے تو سب بیکار ہے۔"

"تمہاری دانست میں عزت صرف اسی کے دینے سے ملے گی؟ کیا یہ کافی نہیں کہ رانا تمہارے سامنے بچھا جارہا ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"میں اسی کی وجہ سے چپ ہوں ورنہ اب تک تم سے واپسی کا مطالبہ کرچکا ہوتا۔"

"تمہارا دل بہت چھوٹا ہے اسی لئے ذرا ذرا سی بات پر ویرا سے لڑپڑتے ہو۔ تم یہ بات کیوں بھول جاتے ہو کہ ہم آرمی' نیوی یا ایس ٹی ایف کے لئے کام نہیں کررہے۔ اپنے مشن کے لئے کام کررہے ہیں۔ ہیروئن کے حوالے سے ہم کھٹمل کے پیچھے لگے تھے لیکن دیکھ لو کہ جہانگیر کی رنگین مزاجی کے بہانے ہم نے اس کا دوسرا چہرہ بھی دیکھ لیا۔"

"تمہارا بڑا دل تم ہی کو مبارک ہو۔ میں چھوٹا آدمی ہوں اور چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے سہارے ہی زندہ رہتا ہوں۔ زندگی میں یہ بھی نہ ملیں تو زندہ رہنے کا فائدہ؟"

میں مسکرا کے رہ گیا۔ سلطان شاہ کی بعض باتیں بہت سادہ مگر دل نشین ہوتی تھیں جن سے میں اسی طرح محظوظ ہوا کرتا تھا۔

سوا آٹھ بجے کے قریب رانا واپس آیا۔ اس کے آتے ہی خدمت گار نے میز پر کھانا لگانا شروع کردیا۔ اس بار میں بولے بغیر نہ رہ سکا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ شخص تم کو بتا کریا تم سے پوچھ کر ہمارے لئے میز لگاتا ہے....."

"تمہارا پہلا خیال درست ہے۔" اس نے مسکرا کر میری تائید کی۔ "میں نے اسے ہدایت کی ہوئی ہے کہ میں دفتر میں موجود ہوں تو یہ مجھے تمہارے خورونوش کے اوقات سے آگاہ کرتا رہے تاکہ میں میزبانی کے تھوڑے بہت فرائض انجام دے سکوں۔"

"میزبانی تو خوب ہو رہی ہے مگر اصل میزبان کا دور دور تک پتا نہیں ہے۔" سلطان شاہ کو رانا کے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔

"اوہ!" اکبر رانا اس کا اشارہ فوراً ہی سمجھ گیا۔ "چیف کہیں مصروف ہے۔ کل سے میرا اور اس کا فون پر بھی رابطہ نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

ہوسکا۔"

"پھر کھٹول کی واپسی کے بارے میں تم نے کیا طے کیا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے پیغام چھوڑ دیا ہے۔ دس منٹ بعد چیف شاید یہاں کے نمبر پر فون کرے گا تو بات ہوگی۔ میں اکبر کو گجرات کے لئے روانہ کر آیا ہوں۔ وہ پہلی کوچ سے نکل جائے گا۔"

اکبر سے اس کے اہل و عیال کے بارے میں سرے سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ پنڈی یا اسلام آباد ہی میں رہتا تھا لیکن اول خان کی طرح وہ بھی اپنے کام کو گھریلو ذمے داریوں پر ترجیح دیتا تھا۔

اس وقت خاصی دیر ہو چکی تھی۔ اپنے چیف سے مشورے کے لئے اسے مزید کچھ دیر دفتر ہی میں رکنا تھا۔ وہ بھی ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوگیا۔

کھانے کے درمیان باتوں کا دور بھی چلتا رہا۔ اسے اپنے آدمیوں کی طرف سے مزید کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ بس اتنا بتایا گیا تھا کہ وزارتِ داخلہ کے بعض اہم دفاتر اس وقت بھی آباد تھے۔ ان دفاتر میں ہونے والی سرگرمیوں سے اس کے آدمی بے خبر تھے۔

ہم تینوں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد چائے نوشی میں مصروف تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور رانا نے ہی اٹھایا اور اس میں یس سر کہنے کے بعد ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں۔" دوسری طرف سے اول خان کے چیف کی ندامت آمیز آواز آئی۔ "پچھلی رات سے اب تک تم سے ملنے کے لئے نہیں آسکا۔"

"کوئی حرج نہیں۔" میں نے خوش دلی سے جواب دیا۔ "یہی کافی ہے کہ تم کو میرا خیال ہے۔ اب کام سے نمٹ کر ہی ملاقات بہتر رہے گی۔"

"کراچی میں اول خان ایڑی چوٹی کا زور لگا تا رہا' یہاں میں خود کیس کے پیچھے لگا ہوا ہوں تب کچھ نتائج سامنے آئے ہیں۔ آج رات کراچی میں کالو کرانی اور اس کے ساتھی کی گرفتاری کا پریس ریلیز جاری ہوجائے گا جس میں کھٹول کا ذکر بھی ہوگا۔"

مقبول ترین مصنف محی الدین نواب کی وہ کہانیاں جو ان کی شناخت ہیں

ان کی 8 بہترین کہانیوں کا مجموعہ

کا نیا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے

نئی کمپیوٹرائزڈ کتابت خوبصورت گیٹ اپ

قیمت 100 روپے' ڈاک خرچ 18 روپے

نوٹ: وی پی ارسال نہیں کیا جاتا۔ مبلغ 118 روپے کا منی آرڈر آج ہی روانہ کریں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23- رمضان چیمبرز بلوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ۔ کراچی 74200

فون: 2628517 فیکس: 2637960

Downloaded from https://paksociety.com

"گڈ!" وہ خبر سن کر میں واقعی خوش ہوگیا۔ "یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔"

"کچھ کام ہوگیا ہے۔ بہت سا کام باقی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کل کسی وقت میں فارغ ہوجاؤں گا۔ پینے پلانے کے لئے کوئی خواہش محسوس کرو تو رانا کو بلا تکلف بتا دینا۔ وہ بندوبست کردے گا۔ آج کل ریسٹ ہاؤس میں کچھ نہیں رہتا۔"

میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "اب روزِ ابر و شبِ ماہ تاب والی بات رہ گئی ہے۔ تم آؤ گے تو دیکھا جائے گا۔"

"تم یقین کرو کہ میں تم سے ملنے کے لئے بے تاب ہوں لیکن یہ بہت گندہ اور جان لیوا کیس ہے۔ تم نے اس میں قدم قدم پر کمال دکھائے ہیں۔ میں تمہاری اس محنت کو پوری طرح یار آور بنانے کی کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔"

اس کے ایک ایک لفظ سے خلوص کی بو آرہی تھی۔ سلطان شاہ نے اس کی طرف سے میرے دل میں جو غبار بھرا تھا' وہ چند ہی لمحوں میں زائل ہوگیا۔

اس سے بات ہونے کے بعد پتا چلا کہ اسلام آباد والوں پر کارکردگی دکھانے کا دورہ از خود نہیں پڑا تھا۔ ایس ٹی ایف کا سربراہ بذاتِ خود اس کیس کی پیروی کررہا تھا۔ اس نازک معاملے میں اپنے ماتحتوں کو پس منظر میں رکھ کر خود سازشی افراد کے خلاف سینہ سپر ہوجانا بڑی ہمت اور جرات کا کام تھا۔

چیف سے کوئی یہ سوال کرنے کی جرات نہیں کرسکتا تھا کہ چوہدری سلام کے گھر سے کھٹمل کو اٹھانے والے کون تھے۔

مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ وہ بہت مصروف تھا' اس کے پاس وقت کی کمی تھی۔ میں نے اس سے کھٹمل کی واپسی کے بارے میں کوئی بات نہیں چھیڑی کیونکہ اس نے دورانِ گفتگو میں ہی بتا دیا تھا کہ میرے بعد وہ رانا سے کچھ بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"سر! ہم ان سب مسائل پر غور کرچکے ہیں۔" اپنے چیف کی گفتگو سن لینے کے بعد رانا نے کہا۔ "فورس کو اس قضیے سے الگ تھلگ رکھنے کے لئے کرنل جمال دستی ایک رائے رکھتے ہیں۔"

دوسری طرف سے اجازت ملتے ہی رانا نے میری بتائی ہوئی تجویز دہرانی شروع کردی۔ اس کی بات مکمل ہونے کے اگلے ہی لمحے گفتگو ختم ہوگئی اور اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

اپنی تمام تر مصروفیات اور عجلت کے باوجود اس نے مجھ سے خاصی طویل گفتگو کی جس کے خاتمے پر میں نے ریسیور رانا کو لوٹا دیا۔

رانا نے فون پر نہایت ادب سے کھٹمل کی واپسی کا معاملہ بیان کرڈالا۔ وہ خاصی دیر تک اپنے چیف کا جواب سنتا رہا جو شاید اطمینان بخش نہیں تھا۔

"چیف نے تمہاری تجویز سنتے ہی منظوری دے کر فون بند کردیا۔ "اس نے خوش ہو کر مجھے بتایا۔" مجھے اندازہ نہیں تھا کہ چیف سے تمہاری اتنی بے تکلفی ہوگی۔ وہ تمہارے لئے اسکاچ وغیرہ کا بندوبست کرنے کے لئے بھی کہہ رہے تھے۔"

"نہیں' جب خواہش ہوئی' میں تمہیں خود بتا دوں گا۔" میں نے کہا۔

"کھٹمل کی واپسی کے سلسلے میں کیا کیا جائے؟" چند ثانیوں

فلم اور موسیقی سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یادگار تحریر

نوشاد کی کہانی ——— نوشاد کی زبانی

موسیقارِ اعظم

سال ہا سال سے کانوں میں رس گھولنے والا ایک مانوس اور ایسا مترنم نام کہ سنتے ہی دل و ذہن میں مدھر اور سُریلی موسیقی کی لہریں جاگ اٹھیں۔ غنائیت کے شہنشاہ شہرۂ آفاق موسیقار نوشاد علی کی آپ بیتی جس میں اپنے وقت کے بڑے بڑے فنکاروں اور غیر معمولی لوگوں کے حالات و واقعات بھی شامل ہیں۔

ماہنامہ سرگزشت دسمبر کا شمارہ خریدنا ہرگز نہ بھولیں

Downloaded from https://paksociety.com

بعد اس نے پوچھا۔

"طریقہ طے ہو چکا ہے لیکن عمل وقت پر ہی کیا جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ ہدایت دینے کے بعد اس کی واپسی میں کتنا وقت صرف ہوگا۔ یہاں سے پشاور اور پھر وہاں سے آزاد قبائلی علاقے کا فاصلہ خاصا طویل ہے۔ قاصد کو وہاں تک پہنچنے میں ہی آدھا دن لگ جائے گا۔"

"وہ سب پرانی باتیں ہیں۔" رانا نے بے پروائی سے کہا۔ "افغانستان کی لڑائی سے جہاں پاکستان میں ہیروئن اور ہتھیاروں کا سیلاب آیا ہے وہیں مواصلاتی آلات بھی آئے ہیں۔ سب کیمپ غیر قانونی وائرلیس ٹرانسمیٹرز کے ذریعے آپس میں مربوط ہیں۔"

"پیغام فوراً پہنچ جائے گا۔" میں نے تسلی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "اور اس کی رہائی میں کتنا وقت لگے گا؟ وہ پنڈی کب تک آجائے گا؟"

"سب کام اسی تیزی سے ہوں گے جس تیزی سے آج ہوئے ہیں۔ ایک گھنٹے میں وہ پشاور پہنچ سکتا ہے۔ پرواز مل گئی تو مزید ایک گھنٹا رکھ لو۔"

"کل صبح کارروائی کا آغاز ہوا تو وہ دوپہر یا زیادہ سے زیادہ شام تک یہاں آجائے گا!" میں نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔ اس کا جواب اثبات میں تھا۔

تقریباً سب کچھ طے ہو گیا تھا۔ وہ صبح سویرے ملاقات کا وعدہ کر کے ہم سے رخصت ہو گیا۔

میں ریسٹ ہاؤس کے فون پر فورس کے چیف سے بات کر چکا تھا لیکن اول خان سے رابطہ کرنے پر طبیعت مائل نہیں ہو رہی تھی۔ فون پر کسی گڑبڑ کا اندیشہ میرے ذہن کے کسی گوشے میں چھپا بیٹھا تھا۔ میری خواہش تھی کہ اول خان جہانگیر کے گھر سے دوبارہ مجھ سے رابطہ کرے تو میں اسے تازہ ترین خبروں سے آگاہ کر کے کراچی کے بارے میں کچھ دریافت کر سکوں۔

اول خان اپنے چیف کی طرح نہ جانے کن مسائل میں الجھا ہوا تھا کہ اس کا فون نہیں آیا اور اسی انتظار میں نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح بیدار ہوتے ہی میں نے اخبارات پر چھلانگ لگائی اور متعدد اخبارات میں سے چھانٹ کر کراچی کا اخبار نکال لیا جو رانا نے شاید میری پسند کے پیشِ نظر منگوایا تھا۔

صفحۂ اول کی ذیلی سرخی کلفٹن کے سانحے کے دو ملزموں کی گرفتاری اور ان کے سنسنی خیز انکشافات کے بارے میں تھی۔ میں نے اضطراری انداز میں سگریٹ سلگائی اور میز کے گرد ایک کرسی پر بیٹھ کر پوری خبر کا مطالعہ شروع کر دیا۔

اصل خبر پولیس ہینڈ آؤٹ کے حوالے سے تھی۔ اس میں اقرار کیا گیا تھا کہ کالو کمرائی نے چھ افراد کے قتل کے سانحے کا مروح رواں کھٹمل کو قرار دیا تھا جس کے دو اہم گرگے اس واردات میں مارے گئے تھے۔

اس پریس ریلیز میں ملزمان میں سے کسی کا پورا بیان شامل نہیں تھا۔ چیدہ چیدہ نکات جمع کر کے ایک جامع خبر بنائی گئی تھی۔ خبر کے آخر میں وضاحت کی گئی تھی کہ مزید تفتیش کے لئے پولیس کھٹمل کو شہر میں تلاش کر رہی تھی۔

اس بڑی خبر کے نیچے اخبار نے اپنے ذرائع سے مزید کئی ذیلی خبریں شائع کی تھیں۔ ایک خبر کا عنوان تھا۔ "کھٹمل کہاں روپوش ہے؟"

ایک طرف پولیس کی بے خبری کا یہ عالم تھا کہ وہ ضابطے کی کارروائی پوری کرنے کے لئے کھٹمل کو شہر میں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ دوسری طرف اخبار اپنے ذرائع سے اس کی اسلام آباد میں موجودگی اور پھر وہاں سے پُراسرار اغوا کی خبر دے رہا تھا۔

اخبار نے کھٹمل کی مضبوط مالی حیثیت اور بے پناہ اثر و رسوخ کے حوالے سے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ اس کے اغوا کی اطلاع روپوشی کا کوئی ڈراما بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ اسے اپنے ذرائع سے آنے والے برے وقت کی خبر مل گئی ہو اور اس نے قانون کی گرفت سے بچنے کے لئے خود ہی اپنے اغوا کا ڈراما رچا کر کہیں روپوشی اختیار کر لی ہو۔

اس ضمن میں اس کے گہرے دوست چوہدری سلام کی طرف سے اسلام آباد میں درج کرائی جانے والی ایف آئی آر کا بھی حوالہ دیا گیا تھا جو اخبار کے اندازے کے مطابق ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کی کوشش کہی جا سکتی تھی۔

کھٹمل ان واقعات سے پہلے بھی فرشتہ صفت نہیں رہا تھا لیکن بے نقاب نہیں ہوا تھا۔ دہشت گردی کے واقعے میں باقاعدہ طور پر اس کے ملوث ہونے کے بعد اخبار میں اسے آڑے ہاتھوں لیا گیا تھا۔

کھٹمل کے گھر ہونے والی تقریب میں ڈیکیتی کی نام نہاد واردات نے بھی اخبارات میں جگہ پائی تھی۔ اس کی اہمیت یوں بھی بڑھ گئی تھی کہ اس واردات میں دہشت کے باعث دل کا دورہ پڑنے کے سبب ایک معزز مہمان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

اخبار نے سوال اٹھایا تھا کہ کلفٹن میں بارود اور خون کی ہولی کے اسباب مہیا کر کے کھٹمل نے اپنے گھر محفلِ طرب و نشاط سجا کر کیا مقصد حاصل کرنا چاہا تھا اور اس تقریب کو برباد کرنے والے کون لوگ تھے۔

Downloaded from https://paksociety.com

اس ڈکیتی کی ایف آئی آر اور اس بارے میں ہونے والی پیش رفت بھی اخبار کے کھوجی نامہ نگار سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی۔ ایف آئی آر کا اندراج، تفتیش، خود کھٹمول کی خواب گاہ سے ڈکیتی کا مال برآمد ہونا، تقریب کے شرکا کا اپنی قیمتی اشیا کو پہچان لینا اور پھر اچانک سب کچھ ختم کردیا جانا۔ یہ تمام تفصیلات اخبار کے ریکارڈ پر آگئی تھیں۔

صرف دو پہلو ان خبروں کی زد میں آنے سے بچ گئے تھے۔ ان میں پہلا کھٹمول کے بزدلانہ فرار کا واقعہ تھا، دوسرا اس کیس کے سلسلے میں آف دی ریکارڈ بریفنگ کا انعقاد۔

ان دو نکات کو چھوڑ کر اخبار نے ہر اعتبار سے کھٹمول کی شخصیت کے چیتھڑے اڑا کر رکھ دیے تھے۔ اس کے خلاف چھاپا مارنے والا وہ مواد اسے کسی بھی عدالت سے سزایاب کرانے کے لئے اسی صورت میں کار آمد ثابت ہوسکتا تھا جب ان کی تصدیق کے لئے ثبوت فراہم کیے جاتے۔

ثبوت فراہم کرنے کی ذمے داری جن افراد اور اداروں کی تھی، ان کی کارکردگی میں قرینی معاونت کے لئے ایس ٹی ایف کے فرض شناس اہل کار پہلے ہی میدان میں اترے ہوئے تھے۔

ایک حلقے میں یہ خبر بھی موجود تھی کہ اسلام آباد میں کھٹمول کے میزبان اور ممتاز سیاسی رہنما چوہدری سلام کو پچھلی شام ملک سے باہر جانے سے روک دیا گیا کیونکہ اس کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل ہوچکا تھا۔

چوہدری سلام کے بارے میں زیادہ تفصیلی اور سنسنی خیز مواد لاہور کے اخبار نے شائع کیا تھا۔ اخبار نے اس کے بیرونِ ملک سفر سے روکے جانے کو کھٹمول کیس کا شاخسانہ قرار دیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے ماضی کے سفر کا خلاصہ بھی بیان کردیا گیا تھا جو اس نے مومستری کے روپ میں لاہور کے ایک فٹ پاتھ سے شروع کیا تھا۔

دونوں مجرم بہت بری طرح اور اچانک ہی قانون کے شکنجے میں آئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے اعمال کی معقول سزا سے کسی صورت میں نہیں بچ سکیں گے۔ ان کے خلاف کالو مکرانی ہمارا سب سے مضبوط ہتھیار تھا۔ میں اخبارات میں اپنے مطلب کی خبریں چھانٹنے میں مصروف تھا کہ اکبر رانا آپہنچا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ دن تمہارے عروج کے ہیں۔ تمہاری زبان سے نکلی ہوئی ہر بات لفظ بہ لفظ درست ثابت ہوتی چلی آرہی ہے۔" اس نے آتے ہی مسرت سے اطلاع دی۔

"کیوں؟ اب میں نے کیا کہہ دیا؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"اکبر ابھی گجرات میں ہی رکا ہوا ہے۔ اس نے مجھے فون پر اطلاع دی ہے کہ پرسوں رات چوہدری سلام بیس کلو ہیروئن کا کارٹن گجرات پہنچانے گیا تھا۔ راستے میں چھان بین اور تلاشی سے بچنے کے لئے وہ گجرات تک خود ہی مال لے کر جاتا ہے تاکہ ضرورت پڑنے پر اپنی سیاسی شخصیت سے ناجائز فائدہ اٹھا سکے۔" رانا نے مجھے بتایا۔

"حیرت ہے کہ اکبر نے یہ باتیں اتنی آسانی سے معلوم کرلیں!"

"اس نے صرف یہ سراغ لگایا کہ چوہدری سلام گجرات میں کہاں گیا تھا۔ باقی باتیں خود بخود سامنے آگئیں۔ اس کے میزبان کے گھر سے غلام علی نامی ایک بدمعاش وہ کارٹن لے گیا تھا۔ غلام علی گجرات سے لاہور تک ہیروئن کا ایک بدنام سپلائر ہے۔ دو اور دو کی طرح ایک فیصلہ کرکے اکبر غلام علی کے گھر جا پہنچا۔ وہ ایکسائز افسر کے روپ میں گیا تھا۔ تمہیں یہ سن کر مزید حیرت ہوگی کہ غلام علی نے اسے اپنی زبان بند رکھنے کے لئے دس ہزار کی رشوت دی ہے۔"

ہیروئن..... ہیروئن..... ہیروئن! میرا دماغ چکرا کر رہ گیا۔ ہر بڑی برائی کے پردے میں ہیروئن ناچ رہی تھی۔ پاکستان سے امریکا تک اور امریکا سے پاکستان تک، بیشتر اور بڑے بدمعاشوں کی جیب میں ہیروئن کا سرمایہ کُل کھلا رہا تھا۔

نام بدلے ہوئے تھے، کردار سب کے سب وہی تھے۔ راس المیڈا، آئزک بیل، کھٹمول اور چوہدری سلام۔ ان سب کی آرزوئیں اور خواہشیں یکساں تھیں، آمدنی کے ذرائع ایک جیسے تھے اور شاید زندہ رہ جانے والوں کا انجام بھی یکساں ہی ہونا تھا۔

فون کی گھنٹی کی تیز آواز نے مجھے چونکا دیا۔ اس بار رانا کو اپنے چیف کی کال کا انتظار نہیں تھا اس لئے اس نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی۔ میں نے بڑھ کر ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے اول خان کی بجھی بجھی آواز سن کر میرا دل دھک سے رہ گیا۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان معلوم ہورہے ہو۔" میں نے سنبھل کر پوچھا۔

"بات ہی کچھ ایسی ہے۔" اس کی آواز میں مزید آزردگی سمٹ آئی۔ "آج صبح سویرے کالو مکرانی کو پولیس سے سی آئی اے کی تحویل میں منتقل کرتے ہوئے نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں مار دیں۔"

میرے کان سن ہوگئے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی آواز کسی بہت گہرے اندھے کنوئیں کی تہ سے آرہی ہو۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

نگالیا۔ اول خان نے سلمٰی سے ریوالور جھپٹا تو وہ شرمندہ ہو کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ اسی وقت فون پر جہانگیر نے اطلاع دی کہ اس کی دکان کے باہر دو بدمعاش موجود ہیں۔ اول خان اور سلطان شاہ کو کھنول کی تلاش میں حیدر آباد روانہ کرکے میں ایس پی ایف کے آدمی کے ساتھ جہانگیر کی مدد کو پہنچ گیا۔ ان میں سے ایک بدمعاش کالو مکرانی کسی زمانے میں جہانگیر کے ساتھ کام کر چکا تھا۔ اب وہ جہانگیر کے ذریعے میرا کھوج لگا کر انعام کی بھاری رقم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ہم دونوں بدمعاشوں کو اسٹیشن فورٹ لے آئے جہاں ان کے تعدد کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے قتل پر ہونے والی فائرنگ میں وہ لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکما دے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کردیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورتِ حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کھنول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت کردی۔ اول خان نے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کامیاب منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کھنول کو اس کے پشت پناہ چوہدری سلام کے گھر سے اغوا کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچادیا۔ کھنول کے سلسلے میں اچانک حالات ہمارے موافق ہوگئے۔ کالو مکرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنادیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کھنول کا پشت پناہ چوہدری سلام ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے فون کرکے بتایا کہ کالو مکرانی کو نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں ماردیں۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

کالو مکرانی، کھنول کے خلاف ہمارا اکلوتا اور مضبوط گواہ تھا۔ ایس پی ایف والے اس بار سوخ مجرم کو قانون اور انصاف کے تقاضوں سے ماورا کوئی سزا دینے کے لیے تیار نہیں تھے جب کہ کھنول کو کسی بھی عدالت سے سزایاب کرانے کے لیے اس کے خلاف گواہوں کی موجودگی ضروری تھی۔

اول خان کی زبان سے کالو مکرانی پر ہونے والے قاتلانہ حملے کی خبر سن کر چند ثانیوں کے لیے میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کھنول اپنے ہونٹوں پر زہریلی بجھی ہوئی ایک طنزیہ مسکراہٹ لیے، دور کھڑا انگوٹھا دکھا رہا ہو۔

"اسے ہلاک کرنے والے کون لوگ تھے؟" ابتدائی ذہنی جھٹکے سے سنبھل کر میں نے پوچھا۔

"وہ مرا نہیں، بری طرح زخمی ہوا ہے۔" اول خان نے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس پر فائرنگ کا ذکر کیا تھا۔ ایک گولی اس کی گردن میں لگی ہے۔ دوسری بازو میں پیوست ہوئی ہے۔ دو موٹر سائیکلوں پر سوار حملہ آور بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔"

"اس کی حالت تشویش ناک تو نہیں ہے؟" میں نے متفکرانہ لہجے میں پوچھا۔

"ڈاکٹر اس کی جان بچانے کی سرتوڑ کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔" اول خان کی آواز گمبھیر تھی۔ "گردن میں لگنے والی گولی ریڑھ کی ہڈی تک پہنچنے والے اعصاب کو بس چھوتی ہوئی گزری ہے۔ ان اعصاب اور عضلات کو ذرا بھی زیادہ نقصان پہنچتا تو وہ گولی لگتے ہی ہلاک ہوسکتا تھا۔"

وہ تفصیل خاصی تسلی بخش تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ اول خان کے آخری فقرے بہت امید افزا تھے۔

"کالو مکرانی کو پولیس سے سی آئی اے کی تحویل میں منتقل کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟" قیدی کی زندگی کی امید پیدا ہوتے ہی میرے ذہن میں دوسرے نکات سر ابھارنے لگے۔

"کالو مکرانی کی جان کی حفاظت کے لیے یہ ہدایت براہِ راست آئی جی نے جاری کی تھی۔"

وہ ابتدا سے ہی خود کو کھنول کی خیرخواہ ثابت کرتا چلا آرہا ہے۔" میں نے غصے سے کہا۔ "میں دعویٰ کرتا ہوں کہ کالو مکرانی کو راستے سے ہٹانے کی سازش میں وہ بھی شریک تھا۔"

"میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔ اس سے بھی زیادہ کر میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ آئی جی نے اس کو ایک اصول پرست اور باضمیر ایس ایچ او کے چنگل سے نکالا ہے۔ کیس کی تفتیش سی آئی اے کو منتقل ہوتے ہی تفتیشی افسر بھی بدل جاتا۔" اول خان بولا۔

"یہ بہت دور کی بات ہوتی۔ پہلی اور بنیادی کوشش کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ اسے لاک اپ سے نکال کر کھلی فضا میں لایا گیا جہاں پہلے سے موجود حملہ آوروں نے گھات لگا کر اس پر گولیاں برسادیں۔ ایسے اچانک اور مہلک حملے میں اس کا بچ جانا کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔"

"واقعات اتنی تیزی سے رونما ہو رہے ہیں کہ اب کوئی بھی ان سے چشم پوشی کرکے سارا الزام اپنے سر لینے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس خوشامدی آئی جی نے اپنے کسی اعلیٰ افسر کو خوش کرنے کے لیے معمول کے مطابق اس کے ٹیلی فون کے مطابق عمل کیا ہوگا۔ یہ اندر کی کہانی ہوسکتی ہے۔ کاغذوں پر اس واقعے کی پوری ذمے داری آئی جی پر ہے۔"

"پھر اس کے خلاف کیا کارروائی ہوئی؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"فی الحال اس کا ہیڈ کوارٹرز میں تبادلہ کردیا گیا ہے۔" اول خان کی آواز دھیمی تھی۔

"صرف تبادلہ؟" میں حیرت اور غصے کے عالم میں تقریباً

Downloaded from https://paksociety.com

چیخ پڑا۔ "ایک بڑے جرم کے ساتھ سازش میں شرکت کے نمایاں ثبوت کے بعد محض تبادلہ کردینا تو ایک مذاق ہے۔"

"بڑے عہدوں پر فائز بیوروکریٹس کو اچانک اس سے بڑی سزا نہیں دی جاسکتی۔" اول خان نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ "آپس کی پیشہ ورانہ رقابتوں کے باوجود سرکاری افسروں کی برادری کسی مافیا کی طرح منظم اور مربوط ہے۔ ہوسکتا ہے کہ پورے حقائق سامنے آنے کے بعد اسے معطل کرکے ضابطے کی کارروائی شروع کردی جائے۔ ابھی یہی کافی ہے کہ وہ صوبے میں اپنے اقتدار اور اختیار سے محروم ہوکر ایک بند دفتر میں جا بیٹھا ہے۔"

"پولیس بڑے مجرموں اور قوم کا سارا مال ہڑپ کر جانے والے مگرمچھوں پر اوپر والوں کی اجازت کے بغیر ہاتھ نہیں ڈال سکتی، عدالتیں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے قاتل کو دوسرے روز پھانسی کی سزا نہیں سنا سکتیں، بیوروکریٹس کو ان کی غداریوں اور مفاد پرستیوں پر سزا نہیں دی جاسکتی تو پھر ہم کن سنگی دیواروں سے اپنے سر ٹکرا رہے ہیں؟" میرا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا۔

"یہ چھوٹی بڑی گراریوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو فرسودہ ہوجانے کے باوجود ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے۔ ایک دوسرے سے رگڑ رگڑ کر ساری گراریاں خراب مگر یکساں ہوچکی ہیں۔ ان میں کہیں بھی صرف ایک نئی گراری ڈال دی گئی تو شور کے ساتھ ہی سب کچھ ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائے گا۔ پورا سسٹم بیٹھ جائے گا۔ تم ان چکروں میں مت پڑو۔"

"حیرت ہے، تم مجھے ان جیسا بن جانے کا مشورہ دے رہے ہو....." میری بات ادھوری رہ گئی۔

"سسٹم میں وہی کچھ برقرار رہتا ہے جو اس سے مطابقت رکھتا ہو۔" اول خان میری بات کاٹ کر بولا پڑا۔ "باقی سب کچھ اس چکی میں پس کر بے نام و نشان ہوجاتا ہے۔"

"اگر میں تمہاری بات مان لوں تو پھر ایس ٹی ایف کے وجود کا جواز کہاں تلاش کروں گا۔"

"اسپیشل سیکیورٹی فورس محض اس لیے زندہ اور فعال ہے کہ یہ سسٹم میں شامل نہیں ہے۔ اس سے باہر رہ کر کام کرتی ہے۔ اپنے فیصلوں کے لیے پوری طرح خودمختار ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارا سربراہ بھی سلطنت کے کسی ایک ذمے دار کو جواب دہ ہوگا۔"

"کیا اس سسٹم کو ایس ٹی ایف کے سانچے میں نہیں ڈھالا جاسکتا؟" میں نے پوچھا۔

وہ تلخی سے ہنس پڑا۔ "اس سے ملوکیت بلکہ آمریت کی بُو آتی ہے جو مغربی دنیا کو ذرا بھی پسند نہیں ہے۔ وہ صرف جمہوری معاشروں کی پشت پناہی کرتی ہیں۔"

"تاکہ ان کو اپنی سازشوں کے لیے آسانی سے تیار ایندھن اور مواد ملتا رہے؟"

"ان باریکیوں کو تم سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے! میں تو ایک ادنیٰ سا سپاہی ہوں۔"

"مجھے کچھ ایسا محسوس ہورہا ہے جیسے دشمنوں سے کہیں بڑھ کر ہمارے اپنے دشمن ہیں۔ ہر ایک حسب توفیق ہماری کوششوں کو سبوتاژ کرنے میں لگا ہوا ہے۔"

"ڈینی! تم یقین کرو کہ تم خوش نصیب ہو۔" اس نے مجھے دلاسا دیا۔ "موجودہ حالات میں تم نے جتنی تیزی سے اور جو کچھ نتائج حاصل کیے ہیں، وہ حیران کن ہیں۔"

"کالو مگرانی زخمی ہوکر اسپتال پہنچا ہوا ہے۔ اب ہمارا لائحہ عمل کیا ہوگا؟"

"کھٹمول کو آزاد علاقے سے واپس لاکر قانون کی تحویل میں دینا ہمارا پہلا ٹارگٹ ہے۔" اس کا لہجہ پُرعزم تھا۔ "کالو مگرانی کا بیان ریکارڈ پر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ زندہ رہے گا اور عدالت میں کھل کر اپنے بیان کی توثیق کرے گا۔"

"میں حیران ہوں کہ کھٹمول کے معاملے میں تم قانون کی دُم سے کیوں لٹکے ہوئے ہو؟" میں نے جھلا کر کہا۔ "اس سے پہلے ہم کئی مجرموں کو جہنم واصل کرچکے ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ کلفٹن پر ہمارے فلیٹ پر شب خون مارنے

دل دل پاکستان

ملکۂ کوہسار مری اور ملک کے جنت نظیر شمالی علاقہ جات کی سیر کے پروگرام مارچ تا ستمبر ۱۹۹۶ء

تفصیلات کے لیے ۵۰ روپے کا منی آرڈر یا پوسٹل سرٹیفکیٹ بھیجیں۔ جہلم سے شازیہ محمود اور سکھر کے طارق مکمل پتہ بھیجیں اور دیگر شائقین بھی خیال رکھیں کہ نام پتہ مکمل تحریر کرنا ہے۔

صدر انٹرنیشنل ٹورسٹ کلب ۸۲۵/آر سیکٹر ۹
نارتھ کراچی _____ کراچی ۷۵۸۵۰

فون نمبر _____ ۶۴۵۹۶۱

Downloaded from https://paksociety.com

والوں میں سے دو کو ہم نے ٹھکانے لگایا' چار کو تمہارے آدمیوں نے مارا تھا۔"

"وہ مسلح تھے اور گولیاں برسا رہے تھے....." اس نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

میں نے اس کی بات اڑا دی۔ "ہم نے نہتے مگر خطرناک غداروں کو بھی مارا ہے!"

"میں مانتا ہوں' تم سے بحث نہیں کر رہا۔" اپنے لہجے سے وہ معذرت خواہ محسوس ہو رہا تھا۔ "کھٹومل کے بارے میں اوپر سے کچھ ہدایت ہے۔ یہ حساس سیاسی معاملہ بن سکتا ہے۔ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ کھٹومل پورے ملک میں اور خاص طور پر سندھ میں ایک مقبول اقلیتی لیڈر ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ ایک افواہ سے بھی ہو رہا ہے۔"

"وہ افواہ کیا ہے؟" اس کی بات سن کر میں غیر ارادی طور پر سوال کر بیٹھا۔

"سنا ہے کہ کھٹومل کے خلاف کالو مکرانی کے بیان کے اجرا اور پھر اس کے اغوا کو امریکی حکومت نے انتقامی کارروائی قرار دیتے ہوئے پاکستان سے احتجاج کیا ہے۔"

"یہ ہمارا مقامی اور اندرونی معاملہ ہے۔ امریکا اسے انتقامی کارروائی کیسے قرار دے سکتا ہے؟"

"میں اس افواہ کی تصدیق کی کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ وزارت خارجہ کے پٹارے سے خبریں ذرا مشکل سے ہی نکلتی ہیں۔ اگر یہ افواہ سچ ثابت ہوئی تو کل کلاں کو انسانی حقوق اور انفرادی آزادیوں کے حوالے سے بھی کسی مہم کا آغاز ہو سکتا ہے۔"

"انہوں نے یقینی طور پر یہی کہا ہوگا کہ کھٹومل نے اپنی ایف آئی آر میں ڈینی کو مجرم قرار دیا ہے۔ اس رپورٹ کے نتیجے میں ڈینی کی تلاش کی مہم کو تقویت ملی ہے۔ اس کا بدلہ لینے کے لیے اب پاکستان میں کھٹومل کو زیادتیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"میں اس وقت کوئی رائے دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں لیکن گمان یہی ہوتا ہے۔ کل پیش آنے والے تمام واقعات آج کے اخبارات میں رپورٹ ہوئے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ امریکیوں کو کل ہی پتا چل گیا تھا کہ کھٹومل کے گرد گھیرا تنگ ہو چکا ہے۔"

"اب بات سمجھ میں آئی۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "کسی کو پہلے ہی شبہ ہو چکا ہے کہ کھٹومل کو مارا گیا تو اسے امریکی انتقامی قتل قرار دے کر شدید احتجاج کریں گے۔"

"احتجاج سے بات آگے بڑھ گئی ہے۔ کھٹومل کے آدمی از خود کالو مکرانی پر ناکام قاتلانہ حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ گہری سازش اونچے پیمانے پر تیار کی گئی ہے۔ اس میں اہم ترین کردار آئی جی کا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نادانستگی میں سازشی عناصر کا آلۂ کار بنا ہو۔ اس بات کا تعین بعد میں ہوتا رہے گا۔ سارا کھیل اس کے حکم نامے کے بعد شروع ہوا۔"

"تمہارا نکتہ میری سمجھ میں آ رہا ہے۔ میری تلاش کے سلسلے میں امریکی سراغرساں پہلے ہی کراچی آئے ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اب انہوں نے اپنی توجہ کھٹومل کی طرف مبذول کر دی ہو۔"

"یہ امکان میرے ذہن میں آ چکا ہے۔" اول خان نے میری تائید کی۔

"بس' اب کالو مکرانی کی حفاظت کرتے رہو۔ اسپتال میں اس پر دوبارہ کوئی قاتلانہ حملہ ہو سکتا ہے۔ یہ امریکی جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں' اسے پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑتے۔"

اول خان سے وہ طویل گفتگو ختم ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا۔ "یہ بتاؤ کہ ہماری دیسی سی آئی اے اور امریکی سی آئی اے کی کارکردگی میں اتنا فرق کیوں ہے؟"

"ان ناموں پر نہ جاؤ۔ دونوں کے ڈھانچے یکسر مختلف ہیں۔" میں نے سگریٹ سلگا کر اسے ٹالنے کی کوشش کی مگر وہ اٹک گیا۔

"انہوں نے دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچایا ہوا ہے' ہمارے والے نکّے نکّے کے اچکوں کو مار لگا کر خوش ہوتے رہتے ہیں۔ آخر یہ کب ان کی سطح تک پہنچیں گے؟"

میں نے غصے اور بے بسی سے اسے گھورا پھر چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا۔ "تم ملک سے باہر کی ہوا کھا کر فر فر انگریزی ضرور بولنے لگے ہو لیکن تمہاری معلومات صفر سے کچھ ہی زیادہ ہیں۔"

"کیا میرے سوال کا معلومات سے بھی کوئی تعلق ہے؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔

"امریکا میں یہ ادارہ سینٹرل انٹیلی جنس ایجنسی کہلاتا ہے اور وفاق کے تحت کام کرتا ہے۔ ہمارا ادارہ کریمنل انوسٹی گیشن ایجنسی ہے۔ یہ صوبائی سطح پر صرف جرائم کی تفتیش تک محدود رہتا ہے۔ اس سے باہر کے معاملات دوسرے ادارے سنبھالتے ہیں۔"

"سمجھ گئے۔" وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "میں

Downloaded from https://paksociety.com

بلاوجہ ہی یہ موازنہ کرکے کڑھتا رہتا تھا۔"

"بے خبری اس قسم کے احساسِ کمتری کا سبب بنتی رہتی ہے۔ کچھ پڑھتے پڑھاتے بھی رہا کرو۔"

"مار دھاڑ سے فرصت ملے تو پڑھنے کا دھیان بھی آئے۔ جب ہر طرف سکھ چین کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں تو تم خود کوئی مسئلہ تلاش کرلیتے ہو....."

"شاید کھٹو مل کے غنڈوں کو میں نے فلیٹ پر مدعو کیا تھا؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ آئے تھے، چھ آدمی گنوا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ قصہ ختم ہوگیا مگر کھٹو مل تمہارے دماغ پر اس بری طرح سوار تھا کہ تم نے کالو مکرانی کو پکڑلیا۔"

"اسے میں نے نہیں پکڑا، جہانگیر نے پکڑوایا تھا۔ اس کے ناکام عشق کا نتیجہ میرے کھاتے میں مت ڈالو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"اول خان سے تم یبرو کرسی اور افواہوں کے بارے میں کیا باتیں کررہے تھے؟" اس نے متجسس لہجے میں اچانک ہی موضوع بدل دیا۔

ٹیلی فون پر ساری گفتگو اس کی اور اکبر رانا کی موجودگی میں ہوئی تھی۔ ان دونوں کو وہ تفصیل جاننے کا پورا حق حاصل تھا۔ میں نے انہیں کراچی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

"کھٹو مل کا مذہب جو بھی ہو، اس کی شہریت پاکستانی ہے۔ وہ ایک پاکستانی ہوکر تمہارا بدترین دشمن ثابت ہورہا ہے جب کہ جینی امریکی لڑکی ہے۔ وہ تمہارا ایسا دم بھرتی ہے کہ اس نے تمہارا غلط خاکہ بنوا کر کھٹو مل کے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

"گاؤں، شہر، قبیلے اور ملک باہمی پہچان کے لیے ہوتے ہیں۔ ہمارے مذہب میں ان کی مخالفت نہیں ہے مگر اس بنیاد پر کسی کو کسی پر افضل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بنیادی بات یہ ہے کہ ہم سب انسان ہیں۔ ہر جگہ اچھے اور برے لوگ پائے جاتے ہیں۔ کھٹو مل ایک بدترین اور غدار پاکستانی ہے جب کہ جینی ایک مہربان اور نرم دل امریکی لڑکی ہے۔" میں نے

فلسطین کی جنگ آزادی میں شامل ایک پاکستانی جاں باز کی ناقابل فراموش جدوجہد

جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں ..... جب خون جگر برفاب ہوا

جاسوسی ڈائجسٹ میں سلسلے وار شائع ہونے والی مقبول ترین کہانی

علی یار خان کی سرگزشت

مجاہد

کتابی صورت (گیارہ حصوں میں مکمل) عنقریب

قیمت فی حصہ -/50 روپے ..... ڈاک خرچ -/16 روپے

گیارہ حصے ایک ساتھ منگوانے پر رعایتی قیمت صرف /450 روپے

رعایت حاصل کرنے کے لئے پوری رقم پیشگی بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں

کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس 23

رمضان چیمبرز۔ بلموریا اسٹریٹ (نزد دفتر اخبار جنگ) آئی آئی چندریگر روڈ کراچی۔ 74200

Downloaded from https://paksociety.com

جواب دیا۔

"تم اعترافِ جرم کررہے ہو۔" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "ویرا کو یہی شکوہ ہے کہ جینی اس کی دوست ہونے کے باوجود تم پر ضرورت سے زیادہ مہربان تھی۔"

"تم نرے الّو ہو۔ میں نے مہربان ہونے کا تذکرہ کسی ذومعنی مفہوم میں نہیں کیا تھا۔"

"یہ تم جانو۔ ایک جوان، خوبرو اور آزاد خیال عورت کے مہربان ہونے کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے۔ ویرا اس سے واقف ہے۔ ہوسکے تو تم اسے دوسرے معنی سمجھا دینا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں آپس میں اتنے بے تکلف ہو۔" اکبر رانا نے ہم دونوں کے درمیان ہونے والی وہ گفتگو سن کر خوشگوار لہجے میں کہا۔ "کام کے وقت ڈسپلن اور فاصل اوقات میں مکمل مساوات ایس ٹی ایف کا بنیادی اصول ہے۔ اسی طرح افسروں اور ماتحتوں کے درمیان حیرت انگیز مفاہمت پیدا ہوتی ہے جس کے نتائج کارکردگی پر اچھا اثر ڈالتے ہیں۔"

"تم نے گجرات میں چوہدری سلام کی سرگرمیوں کی خبر سنادی، کراچی میں کالو کے زخمی ہونے کی خبر سن لی۔ اب یہ بتاؤ کہ کھٹمول کب آرہا ہے۔" میں نے کہا۔

"اس کی واپسی کا پیغام دیا جاچکا ہے۔ تم ناشتا کرلو پھر ہمیں پیرودھائی کی طرف جانا ہوگا۔"

"افغان مہاجروں کے امدادی کیمپ میں؟" سلطان شاہ نے چونک کر سوال کیا۔

"آدم خان وہیں ملتا ہے۔ اس سے تازہ ترین پوزیشن معلوم ہوسکے گی۔"

"کیا اس کیمپ میں فون نہیں ہے؟" سلطان شاہ کے پاس اگلا سوال تیار تھا۔

"ان لوگوں کو وسیع رینج میں کام کرنے والے مفت کے لاسلکی آلات میسر ہیں تو وہ فون کے بکھیڑوں میں کیوں پڑیں؟ ان کے بیشتر مفادات آج بھی افغانستان کی سرزمین سے وابستہ ہیں۔ وہاں سے مسلسل رابطے کے لیے طاقتور وائرلیس سیٹ موثر رہتے ہیں۔"

"جب سے یہ عقدہ کھلا ہے کہ پاکستان میں ہیروئن اور ہتھیاروں کی بھرمار افغانستان میں روسی مداخلت کے بعد شروع ہوئی ہے، مجھے مظلوم اور بے بس افغانوں سے بھی خوف آنے لگا ہے۔ یہ تباہ کن لعنتیں ہم پر مسلط کرنے والے کوئی بھی رہے ہوں، افغان اپنی مجبوریوں کی وجہ سے آلۂ کار بنے ہیں۔" سلطان شاہ نے بے لاگ انداز میں اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"پیرودھائی جانے سے ڈر رہے ہو تو تمہارے ساتھ جبر نہیں کیا جائے گا۔" میں نے ہلکے پھلکے انداز میں وہ سنگین موضوع ٹال دیا۔ "ہم دونوں آدم خان سے مل لیں گے۔"

"تم میری بات کو مضحکہ رنگ دینے کی کوشش..." سلطان شاہ نے احتجاج کرنے کی کوشش کی مگر میں نے درمیان سے ہی اس کی بات اڑا دی۔

"اس موضوع پر اب تم ایک لفظ بھی نہیں بولو گے۔ ہم اس بحث میں الجھ گئے تو دوسری اہم تر باتوں کو بھول بیٹھیں گے۔"

ناشتے کے دوران میں، اکبر رانا باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ کراچی سے نکلنے والے روزنامے کا بھی مطالعہ کرتا رہا پھر اخبار ایک طرف ڈالتے ہوئے بولا۔ "یہ اخبار واقعی منفرد اور مختلف ہے۔ اس میں صرف خبریں ہیں، چٹخارے دار مال مسالا نہیں ہے۔"

مختصر سے وقفے میں حاصل ہونے والی معلومات کو جس طرح یکجا کرکے کھٹمول کے چہرے سے نقاب ہٹایا گیا تھا، اس سے ظاہر ہورہا تھا کہ نامہ نگار کی اپنی قلمی محنت کے پیچھے کوئی باخبر ذہن بھی کارفرما تھا جس نے کڑیاں ملا کر کہانی مکمل کی تھی۔

اسلام آباد کی کشادہ شاہراہ پر میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے اکبر رانا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ "اول خان کی مدد کے بغیر اتنی سرعت سے یہ خبریں نہیں بن سکتی تھیں۔ وہ کراچی میں بیٹھ کر بھی پوری طرح ہماری مدد کررہا ہے۔"

"کھٹمول کے خلاف الزامات کی فہرست آچکی ہے۔ اگر کل امریکا کے کسی احتجاج کی تصدیق ہوجاتی ہے تو ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہوجائے گا کہ امریکا کو ایک پاکستانی ملزم سے کیوں ہمدردی ہورہی ہے۔ میرے خلاف ان کے اشتہاری مواد کی صحت پر بھی شبہ کیا جائے گا۔"

"عام لوگ اپنے رہن سہن میں امریکیوں کی لاشعوری یا دانستہ نقالی کے باوجود اس سے نالاں نظر آتے ہیں۔ یوں رائے عامہ مزید ہموار ہوگی۔" کمانڈر اکبر رانا نے جواب میں کہا۔

میں بے اختیار ہنس دیا۔ "امریکا صرف ان ہی خطوں میں رائے عامہ کا احترام کرتا ہے جہاں وہ اس کے حق میں ہوتی ہے۔ مخالفانہ رائے عامہ کو وہ بے رحمی سے مسترد کرکے حکمرانوں سے جوڑ توڑ کرنا شروع کردیتا ہے۔"

"غنیمت ہے کہ ابھی تک یہاں ایسے کسی جوڑ توڑ کا

Downloaded from https://paksociety.com

آغاز نہیں ہوا ہے۔" اس نے میری رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"اندرون خانہ جنم لینے والی کہانیوں سے ہم لوگ بے خبر رہتے ہیں۔ تم یہ دعویٰ نہیں کرسکتے۔"

"معاشرے کے ہر شعبے میں پھیلے ہوئے کرپشن کے ناسور کے باوجود یہاں قومی حمیت باقی ہے۔ اس کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ امریکا تمہارے معاملے میں بے بسی کا شکار ہے اور تم پر ہاتھ ڈالنے کے لیے اخباری اشتہاروں سے مدد لینے پر مجبور ہوگیا ہے۔"

"دوسری صورت میں ان کا کوئی بھی نمک خوار میری گردن ان کے ہاتھوں میں دے سکتا تھا۔" میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

اسلام آباد کی خوبصورت اور پُرسکون شاہراہ پر ایک طویل سفر طے کرکے ہم پیرودھائی سے ذرا پہلے واقع افغان مہاجرین کے امدادی کیمپ میں پہنچ گئے۔

وہ پراسرار سا دفتر بظاہر ایک چھوٹے سے کمرے پر مشتمل تھا جہاں دو میزوں اور تین افراد کے سوا کچھ اور نظر نہیں آرہا تھا البتہ وہ چھوٹا سا دفتر عقبی دروازے کے ذریعے کسی اور کمرے سے بھی منسلک تھا۔ اس دروازے سے جنگجو... نظر آنے والے مسلح افراد کی آمدورفت جاری تھی۔ وہ لوگ دفتر کے دو نفری عملے سے رسمی علیک سلیک کرتے ہوئے یوں گزر رہے تھے جیسے ان سے کوئی رسمی سا تعلق ہو۔

دفتر میں بیٹھا ہوا معمر شخص کمانڈر اکبر رانا کو پہچانتا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ اپنی میز کے پیچھے سے نکل کر باہر آیا اور گرم جوشی کے ساتھ اس سے بغل گیر ہوگیا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے شخص کو بھی کرسی سے اٹھنا پڑا۔ اس کی نظروں میں استعجابیہ اجنبیت رچی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے صرف ہاتھ ملانے پر اکتفا کیا۔

معانقے سے فارغ ہوکر اکبر رانا نے میرا اور معمر افغان کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "یہ میرے ساتھی کرنل جمال دستی ہیں اور یہ آدم خان کے خصوصی نائب ملا بدر ہیں۔"

ملا بدر اپنی عمر کے باوجود پُرجوش اور مخلص شخص نظر آرہا تھا۔ میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر وہ اسے نظرانداز کرکے مجھ سے لپٹ گیا۔ میری پسلیوں کے گرد اس کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ چند ثانیوں کے لیے مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ ٹوٹی پھوٹی اردو میں چند خیرمقدمی اور تہنیتی کلمات ادا کرنے کے بعد ملا بدر نے مجھے اپنی گرفت سے آزاد کردیا۔

اپنی کرسی پر واپس جاتے ہوئے اس نے پشتو میں اپنے ساتھی کو جلدی جلدی ہدایات دیں۔ اس گفتگو میں دوبار استعمال ہونے والا صرف "ٹرانسمیٹر" کا لفظ ہی میرے پلے پڑ سکا۔ وہ ملا بدر کی بات سن کر اپنی جگہ سے اٹھا اور اندر کھلنے والے دروازے میں غائب ہوگیا۔

ہم دونوں کو دفتر میں پڑے ہوئے گندے اور فرسودہ صوفوں پر بٹھانے کے بعد ملا بدر نے پشتو میں اکبر رانا کو کچھ بتانا شروع کردیا۔ اکبر رانا خاموشی سے تفہیمی انداز میں سر ہلاتا رہا۔

وہ خاموش ہوا تو اکبر رانا نے کہا۔ "کرنل صاحب پشتو نہیں جانتے۔ ان کے سامنے ہم اردو میں بات کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

ملا بدر دھیمے سے ہنسا۔ "خو، تم جانتی... ام کا اردو....."

"کوئی فکر مت کرو۔ اردو کسی بھی لب و لہجے میں بولی جائے، سمجھنے والے مفہوم سمجھ جاتے ہیں۔" اکبر رانا نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

اکبر رانا کی وہ بات خاصی بے وزن تھی۔ لب و لہجہ اور صحیح talaffuz ہی ہر زبان کی جان ہوتا ہے۔ میں نے دنیا کے مختلف ملکوں میں انگریزی جیسی بین الاقوامی زبان کی ایسی درگت بنتی دیکھی تھی کہ کسی انگریز کے سامنے کوئی فرنچ، جرمن یا اطالوی انگریزی بولنے کی کوشش کررہا ہے اور انگریز حیرت سے دیدے پھاڑے یوں اس کا منہ تک رہا ہے جیسے وہ کسی دوسرے سیارے کی اجنبی زبان بول رہا ہو۔

انگریزی میں باہمی افہام و تفہیم کے اس عذاب سے گزرنے کے لیے بہتیرے انگریز یورپ کی دوسری زبانیں بھی جانتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر اپنی اس مہارت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ذہن پر زور ڈالنے کی ساری ذمے داری فریقِ ثانی پر ڈال دیتے ہیں۔

کسی جرمن کی غوں غاں میں ڈوبی ہوئی ہولناک انگریزی کو سمجھنے سے زیادہ آسان یہ ہوتا ہے کہ انگریز خود جرمن زبان بول کر اپنے مخاطب کو امتحان میں ڈال دیں۔ اس سے دو فائدے ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ جرمنوں کے من میں سوئے ہوئے فوق البشر کی انا کو تسکین ملتی ہے، دوم یہ کہ ٹوٹی پھوٹی جرمن زبان میں کہے ہوئے فقروں سے مفہوم اخذ کرنے کی ساری ذمے داری خود ان کے سر آجاتی ہے۔

مگر میں مجبور تھا۔ پشتو سے یکسر نابلد ہونے کی وجہ سے اپنا بوجھ ملا بدر پر منتقل نہیں کرسکتا تھا۔

"وہ آج دوپہر کے بعد کسی بھی وقت پنڈی پہنچ جائے

Downloaded from https://paksociety.com

گا۔" ملا بدر نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں تذکرو تانیث میں کوئی ناروا فرق روا رکھے بغیر بتایا۔ "میرا آدمی اندر ٹرانسمیٹر پر بات کرنے گیا ہے۔ وہ زخاخیل کیمپ والوں سے بات کر کے صحیح پوزیشن بتا سکے گا۔"

"قیدی کس حال میں ہے؟" میں نے پہلی بار ملا بدر سے براہِ راست سوال کیا۔

"الحمدللہ، بہت اچھا ہے۔ بس اس کا ٹوٹا ہوا ہاتھ اسے بہت تنگ کر رہا ہے۔ زخاخیل کے بڑے حکیم نے اس کا پلاسٹر اتار کر دیسی جڑی بوٹیوں اور پہاڑی سلاجیت کا لیپ چڑھا دیا ہے، دو چار دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ملا بدر نے آگاہ کیا۔

"زخاخیل والوں سے تمہاری بات کب ہوئی تھی؟" اکبر رانا نے پوچھا۔

"قیدی کے پہنچنے کے بعد انہوں نے خود رابطہ کیا تھا یا پھر تمہارا پیغام ملنے کے بعد میں نے ان سے بات کی تھی کہ وہ مہمان قیدی کو کہیں ڈال کر پولیٹیکل ایجنٹ کو مخبری کرا دیں۔"

ہم وہیں بیٹھے ملا بدر سے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں اندرونی دروازے سے ہر عمر کے باریش، مسلح اور لحیم شحیم مردوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا۔ ان میں سے بیشتر کے شانوں پر ہلکے اونی کمبل یا چادریں پڑی ہوئی تھیں جو ہتھیاروں کو چھپانے سے کہیں بڑھ کر نمایاں کر رہی تھیں۔ ان ہی میں سے کسی نے تام چینی کی کیتلی میں کھولتا ہوا قہوہ پیالیوں سمیت لا کر ہمارے سامنے رکھ دیا۔

افغان مہاجرین کے لیے قائم کیا ہوا وہ امدادی کیمپ راولپنڈی اور اسلام آباد کے سنگم پر ایک مختصر سے قبائلی خطے کا سماں پیش کر رہا تھا جہاں ہر سو بے تکلفی اور بے فکری کا راج نظر آ رہا تھا۔

"اندر سے کون لوگ آ جا رہے ہیں؟" گرم قہوے کا پہلا گھونٹ لینے کے بعد میں وہ سوال کیے بغیر نہیں رہ سکا۔

"یہ سب روسیوں کے ستائے ہوئے مظلوم مہاجرین ہیں۔" ملا بدر نے دکھی آواز میں بتایا۔ "ان کی فصلیں ٹینکوں نے روند ڈالیں یا بموں نے جلا ڈالیں۔ توپوں نے گھر مسمار کر دیے۔ ہر سینے میں اپنے کئی کئی پیاروں کے لہو کے داغ پوشیدہ ہیں اور یہ یہاں فاقہ کشی کی زندگی گزار رہے ہیں۔"

"فاقہ کشی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "مجھے ان میں سے کسی کے چہرے پر فاقہ کشی کی کوئی علامت نہیں دکھائی دی۔"

"پہاڑوں کی گود میں پلنے والے، ہم لوگ بہت سخت جان ہوتے ہیں۔ سردی اور برف باری میں موسم کے تیور بگڑ جائیں تو عام حالات میں بھی ایک روز کا راشن چار چار روز چلا کر گزارہ کر لیتے ہیں۔ ہمارے کیمپوں میں بس دو تین وقت کا فاقہ ہوتا ہے پھر کہیں نہ کہیں سے رسد آ ہی جاتی ہے۔"

"میں نے سنا ہے کہ مغربی دنیا دل کھول کر افغان مجاہدوں کی مدد کر رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ شروع کی بات ہے، اتنی امداد مل رہی تھی کہ ہم سے سنبھالے نہیں سنبھلتی تھی۔ فالتو سامان پشاور کی منڈی میں کوڑیوں کے دام پھینک دیا جاتا تھا۔" ملا بدر کی آواز بتدریج مغموم ہوتی جا رہی تھی۔ "ہم نے بچے ہوئے روسیوں سے چھینے ہوئے ہتھیار تک بیچے ہیں مگر اب وقت بدل چکا ہے۔"

"وقت وہی ہے۔ پہلے تم روسیوں سے لڑ رہے تھے، اب ان کے ایجنٹوں سے لڑ رہے ہو۔"

"ایجنٹ ہم جیسا ہوتا ہے۔ اسے پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جب تک سائیبریا کا سفید ریچھ میدان میں تھا، ہم اس کے خلاف یکجا تھے۔ اسے مار بھگانے کے بعد ہم سب پورے صدق دل سے آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ہر حریف خود کو حق بجانب اور مخالف کو گمراہ قرار دے رہا ہے۔"

"یہ مہاجرین صرف اپنے ہتھیار ہی بیچ دیں تو نہ صرف اپنی فاقہ کشی دور کر سکتے ہیں بلکہ اپنے گھروں کو بھی دوبارہ آباد کر سکتے ہیں۔" میں نے موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہتھیار پٹھان کا زیور ہوتا ہے۔ خالی پیٹ کوئی نہیں ٹٹولتا، ہتھیار سے خالی شانے کو ہر ایک حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے۔" ملا بدر کہنے لگا۔ "یہ خود بھی اپنے گھروں کو لوٹنا چاہتے ہیں، بہت سے آبائی زمینوں پر جا کر دوبارہ واپس آئے ہیں کیونکہ وہاں سب کچھ برباد ہو چکا ہے۔ مہنگائی کا طوفان ہے اور ضروریاتِ زندگی ناپید ہو چکی ہے۔ سکے کی ایسی ناقدری میں گزارہ ناممکن ہو چکا ہے۔"

"مگر وہ اپنی زمین ہے، یہاں کی غریب الوطنی اور فاقہ کشی سے وہاں کی زندگی زیادہ بہتر ہو گی۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ تیر گئی۔ "یہاں کے حکمران ہم پر مہربان رہے ہیں۔ ان کے برادرانہ رویّے کی وجہ سے ہم نے خود کو یہاں کبھی بے وطن نہیں سمجھا، یہ ہماری سرزمین ہے۔ ہر افغان مہاجر کے پاس پاکستان کا شناختی کارڈ اور پاسپورٹ موجود ہے۔ ان کاغذوں

Downloaded from https://paksociety.com

کے سہارے کراچی یا عرب ریاستوں میں نوکری حاصل کرکے روزی کمانا ہر افغان نوجوان کا خواب بن چکا ہے۔ ساری جیبیں بھری ہوں تو آدمی دنیا کے کسی بھی حصے میں اپنا گھر بنا سکتا ہے۔ خالی جیب اور خالی پیٹ افغان سے آسودہ حال مہاجر ہونا کہیں بہتر ہوگا۔"

ملا بدر کے آخری فقرے میں گہرا فلسفہ پنہاں تھا۔ آزادی کی جن تحریکوں کو باہر سے مدد فراہم کی گئی' وہ ماضی میں صرف کاغذی نعروں تک محدود ہوکر رہ گئیں۔ ہجرت کے حوالے سے ملنے والی عالمی رعایتوں کے ذریعے ایسی تحریکوں کے رہنما اور مہاجرین ہر سہولت سے فیض اٹھانے کے بعد خوش حال ہوکر دنیا بھر میں آباد ہوتے چلے گئے۔ ایسے نام نہاد مہاجرین کا مفاد ایک نکتے میں مرکوز تھا کہ حالات جوں کے توں رکھے جائیں۔ اسٹیٹس کو کے تحت وہ اپنی مظلومیت کی کہانیاں سناکر عالمی ہمدردیاں بٹورتے رہیں' دوسری طرف خوش حال ملکوں میں حصولِ تعلیم' کاروبار اور معقول ملازمتوں کے ذریعے اپنی جڑیں مضبوط کرتے رہیں۔

ملا بدر مجھے کچھ ایسی ہی کہانی سنا رہا تھا۔ افغانوں کو دنیا بھر سے مالی اور اخلاقی امداد ضرور ملی تھی مگر ان کو شہریت حاصل کرنے کی بے مہار آزادی صرف پاکستان نے ہی فراہم کی تھی۔ رشوت دیے بغیر شناختی کارڈ یا پاسپورٹ بنوانے والے ایک حقیقی پاکستانی کو نہ جانے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں' اعتراضات دور کرنے کے لیے بار بار دفتروں کے دھکے کھانے پڑتے ہیں لیکن افغان پناہ گزینوں کو ملنے والی مراعات کا ذکر ملا بدر خود کررہا تھا۔

ناخواندہ اور نیم خواندہ افغان مہاجرین اپنے نسلی مزاج کے اعتبار سے تند خو اور جنگ جو تھے۔ مکمل پاکستانی شناخت حاصل کرنے کے بعد وہ دنیا کے جس خطے میں پہنچتے تھے' اپنی کسی بھی غلطی کی پاداش میں ایک پاکستانی کے طور پر سزایاب ہوتے تھے۔

یہ مفت کی وہ بدنامی تھی جو افغان پناہ گزینوں کو ملنے والی مراعات اور چشم پوشیوں کے نتیجے میں پاکستان کو حاصل ہورہی تھی۔

غیر قانونی ہتھیاروں کی خرید و فروخت کا ذکر ملا بدر کرچکا تھا۔ افغانوں کے ذریعے ملک میں پھیلنے والے ہیروئن کے بھیانک سیلاب کا میں خود عینی شاہد تھا۔

میں نے ملا بدر کے لیے اپنے دل میں حسد و رقابت کی ہلکی سی آنچ محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ اس سودے میں پاکستان کو کیا کچھ حاصل ہوا ہے؟"

ملا بدر نے اپنے سر کو منفی جنبش دیتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "شاید کچھ بھی نہیں..... اتنا ضرور ہوا ہے کہ اب دنیا بھر میں لوگ پاکستان کے نام اور محلِ وقوع سے واقف ہوگئے ہیں۔ انہیں معلوم ہوچکا ہے کہ پاکستان اور افغانستان کی خاصی لمبی سرحد مشترک ہے۔"

"پاکستان میں ہیروئن' ہتھیاروں اور جرائم کی افزائش کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"دیکھو' کہیں آگ بھڑکتی ہے تو اس کی تپش دور تک پھیلتی ہے جہاں آگ کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔" ملا بدر نے پُرخیال آواز میں کہا۔ "کہیں جنگ چھڑتی ہے تو وہاں سے کردار اور اخلاق جیسی روایات سب سے پہلے رخصت ہوتی ہیں۔ یہ اثرات پاکستان پر بھی پڑے ہیں۔ تم ٹھنڈے دل سے سوچو تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔ ہم سفید ریچھ کے سامنے سینہ سپر نہ ہوتے تو اس کے ٹینک ہمارے گھروں کو روندتے ہوئے پاکستان میں گھس آتے۔ افغانستان بندرگاہ سے محروم اور خشکی سے گھرا ہوا ملک ہے۔ روس کی بندرگاہیں خراب موسم کی وجہ سے سرمائی موسم میں بند رہتی ہیں۔ انہیں تمہاری جنوبی ساحلی پٹی کی شدید ضرورت تھی تاکہ وہ ان کے ذریعے پورے سال دنیا کے ساتھ تجارت کرسکیں۔ اپنوں کا لہو دے کر ہم نے تمہارا دفاع کیا ہے۔ ہماری اس عظیم قربانی کا صلہ تمہارے حکمراں دے رہے ہیں۔"

وہ بات وہیں رہ گئی۔ ملا بدر کا ساتھی ٹرانسمیٹر پر زخاخیل والوں سے بات کرکے لوٹ آیا اور پشتو میں جلدی جلدی رپورٹ دینے لگا۔

"دو مراحل طے ہوچکے ہیں۔" اس کے خاموش ہونے پر اکبر رانا مجھے اس کی رپورٹ کا خلاصہ سنانے لگا۔ "کھٹول پولیٹیکل ایجنٹ کے ذریعے پشاور پہنچایا جاچکا ہے۔ وہاں وہ ہمارے لوگوں کی تحویل میں دیا گیا تھا۔ اصولی طور پر اسے دوپہر کی پرواز سے اسلام آباد پہنچ جانا چاہیے۔"

وہاں آنے کا مقصد پورا ہوچکا تھا۔ لیکن ملا بدر سے ہونے والی گفتگو نے میرے دل و دماغ میں بہت سے نئے اور چبھتے ہوئے سوالات پیدا کردیے تھے جن کے جواب کسی بھی صورت میں خوشگوار نہیں ہوسکتے تھے۔

قہوے کی مزید ایک ایک پیالی ختم کرکے ہم ملا بدر سے رخصت ہوگئے۔

"اگر کھٹول کو کسی پرواز سے آج ہی اسلام سے یہاں پہنچنا ہے تو اب تک تمہارے پاس کوئی نہ کوئی اطلاع پہنچ جانی چاہیے تھی۔" میں نے راستے میں اکبر رانا سے کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"اصولی طور پر اسٹیشن کو مطلع کیا جانا چاہیے تھا مگر تم بھول رہے ہو کہ اسلام آباد میں اسٹیشن نائن کے ساتھ ہمارا ہیڈ کوارٹر بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پشاور والوں نے وہاں خبر دے دی ہو۔" اس نے بتایا۔

"تو کیا ہیڈ کوارٹرز والوں کی اپنی بھی فیلڈ فورس ہوتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل ہے۔ اپنے فیلڈ اسٹاف کے بغیر ہیڈ کوارٹر اسٹیشن نائن کا محتاج ہو کر رہ جاتا۔ وہ اپنے طور پر چھوٹی بڑی کارروائی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اکثر ہم نے ان سے مدد بھی لی ہے۔"

دو بجے ایس ٹی ایف کے چیف کا فون آیا۔ اس کی کال میں نے ریسیو کی اور وہ تعارف کے بغیر میری آواز پہچان کر بولا۔ "تم نے اسلام آباد میں قدم رکھتے ہی میری مصروفیات میں بے حساب اضافہ کر دیا ہے۔"

"مجھے ملوث نہ کرو۔ میں جانتا ہوں کہ تم ہر لمحے مصروف رہتے ہو۔" میں نے ہنس کے جواب دیا۔

"ایسی مسلسل مصروفیت کبھی کبھار ہی پیدا ہوتی ہے ورنہ روٹین کے معمولات میں ہی دن گزر جاتا ہے۔" دوسری طرف سے اس کی آواز آئی۔ "شاید اول خان نے تمہیں امریکیوں کے سخت ردِعمل کے بارے میں بتا دیا ہو گا؟"

"بتایا تھا مگر وہ پر یقین نہیں تھا۔ ان کے احتجاج کی تصدیق ہونی باقی تھی۔" میں نے کہا۔

"تصدیق ہو گئی ہے۔ ان کا پہلا اور سخت مراسلہ کراچی میں کالو مکرانی اور قاسم کی گرفتاری کے بارے میں جاری کئے جانے والے پریس ریلیز کے حوالے سے آیا تھا۔ انہوں نے کالو مکرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ اور کھٹو مل کے خلاف منظم سازش قرار دیا تھا۔"

"تو کیا کوئی دوسرا مراسلہ بھی آیا ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"واشنگٹن اور اسلام آباد کے درمیان وقت کے فرق کی وجہ سے انہیں صبح سویرے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ ذرا سی دیر پہلے کھٹو مل کو چوہدری سلام کے گھر سے اغوا کر لیا گیا ہے۔ اپنے دوسرے مراسلے میں امریکی حکومت نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تشخص کے حوالے سے مذہبی آزادی اور رواداری کا شور مچا کر کھٹو مل کے خلاف سازشوں کے تسلسل پر احتجاج کیا ہے۔ اقوامِ متحدہ کے ہیومین رائٹس کمیشن کے سربراہ نے بھی کھٹو مل کی فوری بازیابی اور کسی عدالت میں پیشی کا پُرزور مطالبہ کیا ہے۔"

"ہماری جانب سے اس بارے میں کیا قدم اٹھایا گیا ہے؟" اس کے خاموش ہو جانے پر میں نے پوچھا۔

"اوپر تلے ملنے والے ان دو مراسلات نے وزارتِ خارجہ میں کھلبلی مچا دی ہے۔" ایس ٹی ایف کے چیف نے بتایا۔ "ابھی تک اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکا۔"

"تمہاری رپورٹ ہی انہیں کسی فیصلے پر پہنچنے میں مدد دے گی۔" میں نے کہا۔

"میں مسلسل اوپر والوں کو بریف کر رہا ہوں۔ کھٹو مل کو اس وقت چکلالہ کے ملٹری ائر بیس پر موجود ہونا چاہیے۔ وہاں سے اسے اسٹیشن نائن پہنچایا جائے گا۔"

"شاید حفاظتی وجوہ کی بنا پر اسے ملٹری ائر بیس پر لایا گیا ہے!" میں نے رائے زنی کی۔

"نہیں، پی آئی اے کی پرواز رات سے پہلے میسر نہیں تھی۔ اسے آرمی کے ایک ہیلی کاپٹر سے یہاں لایا گیا ہے۔ اس کی آنکھوں پر مسلسل سیاہ پٹی بندھی ہوئی ہیں۔ ابھی تک اسے کچھ پتا نہیں چل سکا کہ وہ کن لوگوں کی تحویل میں ہے۔"

"گڈ! یہ سب پروگرام کے مطابق جا رہا ہے۔ اس سے باز پرس مکمل ہوتے ہی ہم اسے اور کالو مکرانی کو منظرِ عام پر لے آئیں گے۔ اس کے اقبالی بیان کے بعد امریکیوں کے احتجاجی غبارے کی ساری ہوا خود بخود خارج ہو جائے گی۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"تمہارا نام ان کے اعصاب پر ایک خوف کی طرح طاری ہے۔ میں حیران ہوں کہ انہوں نے تمہارے خلاف کھٹو مل کو اتنی دیدہ دلیری کے ساتھ استعمال کرنے کی کوشش کی کہ اس کے اچانک غائب ہونے پر ہیومین رائٹس کمیشن تک کو میدان میں لے آئے ہیں۔"

"یہ قدرت کے کھیل ہیں جو نیارے ہوتے ہیں۔ کوئی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ محض ایک یا دو افراد امریکا کے باخبر اور فعال اداروں کی ناک کے نیچے گیپ اور ڈیوڈ اسٹارز کے چیتھڑے اڑا کر یوں حفاظت سے باہر نکل آئیں گے....."

"ان ہی واقعات کے تسلسل میں یہاں تم نے کھٹو مل پر ہاتھ ڈال دیا۔" اس نے میری بات درمیان سے اچک کر کہا۔ "تمہاری یہ ساری کامیابیاں ایک مضبوط نیٹ ورک کی نشاندہی کرتی ہیں۔ تمہیں بے دست و پا کر کے وہ اس نیٹ ورک کو توڑنا چاہتے ہیں۔"

میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ "میرا نیٹ ورک میرے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ دراصل کھٹو مل سے تصادم کی بنیاد اسی وقت

Downloaded from https://paksociety.com

پڑ گئی تھی جب میرے ساتھی نے اپنے فلیٹ کے گرد منڈلاتے ہوئے دو مشتبہ افراد کے گھٹنے توڑے تھے۔ بعد میں ان ہی میں سے ایک نے کھٹومل کا نام لیا تھا۔"

"تمہارا ہر آدمی اپنی ذات میں ایک مکمل نیٹ ورک ہے۔" وہ بولا۔ "کھٹومل کے ساتھ ہونے والی پیش رفت سے مجھے باخبر کرتے رہنا۔ یہ مسئلہ یکایک ہی بہت سنگین اور اہم ہو گیا ہے۔"

ایس ٹی ایف کے چیف سے گفتگو ختم ہونے کے تقریباً نصف گھنٹے بعد آہنی باڑی والی ایک بند جیپ میں فورس کے تین مسلح جوان کھٹومل کو اسٹیشن نائن لے آئے۔

متوسط قامت اور جسامت والے اس خطرناک سیاست داں کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ٹوٹا ہوا داہنا بازو اس کے پہلو میں جھول رہا تھا۔ ایس ٹی ایف کا ایک آدمی بایاں ہاتھ تھام کر اس کی رہنمائی کر رہا تھا۔

میں برآمدے میں کھڑا وہ عبرتناک منظر دیکھتا رہا۔ کھٹومل کو پاکستان کے حوالے سے صرف دولت ہی نہیں، سیاسی شہرت اور نیک نامی بھی ملی تھی، جو شاید اسے راس نہیں آسکی تھی۔

پتا نہیں کہ کھٹومل اور امریکیوں کے گٹھ جوڑ میں بھارتی قونصل خانے کا کوئی کردار تھا یا وہ براہِ راست امریکیوں کا آلۂ کار بنا تھا۔ صورتِ احوال ان میں سے جو بھی رہی ہو، کھٹومل نے اپنی تقدیر پر اپنے ہاتھوں سے غداری کی ان مٹ مُہر ثبت کر لی تھی۔

"پتا نہیں تم کون لوگ ہو!" میرے کانوں میں کھٹومل کی بڑبڑاہٹ آئی۔ "کچھ بولتے ہو نہ سنتے ہو۔ بابا! میں اِدھر اُدھر کیوں گھمایا جا رہا ہوں؟" اس کی آواز حسبِ معمول دھیمی اور پُرسکون تھی۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر دھیرے سے کہا۔ "کھٹومل! سیدھے چلے آؤ، ذرا سی دیر میں تمہارا سارا تجسس دور ہو جائے گا۔ تم کسی غیر کے پاس نہیں، اپنوں میں ہو۔"

میری آواز سنتے ہی کھٹومل کے قدم ڈگمگا گئے۔ "تت..... تم ڈینی ہو؟" میری آواز پہچانتے ہی اس کا اعتماد رخصت ہو گیا اور زبان پر لکنت طاری ہو گئی۔

میری باری آچکی تھی۔ میں نے اس سے کھیلنا شروع کر دیا اور کہا۔ "خدا سے نہیں تو اپنے بھگوان سے ہی ڈرو۔ میں تمہارا اپنا شنکر ہوں۔ مجھے ڈینی جیسے آدمی کا نام نہ دو۔"

میری زہریلی آواز نے اس کے اضطراب میں اضافہ کر دیا۔ "میں دھوکا نہیں کھا سکتا..... تم ڈینی ہی ہو۔ تم نے شنکر کو مارا اور اب اسی کا نام لے کر مجھے ڈرا رہے ہو۔"

"دھوکا نہیں، یہ آواگون کا چکر ہے، کھٹومل۔ شریر ڈینی کا ضرور ہے مگر اس میں آتما تمہارے شنکر کی ہے۔ اسی لیے میں نے تمہاری آنکھوں پر کالی پٹی بندھوا دی ہے کہ کہیں تم مجھے دیکھ کر ڈر نہ جاؤ۔ ٹوٹے ہوئے بازو کے ساتھ بھاگنا تمہارے لیے عذاب بن جائے گا۔"

میرا اندازہ تھا کہ اس بار وہ ضرور بدحواس ہو جائے گا لیکن اس کے استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ کشاں کشاں برآمدے کی طرف بڑھتا رہا۔ وہ رکنے یا بھاگنے کی کوشش کرتا تو اسے ناکام بنانے کے لیے ایس ٹی ایف کے تین کارندوں نے اسے اپنے نرغے میں لیا ہوا تھا۔

اسٹیشن نائن کا انٹروگیشن سیل اسلام آباد کی اسی عمارت کے تہ خانے میں واقع تھا۔ برآمدے کے چند زینے چڑھنے اور راہداری سے گزرنے کے بعد جب اسے دوبارہ سیڑھیوں کی موجودگی کی اطلاع دی گئی تو وہ بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "اب تم مجھے کسی تہ خانے میں لے جا کر میرے اوپر تشدد کرو گے۔ میں تم کو بتا دوں کہ تمہاری یہ کوشش بے سود ثابت ہو گی۔"

"ہم عدم تشدد کے حامی اور اہنسا کے پجاری ہیں۔" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ "اچھا ہوا کہ تم نے ہمیں اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا۔ ہم کچھ نہیں کریں گے۔ بس تمہارا ٹوٹا ہوا داہنا ہاتھ بغل کے جوڑ سے الگ کریں گے تاکہ تم کو اس عذاب سے نجات مل جائے۔"

وہ سیڑھیاں اترتے اترتے ذرا سا لہرایا پھر بولنے لگا۔ "یہ بھی کرو مگر..... تم کامیاب نہیں ہو سکو گے۔"

متوقع خطرات اُس کے سامنے تھے۔ وہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے ذہنی طور پر اپنی پوری تیاری کر چکا تھا۔ اس جیسے سرد اور متحمل مزاج افراد اگر سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کر لیں تو روایتی تشدد کے ذریعے انہیں مجبور کرنا ناممکن ہوتا ہے۔

میں نے آنکھ سے اکبر رانا کو اشارہ کیا اور ہم دونوں تیزی کے ساتھ سیڑھیاں طے کر کے تہ خانے کے مہیب کمرے میں پہنچ گئے۔ کمرے میں چھت سے لٹکتے ہوئے چند آہنی کنڈوں، زنجیروں، رسیوں، برقی آلات اور ایک آہنی کرسی کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے دہشت ٹپکتی

Downloaded from https://paksociety.com

ہو لیکن آٹھ فٹ اونچی چھت والے اس زیرِ زمین کمرے کی ساخت کچھ اس وضع کی تھی کہ اس سے ہیبت ٹپکتی تھی۔ لیکن میری دانست میں کھٹو مل کے لیے وہ ساخت غیر اہم ثابت ہوتی۔

تہ خانے میں اسٹیشن نائن کے دو اہل کار پہلے سے موجود تھے۔ شاید کھٹو مل کو لانے والوں کی ڈیوٹی اسے نیچے پہنچانے کے بعد ختم ہو جاتی اور وہ اسے ان دونوں کے حوالے کر کے ہیڈ کوارٹرز کی طرف واپس روانہ ہو جاتے۔

"اس کی آنکھوں پر سے بلائنڈ فولڈ ہٹائے بغیر اوسط درجے کے دو تین برقی جھٹکے دینے ناگزیر ہیں۔" میں نے آہنی کرسی پر نگاہیں جما کر کہا۔

"اس کی ذہنی یکسوئی ایسی غیر متوقع اذیت سے شاید ختم ہو جائے گی۔" اس نے میری تائید کی۔ "اسے الیکٹرک چیئر سے ہی باندھ دیا جائے گا۔ کرسی میں دوڑائے جانے والے کرنٹ کو ہم اپنی مرضی سے کم و بیش کر سکتے ہیں۔"

سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ دھیمے دھیمے قریب آ رہی تھی۔ سیڑھیاں اترتے ہی اسٹیشن نائن والوں نے قیدی کو سنبھال لیا۔ اسے لانے والے تینوں افراد وہیں سے لوٹ گئے۔

اکبر رانا نے انگلی سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ دونوں کھٹو مل کو اسی کرسی کی طرف لے آئے۔ ان میں سے ایک کی ہدایت پر جوں ہی کھٹو مل کرسی پر بیٹھا، خود کار کنڈوں نے کھٹاک کھٹاک کی آواز کے ساتھ اس کی دونوں پنڈلیوں اور کلائیوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

زخمی بازو کی کلائی پر کلیپ کی گرفت ہوتے ہی کھٹو مل نے کرسی سے اٹھنے کی ناکام اور غیر اضطراری کوشش کی اور ہلکی سی کراہ کے ساتھ دوبارہ اسی میں گر گیا۔ اٹھنے کی کوشش میں سارا زور اس کی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں پر منتقل ہو گیا تھا۔

اکبر رانا دیوار گیر ریگولیٹر پر کرنٹ ٹیسٹ کر رہا تھا۔ اپنے کام سے فارغ ہوتے ہی اس نے ایک بٹن پر اپنی انگلی رکھی، بورڈ پر ایک سرخ گولا روشن ہو گیا اور تہ خانے کی بند فضا کھٹو مل کی بھیانک غیر ارادی چیخ سے گونج اٹھی۔

سرخ دائرہ لمحہ بھر روشن رہ کر بجھ گیا۔ لمحاتی شاک مکمل ہو چکا تھا۔

کھٹو مل وہ جھٹکا سہہ لینے کے بعد گہرا سانس لینے میں زور زور سے کچھ بولنے لگا۔ اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خود کلامی کے ذریعے خود کو سنبھالے رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اکبر رانا اسٹیشن نائن کا سربراہ تھا اور اپنے ہتھیاروں کے بہترین استعمال سے بخوبی واقف تھا۔ میرے اشارے پر اس نے بورڈ پر کچھ چھیڑ چھاڑ کرنے کے بعد دوبارہ بٹن دبایا۔

ایک مرتبہ پھر سرخ دائرہ روشن ہو گیا اور تہ خانہ کھٹو مل کی وحشت ناک چیخوں سے لرزنے لگا۔ آہنی بندھنوں نے اسے بے بس کیا ہوا تھا۔ وہ کرسی میں کئی سیکنڈ تک ماہی بے آب کی طرح تڑپتا اور چیختا رہا۔ آخر سرخ روشنی غائب ہو گئی اور کھٹو مل ... جس حال میں تھا نڈھال سا اسی حالت میں بیٹھا رہ گیا۔

اس کا چہرہ پسینے میں بھیگنے لگا تھا۔ داہنے بازو کے زخموں کا منہ دوبارہ کھل گیا تھا۔ اس کی اچھل کود کے نتیجے میں ان زخموں سے خون بہنا شروع ہو گیا تھا۔

"ڈینی! تم... پکے سؤر کے... بچے... بچے ہو۔" وہ رک رک کر کراہا۔

"کھٹو مل! اپنی زبان پر قابو رکھو۔ تیرا جھٹکا اس سے زیادہ طویل ہو گا۔" میں نے غرا کر اسے تنبیہہ کی۔ "یہ یاد رکھو کہ جب تک تمہاری آنکھوں پر سیاہ پٹی موجود ہے، تمہاری زندگی کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔ یہ پٹی اترنے کے بعد تمہیں اسی برقی کرسی پر بھون دیا جائے گا۔"

"یہ ظلم ہے... بربریت ہے۔" وہ بے بسی سے حلق کے بل چیخ پڑا۔

"ہر ظالم اپنے کیے کی سزا پانے پر یہی کہتا ہے۔ زبان کھولو ورنہ طاقت ور برقی رو تمہیں جلا کر کوئلہ بنا دے گی۔ کوئلے کے کھٹو مل کو کوئی نہیں پہچان سکے گا۔"

کھٹو مل کسی مرکھنے بیل کی طرح منہ کھول کر ہانپتا اور میری بات سنتا رہا۔ میرے خاموش ہونے کے کئی ثانیوں بعد بھی وہ نہ بولا تو مجھے اپنی بات جاری رکھنی پڑی۔

میں نے اکبر رانا کے آدمیوں کو ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے ہوئے کرخت آواز میں حکم دیا۔ "یہ مردود مرنا ہی چاہتا ہے تو اس کی آنکھوں سے بلائنڈ فولڈ اتار دو۔"

ایک شخص کے ہاتھ فوراً ہی کھٹو مل کی پسینے میں بھیگی ہوئی پیشانی سے جا لگے۔

کھٹو مل کے لیے وہ ملک الموت کے ہاتھ کا لمس تھا۔ اس نے اپنا سر جھٹک کر پوری قوت سے کہا۔ "دور رہو اور پوچھو، کیا پوچھتے ہو؟"

"اسے ایک مہلت دے دو!" میں نے اکبر رانا کے ماتحت سے کہا پھر اپنے قیدی سے مخاطب ہو گیا۔ "کھٹو مل!

Downloaded from https://paksociety.com

امریکیوں کے لیے تم کب سے کام کررہے ہو؟"

"یہ مجھ پر جھوٹا الزام ہے۔ میں کسی کے لیے کوئی کام نہیں کرتا۔ میرے ایک اشارے پر لوگوں کی قسمتیں بدل جاتی ہیں۔ مجھے کسی کے لیے کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ہمیں بھی یہی پریشانی ہے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے تم کس مجبوری کے تحت ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے ہو؟ وہ تمہیں کیوں بلیک میل کررہے ہیں؟"

"یہ جھوٹ ہے۔ یہ بہتان ہے۔ میں ایک معزز سیاست داں ہوں۔ میں نے کبھی کوئی غلط کام نہیں کیا۔"

"تم نے ڈینی کے خلاف ڈکیتی اور قتل کی جھوٹی ایف آئی آر کیوں درج کرائی تھی؟"

"ڈینی کے خلاف؟" اس نے ہذیانی لہجے میں دہرایا۔ "تم پھر مکر رہے ہو کہ تم ڈینی ہو۔"

"اس لیے کہ میں ڈینی نہیں ہوں۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "ڈینی تمہارا کوئی خواب ہوسکتا ہے۔ ہمارا تعلق قانون کے محافظوں سے ہے۔ جو پوچھا جارہا ہے اس کا جواب دو۔"

"وہ رپورٹ جھوٹی نہیں تھی۔" وہ سخت اور ضدی لہجے میں اپنی بات پر اڑ گیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ جس وقت تمہاری گھر ڈکیتی نہیں بلکہ ہڑبونگ کرنے کے لیے لوگ ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے آئے، تمہارے کرائے کے قاتل کلفٹن میں ایک فلیٹ کو گھیرنے کی کوشش کررہے تھے۔"

"بظاہر یہی معلوم ہورہا تھا لیکن میں نے کئی گھنٹے گزرنے کے بعد رپورٹ درج کرائی تو مجھے معلوم ہوچکا تھا کہ کلفٹن میں کوئی مقابلہ ہوا ہے جس میں چھ آدمی مارے گئے ہیں۔ اس واقعے میں ڈینی ملوث تھا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ اسی نے کسی غلط فہمی کی بنا پر میرے گھر کا رخ کیا ہوگا۔"

"کھٹو مل! زیادہ بک بک مت کرو۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ اذیت ناک برقی جھٹکے کھانے کے باوجود اس کی ذہنی حالت ابتر نہیں ہوئی تھی۔ اس نے کلفٹن کے واقعے کا ذکر کرتے ہوئے بہت احتیاط سے الفاظ استعمال کیے تھے۔ بھول کر بھی اس خونیں سانحے کی ذمے داری قبول کرنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "بہت سی کڑیاں مل چکی ہیں۔ کراچی میں کیماڑی کے ایک شراب خانے کے مالک نے بتایا ہے کہ اس کے عقبی دفتر میں تم بالم سے ملے تھے۔ بالم تمہارا نمک خوار تھا۔ لڑائی میں وہ مارا گیا۔ دوسرے لوگوں کو اسی نے کرائے پر لیا تھا۔"

"بب... بالم!" وہ خوفزدہ انداز میں ہکلایا۔ "میں کسی بالم کو نہیں جانتا۔"

"بالم اور جانی۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "یہ دونوں تمہارے پالتو غنڈے تھے۔"

"وہ دونوں مرچکے ہیں۔ اب ان کا ذکر بے سود ہے۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ جانی بھی مارا گیا تھا؟" مجھے فصیل میں شگاف ہوتا ہوا نظر آنے لگا۔

اس نے کرسی میں ہلکی سی جنبش کی پھر بولا۔ "اخباروں میں سب کچھ آگیا تھا۔"

میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کر اکبر رانا کو اشارہ کیا۔ اس نے سوئچ دبایا۔ کرسی میں برقی رو دوڑتے ہی کھٹو مل بُری طرح بلبلانے لگا۔ اس پر اعصابی شکست و ریخت کے آثار نمودار ہوچلے تھے۔

اکبر رانا کو قیدی کی ناگزیر ضروریات کا پورا اندازہ تھا۔ اس نے بجلی کی بچت سے کام لیتے ہوئے اس بار محض ایک مختصر سے جھٹکے پر اکتفا کیا تھا۔

"ہم تمہیں سسکا سسکا کر یوں ہی انسانی روسٹ میں تبدیل کردیں گے۔" میں نے اپنے لہجے میں سفاکانہ سرد مہری سموتے ہوئے کہا۔ "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ کان کھول کر یہ بھی سن لو کہ تمہارا شراکت دار چوہدری سلام بھی ہمارے ہاتھ آچکا ہے۔ اس نے تم سے کہیں زیادہ عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔ فرار کے راستے مسدود پاتے ہی اس کی زبان چل پڑی تھی۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے ایک بے ساختہ آواز برآمد ہوئی۔ "وہ بتا چکا ہے تو پھر تم مجھ سے کیا سننا چاہتے ہو؟ میں نے کچھ نہیں کیا، میں بالکل بے گناہ ہوں۔"

"چوہدری سلام ہیروئن کی کھیپ اسلام آباد سے گجرات لے جاتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے۔" میں نے سچ میں جھوٹ کی ملاوٹ کرتے ہوئے اگلا وار کیا۔ "اس نے ہمیں اپنے اور تمہارے تعلق کی کہانی سنائی ہے۔ تم اپنے اور امریکیوں کے رشتے کی کہانی سناؤ گے۔"

"میری آنکھیں کھول دو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "میں تم سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چند باتیں کرنی چاہتا ہوں۔"

"ہمیں ہمارے دشمن صرف ڈراؤنے خواب میں دیکھتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔ کھلی آنکھوں سے ہم کو شناخت کرنے والوں پر یہ زمین تنگ ہوجاتی ہے۔ اپنی جان کی امان چاہتے ہو تو پٹی بندھی رہنے دو اور جو کہنا چاہتے ہو، کہہ ڈالو۔ آنکھیں بندھی رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"میں اپنے اور تمہارے فائدے کی بات کرنی چاہتا ہوں۔ مجھ پر آیا ہوا بُرا وقت ٹل جائے گا اور تمہارے بھی دن پھر جائیں گے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"بولتے رہو۔ میں سن رہا ہوں۔" اس کی خاموشی پر میں نے لقمہ دیا۔

"کیا میں پورے اعتماد اور راز داری کے ساتھ زبان کھول سکتا ہوں؟"

"یہاں کوئی اجنبی نہیں ہے۔ تم پوری بے تکلفی سے اپنے دل کی بات کہہ سکتے ہو۔"

"میں نے اس ملک میں زندگی بھر بہت کچھ کمایا ہے۔ میں تمہاری خوشنودی کے لیے ایک بڑی رقم سے دست بردار ہونے کو تیار ہوں۔" اس کی آواز دھیمی ہوگئی۔

"میرے صبر کا امتحان مت لو۔ ایک ہی سانس میں اپنی بات پوری کرڈالو۔" میں نے اسے ٹوکا۔

"تم قیمت بتاؤ۔ میں ادا کرنے کو تیار ہوں۔ تم مجھے بھول جاؤ گے اور میں اس قیمت کو ایک کاروباری خسارہ سمجھ کر ہمیشہ کے لیے بھول جاؤں گا۔ تم لوگ یقیناً سرکاری ملازم ہو۔ ایک ڈیڑھ کروڑ کی رقم تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی زندگی بدل سکتی ہے۔"

"تم اپنی آزادی کی بہت کم قیمت لگا رہے ہو۔ ڈیڑھ کروڑ کے بارے میں ایک آدمی ضرور سوچ میں پڑ سکتا ہے مگر ہم چار ہیں۔ ہمارے....."

"دس کروڑ" اس نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے اضطراری لہجے میں بولی لگائی۔

وہ رشوت کی پیشکش کررہا تھا۔ تہ خانے میں کہا ہوا ہر لفظ ایک حساس سسٹم کے ذریعے مقناطیسی فیتے پر ریکارڈ ہورہا تھا۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ کھٹومل کی مزاحمت کی ہر قوت اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی اور وہ ہمارے چنگل سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہر حربہ آزمانے پر تل گیا تھا۔

"نہیں کھٹومل..... اتنی چھوٹی رقم میں ہم اپنے ضمیر کا سودا نہیں کرسکتے۔"

"مجھے معلوم ہے..... سب معلوم ہے۔" وہ بے چین ہوا جارہا تھا۔ "ہر شخص کے اصولوں کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ سستے اصول آسانی سے بک جاتے ہیں۔ تمہاری بولی میری حیثیت سے زیادہ ہوئی تو میں تمہاری زیادتیاں سہتا رہوں گا ورنہ تمہارا منہ بند کردوں گا۔ بولو، کیا مانگتے ہو!"

"پیچ..... پیچ کے سوا کچھ نہیں۔ امریکیوں کے لیے تم کب سے اور کیا کام کررہے ہو۔" میں نے سرد اور اٹل لہجے میں اسے سنگین حقائق کی دنیا میں واپس کھینچ لیا۔

مایوسی کے عالم میں اس پر ایک مرتبہ پھر ہذیان کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔

بے ضمیر اور جرائم پیشہ لوگوں کو اپنی زندگی بہت عزیز ہوتی ہے۔ اسی کو رنگین اور پُرتعیش انداز میں گزارنے کے لیے وہ جرائم کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ کھٹومل کو جب یہ اندازہ ہوگیا کہ جھوٹ اور پیسے کے زور پر وہ ہمارے چنگل سے نہیں نکل سکے گا تو اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

اس کی کہانی کا حیرت انگیز اور بنیادی پہلو یہ تھا کہ اس کے سیاسی و سماجی جرائم کا بھارتی سفارت کاروں سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کی اڑان بہت اونچی تھی۔ اس نے براہِ راست امریکیوں سے مراسم استوار کئے تھے۔ ان سے دوستی بڑھانے کی سرتوڑ کوششوں میں اس سے جابجا کئی لغزشیں بھی ہوئیں جن کی غلط تشہیر اس کی سماجی اور گھریلو زندگی تباہ کرسکتی تھی۔ یہ امریکی سفارت کاروں کے گرد پھیلے رہنے والے ایجنٹوں کی کارکردگی تھی کہ کھٹومل کی زندگی کے وہ کمزور لمحے کہیں نہ کہیں محفوظ کرلیے گئے تھے۔

بین الاقوامی سازشوں کے ایک لگے بندھے معمول کی طرح کھٹومل نے بھی ایک چھوٹا کام کرکے اس دلدل کے سرے پر پہلا قدم رکھا تھا اور پھر ہر بڑھتے ہوئے قدم کے ساتھ وہ اس دلدل میں دھنستا ہی چلا گیا۔ اس کے پاس امریکی فرمائشوں سے گریز کی کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔

جن دنوں میں امریکا میں بلیک ڈیڈ اور چینی کے تعاون سے امریکی مفادات کو زک پہنچا رہا تھا، امریکی قونصل خانے کے ویزا افسر نے کھٹومل کو میرے کسی قریبی ساتھی کے اغوا پر مامور کیا تھا۔ میرا کانفٹن والا فلیٹ پہلے سے ان لوگوں کی نگاہوں میں تھا۔ کھٹومل نے اپنے آدمی میرے پیچھے لگا دیے۔

کھٹومل کے آدمی پہلے سلطان شاہ کے ہاتھوں زخمی ہوئے پھر گلشن اقبال میں ہمارے ہاتھوں مارے گئے۔ ان کا وہ عبرت ناک انجام کھٹومل کے لیے اشتعال انگیز ثابت ہوا اور اس نے بالم کو میرا فلیٹ تباہ کرکے وہاں موجود ہر شخص کو ہلاک یا اغوا کرنے کے مشن پر مامور کردیا۔

اس کے بعد کے واقعات ہمارے سامنے تھے۔ میں نے

Downloaded from https://paksociety.com

کھٹول سے یہ بھی اگلوا لیا کہ اس نے اپنی ایف آئی آر میں میرا نام امریکی قونصل خانے کے ویزا افسر کے ایما پر ڈالا تھا۔

وہ کھٹول کی کہانی کا ایک رخ تھا جس کا براہِ راست میری ذات سے تعلق تھا۔ اس بارے میں اس کی زبان سے نکلی ہوئی تمام تر جزئیات ریکارڈ کرنے کے بعد میں نے چوہدری سلام کا قصہ چھیڑ دیا۔

چوہدری سلام سے کھٹول کی شناسائی زیادہ پرانی نہیں تھی اس لیے وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ کسی زمانے میں چوہدری سلام ممو مستری کے نام سے لاہور کی ایک فٹ پاتھ پر اپنا موٹر ورکشاپ چلاتا تھا۔ ان دونوں کی ملاقات اس وقت ہوئی جب ممو مستری اپنے ماضی سے پیچھا چھڑا کر چوہدری سلام کے نام سے پاکستان کے سیاسی اکھاڑے میں اتر چکا تھا۔

ایک ممتاز اقلیتی رہنما ہونے کی بنا پر سندھ میں کھٹول کو کئی شراب خانوں کے پرمٹ ملے ہوئے تھے۔ دوسری طرف چوہدری سلام کو اپنی مالی استعداد بڑھانے کے لیے دولت کمانے کے آسان نسخوں کی تلاش تھی۔ ایک نعرے باز سیاسی کارکن اور سفید پوش بدمعاش ہونے کی وجہ سے وہ بہت سے رہنماؤں کا منہ چڑھا تھا۔ اس نے پنجاب میں شراب خانوں کے پرمٹ لینے شروع کر دیے۔

بنیادی طور پر وہ سرکاری اجازت نامے شراب کے پرمٹ پر غیر مسلموں کو فروخت کے لیے جاری کیے جاتے تھے۔ ان دکانوں میں مے نوشی کی اجازت نہیں تھی لیکن یہ ایک کھلا راز تھا کہ ملک بھر میں بیشتر دکانوں پر مے خواروں کو پینے کے لیے شراب فراہم کی جاتی تھی اور پرمٹ کے بغیر مسلمانوں کو بلیک بھی کی جاتی تھی، یہی دو دھندے ان دکانوں کی خطیر آمدنی کا ذریعہ تھے۔

مے فروشی میں مشترکہ مفادات کی بنا پر ان دونوں میں مراسم کی داغ بیل پڑی۔ دونوں واقف تھے کہ اس کام میں قانون شکنی کیے بغیر کچھ آمدنی نہیں تھی۔ اس موضوع پر باہمی اعتماد میں اضافہ ہوا تو چوہدری سلام نے کھٹول کو ہیروئن فروشی کا آغاز کرنے کی تجویز دی۔

چوہدری سلام کے پاس جملہ ذرائع موجود تھے مگر سرمایہ نہیں تھا۔ کھٹول کے پاس سرمائے کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن وہ ہیروئن فروشی کے اسرار و رموز سے ناواقف تھا۔ دونوں میں شراکتی کاروبار کی ابتدا ہو گئی۔

چوہدری سلام نے قلیل سی مدت میں اس کام کے ہیر پھیر سے اتنا مال بنا لیا کہ اگلے انتخابات میں کارکنوں کی بھرپور نفری کے ساتھ میدان میں کود پڑا۔ شرافت، دھونس، دھمکی اور سرمائے کے ملے جلے استعمال سے وہ کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو ہی گیا۔ اسمبلی میں پہنچنے کے بعد اس نے بیوروکریسی کے اہم مہروں سے اپنے تعلقات بڑھانے شروع کر دیے جن سے کھٹول بھی حسبِ ضرورت فیض یاب ہوتا رہا۔ کراچی میں پیش آنے والے ناسازگار حالات سے کھٹول کی گلوخلاصی کے لیے چوہدری سلام نے اپنے ان ہی تعلقات سے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔

یہ کھٹول کے اعترافات کا خلاصہ تھا۔ اس کی کہانی میں ایسے کئی پردہ نشینوں کے نام بھی آئے تھے جو پورے ملک کو چونکا سکتے تھے۔ بیوروکریسی اور سیاست کے میدان میں انتہائی نیک نام لوگوں کے وہ کرتوت میرے لیے حیران کن تھے۔

میں نے اکبر رانا سے نظروں ہی نظروں میں تبادلۂ خیال کیا۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کی کہ اس کے چلے جانے کے بعد وہ کھٹول کو الیکٹرک چیئر کے بندھنوں سے آزاد کرنے کے ساتھ ہی بلائنڈ فولڈ سے بھی نجات دلا دیں۔

"کھٹول کے اعترافات میرے لیے اب ناقابلِ یقین ہیں۔" تہ خانے کے زینوں پر اکبر رانا نے دھیمی آواز میں سرگوشی کی۔ "اگر وہ ان اعترافات سے منحرف نہیں ہوتا تو امریکی ایک مرتبہ پھر اپنا منہ لے کر رہ جائیں گے۔ انہیں تمہارے خلاف نئے سرے سے کوئی محاذ کھولنا ہو گا۔"

"اس کی کتھا سن لینے کے بعد تم کس نتیجے پر پہنچے ہو؟" میں نے اسی لہجے میں پوچھا۔

"چیف کو کھٹول کے بارے میں بریفنگ دینے کے ساتھ ہی مجھے چوہدری سلام کی گرفتاری کی اجازت بھی حاصل کرنی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں نام آنے کے بعد وہ گرفتاری کے خوف سے سرحد پار کر کے کسی پڑوسی ملک میں روپوش ہو جائے۔"

"گڈ، یہ کام سب سے زیادہ ضروری ہے۔" میں نے اس کی بھرپور تائید کی۔

کمرے میں پہنچنے کے بعد میں سگریٹ سلگا کر تھکے ہوئے انداز میں بستر پر دراز ہو گیا۔ اکبر رانا فون پر اپنے چیف سے رابطہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

حاصل کرلی مگروہ کسمپرسی کے عالم میں مرگیا۔ ہم جان کی پناہ گاہ کا سراغ لگانے کی کوشش میں لگے رہے۔ فون نمبر کے حوالے سے وہ پتا معلوم ہوگیا۔ ہم پوری احتیاط اور تیاریوں کے ساتھ اس تاریک اور بظاہر ویران مکان میں پہنچے تو گھور اندھیرے میں اچانک ہی سنی سامنے آگیا۔ میری دانست میں وہ بازار حسن میں پروان چڑھنے والا ایسا بے ضرر نوجوان تھا جو زنانہ عادتوں میں مبتلا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سنی 'راس' المیڈا کا آدمی ہوگا۔ اول خان اسے اپنے آدمی کے قاتل کے طور پر شہر بھر میں تلاش کرتا پھر رہا تھا مگروہ تھا جو زنانہ عادتوں میں مبتلا تھا۔ جان آیا تو ہم نے اسے چھاپ لیا۔ اس دوران میں ہمیں یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ جان نے جس سفارت کار کے گھر نوکر رکھی ہے' اس کا گھر سنی سے ملاقات کے لیے آتا تھا۔ جان آیا تو ہم نے اسے چھاپ لیا۔ اس دوران میں ہمیں یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ جان نے جس سفارت کار کے گھر نوکری کی خبر گیری کی تھی' موجود وقت سے بے خبر' اپنے خوفناک عزائم کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔ ہاہی ہاہی ٹاہی ٹاہی کے بعد یہ خیال زور پکڑتا چلا گیا کہ راس المیڈا کے جسم میں کوئی چپ' موجود رہا ہوگا جس کی مدد سے اسٹیشن فور کی نشاندہی کی جاسکتی تھی۔ اول خان نے اپنے دوست کمانڈر سعید سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ امریکن نیوی کے سمندر میں تعینات جہاز سے ہیلی کاپٹر اڑا کر راس المیڈا کے جسم میں کوئی چپ' ہونے کا شک ظاہر کیا تھا۔ اس شک کی بنیاد پر ہی ہم نے سنی کو اغوا کیا تھا۔ اس کے جسم سے ہیلی کاپٹر سمیت جسم واصل ہوگئے۔ بعد کے معاملات کمانڈر سعید نے اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اب ہمارے سامنے راے کے ایجنٹوں کی تلاش تھی۔ ساگا کی محبوبہ سے ہم یہ جان چکے تھے کہ راجن اور وکرم نامی دو افراد کو ساگا نے ایک مقامی ہوٹل میں ٹھہرایا تھا۔ اب ہوٹل کے ذے داروں سے معلومات کرنا تھیں۔ اول خان کی بھاگ دوڑ کافی مفید ثابت ہوئی تھی مگر ہمیں صبح کا انتظار تھا۔ اگلے دن راس المیڈا کے جاسوسی آرڈک بیل نے ایک فون کال کرکے ہمیں اضطراب میں مبتلا کردیا کہ ہفتے کے دن پاکستان کا ایک ہیلی کاپٹر غائب ہوا ہے۔ ہفتے کے دن ہی تو ہم نے ان کے خاکے تیار کرلیے تھے۔ پہلے راے کے ایجنٹوں کی تلاش ضروری تھی کیونکہ انہوں نے یہاں اپنی موجودگی کا ثبوت دو ہم دھماکوں کی شکل میں دے دیا تھا۔ انہیں پاکستان پہنچانے والے غفور بھٹی کی مدد سے ان کے خاکے تیار کرلیے گئے تھے مگروہ بے کار ثابت ہوئے۔ اس سلسلے میں ہم نے ساگا کی محبوبہ نادیہ سے مدد حاصل کی۔ اس کا بیان کردہ حلیہ' غفور بھٹی کی بتائی ہوئی معلومات سے قطعی مختلف تھا۔ ہم نے غفور بھٹی کو اغوا کیا۔ اس سے ایک اسپیڈ بوٹ میں بازپرس کی گئی کہ اس نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا تھا مگروہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ میرا اول خان سے اپریشن پر رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ نادیہ کی مدد سے تیار کیے گئے خاکوں کو ہوٹل کے عملے نے پہچان لیا ہے مگر یہ دونوں ایجنٹ ہوٹل چھوڑ چکے ہیں۔ غفور بھٹی کے سلسلے میں اس نے کہا کہ اس کے پیروں میں وزن باندھ کر سمندر میں پھینک دیا جائے۔ اول خان کی تجویز سن کر وہ بھی بار سا ایسے ہوا۔ اس نے ساری زندگی سمندر میں گزاری تھی اور پھر سے پانیوں میں آنے والی موت کا مفہوم اچھی طرح جانتا تھا۔ ہمارے تشدد کے نتیجے میں غفور بھٹی نے اکمل دیا کہ اس نے بختیشل کے کہنے پر خاکوں میں تبدیلی کی تھی۔ بختیشل ماہی ول مراد کا آدمی تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس نے راے کے ایجنٹوں کو معاونت کے عوض پناہ دے رکھی تھی۔ غفور بھٹی کو سمندر کے حوالے کرنے کے بعد ہم نے بختیشل اغوا کیا۔ حاتمی ول مراد ان ایجنٹوں کو ہمارے حوالے کردے گا مگر اس وقت وہ اپنے دوست غفور بھٹی کی گمشدگی پر پریشان ہے۔ اسے دوسری راہ سجھانے کے لیے میں نے اغوا کنندہ کی حیثیت سے اس کا سامنا کیا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ انہوں نے مجھے خود اپنی تلاش کا کام سونپا تھا۔ ان کے ذریعے میں نے بھارتی قونصل خانے میں ملازم مدن موہن کو گھیرا لیا۔ اس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہونے کی امید تھی۔ راے کے ایجنٹ راس المیڈا کے ہلاوے پر پاکستان آئے تھے۔ اب اس کی موت کے بعد انہیں امریکی قونصل خانے کے اگزیکٹو موذے سے مزید ہدایات ملنا تھیں مگروہ خود براہ راست یہ ملاقات نہیں کرسکتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے درمیان رابطے کا کام انجام دوں۔ میں نے اسی کام کی ہامی نہیں بھری تھی مگروہ موذے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹراسمیٹر بھجوایا تھا۔ میں نے ایف ایم ٹانک کے ذریعے ان کی گفتگو سنی تو اندازہ ہوا کہ اگلی اہم مشن وزیرستان تھا۔ بدری اور رمیش موذے سے ملے۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹراسمیٹر بھجوایا تھا۔ میں نے ایف ایم ٹانک کے ذریعے ان کی گفتگو سنی تو اندازہ ہوا کہ اگلی اہم مشن وزیرستان تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی طے تھی' بدری کو ٹانک کا تھکانہ انداز نہیں پسند نہیں آیا تھا۔ وہ میرا تعاون حاصل کرکے مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ یہ ڈیوژ انارز کو تباہ کرنے کا بہترین موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ تب موذے نے بھی وہ افراد کو بھیجا تھا جو ٹراسمیٹر میں پوشیدہ ذی کیئر کی مدد سے ہمارے ٹھکانے کی طرف آرہے تھے۔ بدری نے دونوں کو جہنم واصل کردیا۔ اس دوران میں میری اور ویرا کی لندن جانے کی تیاریاں ہو چکی تھیں۔ بدری سے وہاں رابطے کا نمبر لے کر میں لندن روانہ ہوگیا۔ جہاز میں اتفاقاً مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے ایک ممبر سلیم اکبر ملے تھے۔ وہ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ لندن میں بدری کے دیے ہوئے نمبر پر رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس نمبر پر راے کے ایجنٹوں کے مسائل حل کیے جاتے ہیں۔ میری درخواست پر ایک ایجنٹ کیتا کو بھیجا گیا۔ وہ میری طرف سے مکتلو تھی چنانچہ اپنے کو لاکر اپنے ساتھی کی مدد سے اسلحہ اکٹھا کرنا چاہتی تھی۔ ویرا نے پیچھے سے پہنچ کر دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ دوسرے قتل کی واردات سے سنسنی پھیلا دی۔ دوسری طرف پاکستان میں سلیم اکبر خان کے دفاتر میرے ایماء پر سیل کردیے گئے تھے۔ وہ ملک واپس جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر میں نے اسے رضامند کرکے واپس بھیج دیا جہاں اول خان اس کا منتظر تھا۔ بدری کے لندن پہنچتے ہی اس کی نگرانی شروع ہوگئی تھی۔ رمیش اس کی راہ کی رکاوٹ تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کی راہ کا یہ کانٹا جلد ہی نکل جائے گا۔ پہلی واردات کے بعد بدری کے لندن پہنچتے ہی اس کی نگرانی شروع ہوگئی تھی۔ رمیش اس کی راہ کی رکاوٹ تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کی راہ کا یہ کانٹا جلد ہی نکل جائے گا۔ پہلی واردات کے خطرات اور پریشانی کے بعد فی الحال حالات ہمارے حق میں تھے۔ ویرا نے رمیش کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ وہ واپس ہوئی تو اول خان سے ملنے والی یہ اطلاع اس کی منتظر تھی کہ پاکستان میں سلطان شاہ کو اغوا کرلیا گیا ہے۔ غزالہ اس لیے بچ گئی کہ وہ اول خان کے گھر تھی۔ ہم متفق تھے کہ یہ کام آرڈک بیل کا ہے۔ آرڈک بیل سے براہ راست بات ہوئی تو اس کی تصدیق ہوگئی۔ اس کی معلومات کے مطابق میں پاکستان میں ہی تھا۔ اس نے مجھے ڈیوژ انارز کے لیے کام کرنے کی پیش کش کی۔ مولوی سلطان شاہ کو لاشوں کے ساتھ نابود میں بند کرکے امریکا پہنچایا تھا۔ میں نے اول خان کو صورت حال بتادی مگروہ بدقسمتی سے اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور امریکی کمپنی کاسی ٹن ٹیکنی سلطان شاہ کو لے کر روانہ ہوگیا۔ بدری تاحد نے اپنی امریکا روانگی کی اطلاع دی اور رابطے کا نمبر بھی دے دیا۔ ہماری امریکا روانگی سے قبل اول خان نے اطلاع دی کہ سلطان شاہ نے اس دن تحویل اغوا کرلیا۔ میں نے دوبارہ آرڈک بیل سے رابطہ کیا۔ امریکی قوم کی ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی چنانچہ وہ اس خبر کو دبانا چاہ رہا تھا۔ فوری خیال کے تحت فیصلہ کرکے میں نے آرڈک بیل سے طویل گفت

Downloaded from https://paksociety.com

وشنید کی جس کے نتیجے میں سلطان شاہ کو شدید زخمی حالت میں انقرہ کے ایک اسپتال میں پہنچادیا گیا۔ امریکا کے سفیر میں ہماری ملاقات خرم نامی نوجوان طالب علم سے ہوئی۔ وہ ناراضگی میں سنتیات فروشوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے دوران میں ویرا ڈیوڈ اسٹارنز کی نظروں میں آگئی اور آنرک بیل ہماری آمد سے آگاہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے ملاقات میں بتایا کہ اسے جلد ہی کسی اور شہر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے مجھے آنرک بیل کے آفس کا پتا بھی مل گیا۔ آنرک بیل کو غلط فہمی تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کا مہمان ہوں۔ اسے خوف زدہ کرنے کو میں نے اس کے دفتر آنے کا عندیہ دیا۔ وہ فوراً آفس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ویرا جو اس کے آفس کا جائزہ لینے گئی تھی، اطمینان سے اپنا کام کر آئی۔ اس کے بیان کے مطابق آنرک بیل رنگمس انکارپوریٹڈ نامی ایک سیکیورٹی کمپنی کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ وہاں ویرا کو اپنی ایک پرانی سہیلی جینی بھی نظر آگئی۔ آنرک بیل نے بلیک ڈیڈ کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ جینی نے آنرک کی ایک اہم فائل ویرا کے حوالے کردی۔ آنرک بیل سے رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ کراچی کی ایٹمی بجلی گھر ناکارہ ہوچکا ہے۔ اس کی مرمت کے لیے پرزے امریکا سے جانے تھے۔ یہ ذمے داری رنگمس کمپنی کی تھی۔ جینی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس سامان کو دو روز کے لیے ایک گودام میں ذخیرہ کیا جانا تھا۔ گڑبڑ کا امکان غالب دیکھ کر میں نے ویرا کو گودام کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ جینی سے حاصل ہونے والی فائل کی ایک کاپی میں نے اول خان کو بھجوادی تھی تاکہ وہ اسے ڈی کوڈ کرا سکے۔ جینی کے مطابق اس اہم فائل کی گمشدگی پر آنرک بیل آگ بگولا تھا۔ میں نے آنرک بیل سے فون پر بات کی تو اس نے اس فائل کے عوض ایک بھاری رقم کی پیشکش کی۔ میں نے منع کردیا۔ ویرا نے ہمارے مطلوبہ گودام کے برابر والی دکان کرائے پر حاصل کرلی تھی لیکن وہ بلیک ڈیڈ کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے مقتل کرنے کے بعد ہم منصف کے مطابق پر نسٹن روانہ ہوگئے۔ یہاں میں نے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ٹیکنیشن کو پرزوں میں کرپٹو سے باز رکھا۔ اب ہلاک کرنے کے بعد ہم نے اسے ایس لیزر گائیڈنگ ڈیوائس سمیت ایک کنویں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کرچکا تھا۔ ہوٹل پہنچے پر بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے اور سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سی آئی اے، آنرک بیل، راس المیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان، ایران اور افغانستان کے معاہدات کی تباہی تھا۔ میں نے آنرک بیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنادی کہ ہمارا بھیجے جانے والے پرزے بے فکری سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہوگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی قضائیہ کی ائیر ایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جارہا ہے اور بک موڈلے امریکا روانہ ہورہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ہی طرح تھا۔ اس کے ایجاز میں نے آنرک بیل سے فائل کے بتادے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کرکے آنرک بیل کو زخمی کردیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے دو ٹوک بات چیت کررہا تھا کہ لائن ڈراپ ہوگئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر نکل گئے۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آنرک بیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کر لے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کررہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں سے ایک اخبار کی چٹکی بڑی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا۔ زخمی آنرک بیل کے بیان کے مطابق اس پر قاتلانہ حملہ میں نے کیا تھا۔ تاہم اسی بات تصدیق طلب تھی کہ حملہ میں نے کیا ہے یا کسی اور نے۔ میں نے حالات کا اندازہ کرکے گیپ ناٹی معاہدہ اپنے پاکستانی سفارت کار کے ذریعے اول خان کو بھجوادیا۔ میری فراہم کردہ معلومات کی بنا پر بدری ناتھ کو اہم پاکستانی مقام حاصل ہوگیا تھا۔ اب کرمانی کی تلاش میں نیویارک بھیج دیا گیا تھا۔ اب میری توجہ بقیہ ڈیوڈ اسٹارنز کی طرف مبذول ہوگئی۔ بلیک ڈیڈ نے ہیری مارٹن اور چار اہم افراد کے نام فراہم کردیے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹارنز کا فون نمبر سمجھ دے دیا جو اسے اغوا قائل کیا تھا۔ میں نے تجسس ڈیوڈ نامی ڈیوڈ اسٹارنز کے گھر فون کرکے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیٹ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ تجسس سے میری بات چیت بے نتیجہ رہی۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہی ہوشیار ثابت ہوا۔ ڈیوڈ اسٹارنز کے ناموں کی مدد سے ہم نے جینی کے کمپیوٹر پر کارنڈ سے چار جرنلسٹوں کا پتا اور فون نمبر معلوم کرلیا۔ بلیک ڈیڈ سے تبادلۂ خیال ہوا تو اس کی تجویز پر جارج شلز کو دو داؤدی مناروں میں طاقت ور مائیکروفون چھپانے کے بطور تحفہ بھیج دیے گئے۔ مائیکروفون کے ذریعے پتا چلا کہ وہ چاروں موجودہ صورتِ حال پر گفتگو کرنے کے لیے بیجنس فورٹ کے گھر اکٹھا ہونے والے ہیں۔ بلیک ڈیڈ نے ان چاروں کو جنم واصل کرنے کے لیے ایک بے داغ پلان بنایا۔ ہم جارج شلز کا اغوا کرکے ایک ایمبولینس میں ڈال کر بیجنس کے گھر پہنچے میں کامیاب ہوگئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ڈیوڈ اسٹارنز اپنے محافظوں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھے اور ایمبولینس پر فائر کھول دیا۔ اس کے مسلح محافظ ہوائی فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس اسٹیٹ قریب پہنچ چکی تھی کہ ہم مرکز بھی وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ کسی بلی کے دبنے کے باعث ہماری ہی ایمبولینس کا سائرن بجا تھا۔ خون ریز مقابلے کے بعد چاروں ڈیوڈ اسٹارنز مارے گئے۔ میری بدری ناتھ سے بات ہوئی تو اس نے حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے بلاوجہ مرکز بھٹ پر زیادتی ہونے کا الزام لگایا۔ اس کے منحرف ہونے کے بعد امریکا میں مزید قیام خطرناک تھا اس لیے بلیک ڈیڈ سے کہہ کر ہم نے واپسی کے انتظامات کرلیے تھے۔ اب صرف بک موڈلے سے حساب بے باق کرنا تھا جو ان دنوں امریکا میں تھا۔ بلیک ڈیڈ نے میرے ایما پر اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اغوا کروالیا۔ میں ابھی اس پر تشدد ہی کررہا تھا کہ بلیک ڈیڈ کے ایک آدمی نے مجھ پر ریوالور تان لیا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دراصل یہ غلط فہمی تھی جو بلیک ڈیڈ کے آدمی ڈک کے بھیجنے پر کی گئی تھی۔ ڈک کا نشانہ بک موڈلے تھا۔ بک کو ہلاک کرنے کے بعد اب بدری ناتھ میرے نشانے پر تھا۔ بلیک ڈیڈ کی فراہم کردہ ہارورڈ میڈیکل کے ذریعے بدری ناتھ بھی نہیں بچ سکی اور اسے اہل کاروں جسم واصل ہوا تو ہم نے رخت سفر باندھ لیا۔ ہم علیارے سے بحفاظت سوار ہوگئے مگر فلائٹ کے دوران میں ویرا نے سیٹوپلن ناک جیرنائی کے چیف پائلٹ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ ہم اچانک سنگین خطرے سے دوچار ہوگئے تھے لیکن یہ مرحلہ ویرا نے خود کو بیمار ظاہر کرکے طے کرلیا۔ ہم بحفاظت پاکستان پہنچ گئے۔ امریکا جانے سے پہلے ہم راکے ایجنٹ مدن موہن کے نیجل انفارمیشن سیل پر کام کررہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ اس نے راکے دو افسار مراد خان کو گرفتار کرلیا تھا مگر وہ اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ سلطان شاہ نے ان کا سراغ لگا کر انہیں معذور کردیا تھا۔ میں نے انہیں اٹھانے کا پروگرام بنایا اور اول خان کے ساتھ ان کے ٹھکانے پر جا پہنچا۔ ایک گارڈ کو ختم کرنے کے بعد ہی ہمارا سامنا ہوگیا تھا کہ مجھے دوسرے گارڈ نے گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔ اسی وقت لائٹ چلی گئی اور مجھے گارڈ سے نمٹنے کا سنہرا موقع مل گیا۔ فائرنگ کے نامانوس انفار مر کو ہم اسٹیشن فورلے آئے۔ اس پر تشدد کیا گیا تو اس نے اپنے پشت پناہ کھنول راجوانی کا نام اگل دیا جو ایک بارسوخ جاگیردار تھا۔ اول خان نے بتایا کہ جینی کے ہمارے خلاف رضاکارانہ بیان کے بعد امریکا نے میری حوالگی کا مطالبہ کردیا ہے اور اس کے ساتھ گیپ کے اصل کاغذات بھی طلب کیے ہیں۔ بلیک ڈیڈ کو بھی گرفتار کرلیا گیا تھا۔ میں نے کھنول راجوانی سے نمٹنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ہمارے فلیٹ کا محاصرہ ہوگیا۔ ہم نیچے جانے کے لیے لفٹ میں سوار ہوئے۔ اسی دوران میں فائرنگ کرکے نزافنار مرتباہ کردیا گیا جس کے نتیجے میں بجلی معطل ہوگئی۔ ہم لوگ لفٹ میں قید ہو کر رہ گئے۔ ہم گن کی مدد سے دروازہ کاٹنے کے بعد ہم لفٹ سے نکل آئے۔ باہر ہوا میں دار فائرنگ ہورہی تھی۔ ہم بھی ان میں شامل ہوگئے اور دشمنوں کو سیدان چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ یہ کھنول کے بھیجے ہوئے لوگ تھے۔ ہم نے فوری طور پر ہوائی حملہ کرکے مراد خان کے آدمی صرف کھنول کے گھر ہونے والی تقریب کو درہم برہم کرسکتے۔ کھنول نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور مہمانوں کا قیمتی سامان اپنے قبضے میں کرکے میرے خلاف ایف آئی آر کٹوادی۔ اول خان کی ہدایت پر خواتین اس کے گھر اور سلطان شاہ اسٹیشن فور منتقل ہوچکا تھا۔ میں فی الحال جہانگیر کے گھر چلا آیا تھا۔ اول خان نے سرچ وارنٹ حاصل کرکے آئی جی کی سربراہی میں کھنول کے گھر کی تلاشی لی تو مسروقہ سامان کی برآمد ہوگئی البتہ کھنول فرار ہوگیا۔ ابھی ہم کھنول کی بازیابی کے متعلق تبادلۂ خیال ہی کررہے تھے کہ جہانگیر کی بیوی سلمٰی نے مجھے اپنی سرگزشت میں روکنے کے لیے اپنی کنپٹی سے ریوالور لگالیا۔ اول خان نے سلمٰی سے ریوالور چھینا تو وہ شرمندہ ہوکر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ اسی وقت فون پر جہانگیر نے اطلاع دی کہ اس کی دکان کے باہر دو بدمعاش موجود ہیں۔ اول خان اور سلطان شاہ کو کھنول کی تلاش میں حیدر آباد روانہ کرکے میں ایس ایچ او کے آدمی کے ساتھ جہانگیر کی مدد کو پہنچ گیا۔ ان میں سے ایک بدمعاش کالو کمراٹی کسی زمانے میں جہانگیر کے ساتھ کام کرچکا تھا۔ اب وہ جہانگیر کے ذریعے میرا کھوج لگا کر انعام کی بھاری رقم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ہم دونوں بدمعاشوں کو اسٹیشن فور لے آئے جہاں ان پر تشدد کے

Downloaded from https://paksociety.com

بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں وہ لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکما دے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کروایا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورت حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کھنول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت کردی۔ اول خان کے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کا سیاسی منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کھنول کو اس کے پشت پناہ چوہدری سلام کے گھر سے اٹھا کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچادیا۔ کھنول کے سلسلے میں اچانک حالات ہمارے موافق ہوگئے۔ کالو کرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنادیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفرکردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کھنول کا پشت پناہ چوہدری سلام بیرونی کے کاروبار میں ٹوٹ تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے فون کرکے بتایا کہ کالو کرانی کو نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں ماردیں۔ خوش قسمتی سے کالو کرانی صرف زخمی ہوا تھا۔ امریکیوں نے کھنول کی گمشدگی پر خاصا واویلا کیا اور کالو کرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ کھنول کو دوبارہ اسلام آباد بلالیا گیا۔ میں نے انٹرو گیشن سیل میں اس سے کڑی باز پرس کی جس کے نتیجے میں اس نے سنسنی خیز انکشافات کیے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں ویرا کے ساتھ اپنے دشمنوں کے دیس' امریکا میں تھا تو وہاں واقعات اتنی تیزی کے ساتھ رونما ہوتے چلے جارہے تھے کہ ہمیں درمیان میں ستانے کی مہلت بھی مشکل سے ملتی تھی۔ وقت شب و روز ایسی بے رحمانہ رفتار سے گردش میں تھا کہ ہمیں اس کا ساتھ دینے میں دقت محسوس ہورہی تھی۔ سرکاری اور غیر سرکاری دشمنوں کی بھیڑ میں ہمارے بس دو ہمدرد اور ہم نوا تھے۔

پہلا سفید فام بلیک ڈیڈ تھا جو ہمارا ساتھ دینے کی پاداش میں آخری وقت میں امریکی ایجنسیوں کی گرفت میں آگیا تھا۔ دوسری گول مٹول' ہنس مکھ اور دل ربا جینی تھی جسے ویرا نے رشک و رقابت اور اپنی خودغرضی کی بنا پر اپنا دشمن بنالیا تھا۔

امریکا میں چند روز کے قیام میں ہم نے اتنے معرکے سر کیے تھے کہ ان مراحل سے گزر آنے کے بعد خود مجھے بھی اپنی ان کامیابیوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

دوسری طرف پاکستان ہمارا اپنا وطن تھا۔ یہاں حالات بہت مختلف تھے۔ ہمارے حامیوں اور مددگاروں کو دشمنوں پر واضح عددی برتری حاصل تھی' بظاہر وقت کا دھارا بھی ہمارے ساتھ تھا لیکن کامیابی کی رفتار حیران کن حد تک سست ہوگئی تھی۔

تھکن' ولی جان' بالم اور جانی ضرور ہمارے گئے تھے لیکن وہ سب ایک تناور درخت کی بے فیض جٹائیں تھیں جنہیں کاٹ کر بھی اس شجر کا گھنا سایہ کم نہیں کیا جاسکا تھا۔

جنہم واصل ہوجانے والے ان مجرموں اور غداروں کے دونوں پشت پناہ ہمارے لیے حلق کی ہڈی بن کر رہ گئے تھے۔ کھنول ہماری تحویل میں تھا لیکن سیاسی مصلحتوں اور ضرورتوں کی بنا پر اسے وہ سزا نہیں دی جاسکتی تھی جس کا وہ سزاوار تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ جس روز وہ ایس ٹی ایف کی تحویل سے نکل کر کرپشن میں لتھڑی ہوئی انتظامیہ کی گود میں پہنچا' کوئی نہ کوئی راشی افسر اس کی ترغیبات کے تحریص آمیز پھندے میں پھنس کر اس کی راہیں آسان بنادے گا۔

رہا چوہدری سلام تو وہ قومی اسمبلی کا رکن تھا۔ اس کے خلاف واضح فرد جرم ہونے کے باوجود اس پر آسانی سے ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا تھا۔

ایس ٹی ایف کڑے ڈسپلن میں جکڑی ہوئی ایک عجیب تنظیم تھی جس میں ہر ماتحت کسی چون وچرا کے بغیر اپنے اوپر والوں کا حکم ماننے پر مجبور تھا مگر اس وقت مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہورہی تھی کہ کمانڈر اکبر رانا چوہدری سلام کی گرفتاری کے بارے میں فون پر اپنے چیف سے بحث کرنے کی دلیرانہ کوشش کررہا تھا۔

میں پُرامید نظروں سے اکبر رانا کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ فون پر اپنے چیف سے گفتگو کو طول دیتے ہوئے اس کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئی تھیں' اس کا چہرہ قدرے تمتمایا ہوا تھا' اس کے لب ولہجے میں دبا دبا سا احتجاج پوشیدہ تھا۔ آخر کار گفتگو تمام ہوئی اور اس نے مایوسانہ انداز میں اپنا سر جھٹک کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

ملک میں منشیات فروشی' سیاست' قیادت اور فرائض سے... روگردانی کے بارے میں' میں عرصہ دراز سے جو کچھ سنتا رہا تھا' اس کی گرہیں بہت دھیرے دھیرے کھل رہی تھیں۔ وہ سب ایسے وزنی پتھر تھے جنہیں ہر ایک چوم کر ان کی جگہ پر چھوڑ دیتا تھا۔

"بہت مشکل کام ہے۔ چیف سب کچھ سمجھنے کے باوجود مجبور ہے۔" اکبر رانا گفتگو ختم کرنے کے بعد اپنی عرق آلود پیشانی صاف کرتے ہوئے بولا۔

سلطان شاہ پیرودھائی کے اڈے کے قریب واقع افغان مہاجرین کے امدادی کیمپ کے بارے میں ہونے والی گفتگو کے بعد شاید ہم دونوں سے ناراض ہو کر اسلام آباد کی سیر کو نکل گیا تھا۔ اکبر رانا کی بات پوری ہوتے ہی تھکا ہارا' کمرے میں لوٹ آیا۔

اپنی مسلسل مصروفیت کی وجہ سے میں نے اس کی غیر حاضری محسوس نہیں کی تھی۔ وہ یوں اچانک میرے سامنے آیا تو مجھے اس پر غصہ آگیا۔

"کچھ کہے سنے بغیر' اونٹ کی طرح منہ اٹھا کر کہاں نکل گئے تھے؟" میں نے قدرے درشت لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"افغان مہاجرین کی بھیڑ میں جانے سے ڈر رہا تھا اس لیے منہ چھپا کر خاموشی سے مرگلہ کی سیر کو نکل گیا تھا۔" اس نے بے پروائی سے کہا "ویسے بھی میں کوئی ناسمجھ بچہ نہیں ہوں جسے ہر قدم اٹھنے سے پہلے اپنے بڑوں سے اجازت لینی پڑے۔"

"میرے لیے یہ اطلاع حیرت ناک ہے کہ تم اچانک اتنے بالغ ہوگئے ہو۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "آئندہ اپنے اس

Downloaded from https://paksociety.com

دعوے سے منحرف نہ ہو جانا۔"

وہ ڈھٹائی سے مسکراتا ہوا ایک خالی کرسی میں ڈھیر ہو گیا اور اکبر رانا سے مخاطب ہو کر بولا "میں تمہاری پوری بات نہیں سن سکا۔ تم کسی کی مجبوری کا ذکر کر رہے تھے۔"

میری دیکھا دیکھی اکبر رانا نے اس کا مضحکہ اڑانے کی کوشش نہیں کی بلکہ سنجیدگی سے کہنے لگا "کھٹمل نہ خانے میں بند ہے اور ہم چوہدری سلام کو اٹھانے سے قاصر ہیں۔"

"جب اس کے گھر سے کھٹمل کو زخاخیل جیسے دور دراز علاقے میں پہنچایا اور پھر یہاں واپس لایا جا سکتا ہے تو اسے اٹھانے میں کون سی دشواری حائل ہو سکتی ہے؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"سیاسی ادارے مجرموں کی پناہ گاہ بننے لگیں تو ہر طرف دشواریاں ہی دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔" میں نے تلخی سے کہا "وہ اسمبلی کا رکن ہے...."

"سب سے بڑی دقت یہی ہے۔" اکبر رانا نے درمیان میں ہی میری بات کی تائید کی "ایس ٹی ایف سیاست اور سیاسی شخصیات سے دور رہتی ہے۔"

"مگر یہ سیاست کا مسئلہ نہیں ہے۔ چوہدری سلام ایک مجرم ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

"یہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ قانون کی زبان میں وہ ملزم ہو سکتا ہے۔ مجرم اسی وقت کہلائے گا جب دس پانچ برس کی سماعتوں کے بعد کوئی عدالت اس کے خلاف پیش ہونے والی شہادتوں کو کافی تسلیم کرے گی۔ اس جیسے ملزم یا مجرم کو سوچے سمجھے بغیر نہیں پکڑا جا سکتا۔"

"کیوں؟" سلطان شاہ کا وہ مختصر ترین سوال بہت سخت لہجے میں پوچھا گیا تھا۔

"اراکین اسمبلی کو بہت سے تحفظات حاصل ہوتے ہیں۔ ہم چوہدری سلام کو بعض مقتدر شخصیات کی اجازت کے بغیر چھو بھی نہیں سکتے۔ اس بارے میں کام ہو رہا ہے۔ اشارہ ملتے ہی چوہدری کو اس کے بیٹے سمیت گرفتار کر لیا جائے گا۔" اکبر رانا نے جواب دیا۔

"تم نے اس کے فرار یا روپوشی کا خدشہ ظاہر کیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تمہاری کہی ہوئی ہر بات میرے ذہن میں گھر کر جاتی ہے۔ میں نے دل کڑا کر کے یہ بات چیف کے کانوں تک پہنچا دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ چوہدری سلام اس وقت نادیدہ دوربینوں کے سائے میں گھوم پھر رہا ہے۔ اسے کسی قیمت پر بھی سرحد پار نہیں جانے دیا جائے گا۔ اشارہ ملنے پر اسے ذرا سی دیر میں ہتھکڑیاں پہنا دی جائیں گی۔"

میرے لیے ایس ٹی ایف کے چیف کی وہ یقین دہانی بھی باعثِ اطمینان تھی۔

میں کھٹمل، چوہدری سلام اور امریکی قونصل خانے کے ویزا افسر کے گھناؤنے گٹھ جوڑ کے بارے میں سوچتا اور کڑھتا رہا۔ اسی دوران میں میری ذہنی رو کراچی کی طرف بھٹک گئی۔

ان سازشوں کا بنیادی منظر نامہ کراچی میں تیار ہوا تھا اور کھٹمل کراچی میں خطرات کی بو سونگھ کر اچانک ہی اسلام آباد میں روپوش ہوا تھا۔ اس کے تعاقب میں ہمیں بھی وہاں آنا پڑا تھا جب کہ کراچی کا محاذ اول خان نے سنبھالا ہوا تھا۔

پتا نہیں اس وقت وہ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا۔ ہماری مجبوری یہ تھی کہ ہمارا واسطہ ایسے خطرناک دشمنوں سے پڑا ہوا تھا جو جدید ترین ہتھیاروں اور مواصلاتی سہولتوں سے لیس تھے۔ ہمارے بعض ٹھکانے ان کی نظروں میں آئے ہوئے تھے۔ اگر میں دوسرے نمبروں پر اول خان سے رابطہ کرتا تو ہماری گفتگو سنی یا ریکارڈ کی جا سکتی تھی۔ اس سے بات کرنے کی بس ایک ہی صورت محفوظ و مامون تھی کہ وہ جہانگیر کے فون پر ہم سے رابطہ کرتا۔

جہانگیر کے فون پر سی ایس ڈی نصب تھی۔ اس کی موجودگی میں ہم کسی کی مداخلت کے خطرے کے بغیر پوری بے فکری سے تبادلۂ خیال کر سکتے تھے۔

میں ان خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ فون کی تیز گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔

اکبر رانا نے لپک کر وہ کال ریسیو کی۔ اس کے لب و لہجے اور گرم جوشی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ دوسری طرف اس کا کوئی شناسا ہی تھا۔

چند ثانیوں کی رسمی گفتگو کے بعد اس نے ریسیور خاموشی سے میری طرف بڑھا دیا۔

"میں بڑی مشکل میں پھنسا ہوا ہوں۔" دوسری طرف سے اول خان کی فکرمندانہ آواز آئی "اس وقت گھر سے ہی بات کر رہا ہوں۔ وہ ہر قیمت پر تم سے بات کرنے پر تلی ہوئی ہے۔"

میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ ویرا کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "کھل کر بات نہیں ہو سکتی مگر پھر بھی ریسیور اسے دے دو۔"

"نہیں، وہ سرکشی پر آمادہ ہے۔ یہاں کچھ اور مسائل بھی ہیں۔ میں تھوڑی دیر بعد تم سے دوبارہ رابطہ کروں گا۔" اس کی آواز سے اضطراب جھلک رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، میں انتظار کروں گا۔ کسی مجبوری کی وجہ سے یہاں ٹکا نہ رہ سکا تو موبائل پر رابطہ کر لینا۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

میرا جواب سنتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔

"اول خان کچھ پریشان اور گھبرایا ہوا تھا۔" اکبر رانا نے مجھے کریدنے کی کوشش کی۔

"وہ کچھ نئے مسائل کا ذکر کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک محفوظ نمبر سے دوبارہ رابطہ کرے گا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"میں پہلے بھی تمہاری زبان سے محفوظ فون نمبر کا تذکرہ سن چکا ہوں۔ کیا اس میں کوئی خاص خوبی پائی جاتی ہے؟" اکبر رانا اپنے دل میں پیدا ہونے والے تجسس پر قابو نہیں پا سکا۔

"اس فون پر ہونے والی گفتگو میں کسی بھی قسم کی مداخلت ناممکن ہے۔" میں نے اسے ٹالنے کے لیے سرسری سا جواب دیا۔

"کیا ہم اسٹیشن نائن کے نمبروں پر ایسا بندوبست نہیں کر سکتے؟" اس نے پوچھا۔

"سنسر سینسنگ ڈیوائس ہی یہ سہولت فراہم کر سکتی ہے۔ میں اس کے کسی متبادل سے واقف نہیں ہوں۔" میں نے ایمان داری سے اعتراف کر لیا۔

"یہ کوئی نایاب قسم کا آلہ معلوم ہوتا ہے۔ میں اس سے لاعلم ہوں۔" وہ بولا۔

اس کے اشتیاق کو دیکھتے ہوئے مجھے سی ایس ڈی کے بارے میں زبان کھولنی پڑ گئی۔

جاپان کی ریڈ آرمی بنیادی طور پر ایک خفیہ عسکری تنظیم تھی جو سائنسی تحقیق اور تجربات جیسے نازک کاموں کے جھنجھٹ میں نہیں پڑ سکتی تھی۔ لازمی بات تھی کہ ان لوگوں نے سی ایس ڈی کسی موجد یا محقق سے خریدی تھی اور پھر اپنی ضرورت سے زائد وہ آلات تیار کروانے کے بعد خفیہ طور پر، بھاری داموں فروخت بھی کیے تھے۔

وہ عام استعمال کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس کی ساری افادیت اس کے محدود اور خفیہ رہنے میں مضمر تھی۔ ریڈ آرمی والوں نے اپنی سرمایہ کاری واپس لینے کے لیے اس کی قلیل سی تعداد اپنے حلیفوں کے ہاتھ بیچی تھی جن میں بھارت کے ریسرچ اینڈ اینالیسس ونگ یا را والے بھی شامل تھے۔ ان کی طرف سے وہ آلہ بدری ناتھ کو بھی دیا گیا تھا تاکہ وہ پاکستان میں پورے تحفظ اور رازداری کے ساتھ اپنے مذموم منصوبوں کو پروان چڑھا سکے۔

یہ بدری ناتھ اور اس سے بڑھ کر را والوں کی بدقسمتی تھی کہ وہ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد راس المیڈا تک پہنچنے کے بجائے میرے ہتھے چڑھ گیا اور اپنی بدقسمتیوں کی ایک لمبی داستان اپنے سینے میں لیے، میرے ہاتھوں امریکا میں جہنم واصل ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہونے والی طویل ذہنی اور اعصابی جنگ میں سی ایس ڈی مالِ غنیمت کے طور پر میرے ہاتھ آئی تھی۔

اکبر رانا کے لیے پیشہ ورانہ طور پر را اور ریڈ آرمی کے نام بہت زیادہ سنسنی خیز تھے۔ وہ سب ایسی ریاستی اور غیر ریاستی تنظیمیں تھیں جو تجسس سے دور رہ کر نہایت خاموشی سے اپنے کام سر انجام دیتی رہتی تھیں۔

وہ راو والوں کے ساتھ میرے اس ٹکراؤ سے بے خبر تھا۔ اس کی دلچسپی کے پیشِ نظر مجھے ماضی قریب کے وہ واقعات خاصی تفصیل کے ساتھ دہرانے پڑ گئے۔

اکبر حیرت اور گہری دلچسپی سے وہ تفصیلات سنتا اور گاہے گاہے سوالات کرتا رہا۔ پوری کتھا سن لینے کے بعد اس نے حسرت زدہ لہجے میں کہا "ایسی فول پروف ایجاد تو ہمارے استعمال میں بھی ہونی چاہیے۔ ہمارے مالی وسائل ناکافی نہیں ہیں۔"

"بات مالی وسائل کی نہیں، ایسی نفیس چیزوں کی دستیابی کی ہے۔" سلطان شاہ نے فاضلانہ انداز میں اسے سمجھایا "زیرِ زمین رہ کر کام کرنے والوں کی بھی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں۔ وہ دگنے داموں پر بھی ایسی نادر چیزیں مسلمانوں کو نہیں دیں گے۔"

میں سلطان شاہ کی وہ نکتہ آفرینی سن کر چونک پڑا "یہ مسلمانوں کا ذکر کہاں سے آ گیا؟"

"تمہارے ساتھ رہ کر میں نے بہت کچھ دیکھا اور سیکھا ہے۔ آج کل دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد کی لہر چل رہی ہے۔ وہ جہاں بھی ہیں، پٹ رہے ہیں۔"

"سلطان شاہ کی بات سے مجھے بھی اتفاق ہے۔" اکبر رانا نے سر ہلا کر اس کی تائید کی "سی آئی اے، کے جی بی، ایم فائیو اور موساد جیسے رسوائے زمانہ ادارے ہر جگہ مسلمانوں کے خلاف اسی طرح سرگرم ہیں جس طرح را والے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم سے کیا قصور سرزد ہوا ہے۔"

"کبھی کبھی تو مجھے یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے آنے والے سالوں میں کسی تیسری صلیبی جنگ کی چپکے چپکے تیاریاں کی جا رہی ہیں۔" سلطان شاہ مسلسل مجھے حیران کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"صلیبی جنگوں کا حوالہ دے کر تم یہ جتانے کی کوشش کر رہے ہو کہ تم نے تھوڑی بہت تاریخ بھی پڑھی ہوئی ہے۔" میں نے قدرے حیرت سے کہا۔

"تاریخ سے مجھے اسکول میں بھی خوف آتا تھا۔ مرنے والوں کی ہڈیاں تک رزقِ خاک ہو چکی ہیں اور بچوں کو ان کے مرنے جینے کے دن رٹنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا "میں نے نسیم حجازی اور دوسروں کے لکھے ہوئے تاریخی ناول بہت شوق سے پڑھے ہیں۔"

"ایک زمانے میں میرے گاؤں کی چوپال میں کوئی پڑھا ہوا نوجوان لڑکا پورے ایکشن کے ساتھ یہ ناول پڑھتا تھا اور سارے بڑے بوڑھے انہماک سے یہ قصے سن کر بیچ بیچ میں تحسین و مرحبا کے نعرے لگاتے تھے۔ کوئی جنگی فتح ہوتی تو فلک شگاف نعرۂ تکبیر سے بھی گونج اٹھتی تھی۔" اکبر رانا اس روز پوری طرح سلطان شاہ کی کہی ہوئی باتوں کی تائید کرنے کے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔

"اب میں خود اپنی بے وقوفی پر ہنستا ہوں۔" سلطان شاہ بولا۔ "ان ناولوں میں یوں لگتا ہے جیسے لکھنے والا ہر جگہ موجود رہ کر سارے مکالمے اپنے کانوں سے سنتا رہا ہو۔ امیروں، سپہ سالاروں اور بادشاہوں کے سونے کے کمروں میں ہونے والی سرگوشیاں تک

Downloaded from https://paksociety.com

ناولوں میں ڈال دی جاتی ہیں۔ گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے' سورما خاک و خون میں نہا رہے ہیں' تلواریں ٹوٹ رہی ہیں' زخمی گھوڑے بدک کر اپنے ہی فوجیوں کو روند رہے ہیں' کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔ ایسے میں ہیرو اپنی مشرقی حور کے بارے میں کوئی نازیبا بات سوچتا ہے اور مصنف دل کی وہ آواز پوری طرح سن کر جوں کی توں ناول میں شامل کرلیتا ہے۔ اس زمانے میں یہ سب چل جاتا تھا۔"

"اب ٹیلی وژن اور سیٹلائٹ نے بڑوں سے زیادہ بچوں کو چالاک بنا دیا ہے۔ لوگ تصوراتی دنیا کے بجائے زمین کی حقیقتیں اور کہانیاں پڑھنی چاہتے ہیں۔" وہ پوری گفتگو اکبر رانا اور سلطان شاہ کے درمیان ہی چل رہی تھی۔

"لکھنے والے آسمان سے نہیں اترا کرتے۔" میں نے ان دونوں کو فہمائش کی "وہ وہی کچھ لکھتے ہیں جو ان کے قاری پڑھنا چاہتے ہیں اور اسی لیے مقبول ہوتے ہیں...."

"پھر تو یہ تخلیق نہیں ہوئی۔" سلطان شاہ نے فوراً میری بات کاٹ دی "فرمائشی قصے کہانیوں کے سہارے مقبولیت حاصل کرنا کوئی کمال تو نہیں ہے۔"

"تم بہک رہے ہو۔ قصے کہانیاں فرمائشی نہیں ہوتیں۔ پلاٹ مصنف کا اپنا ہوتا ہے۔ اندازِ بیان وہ ہوتا ہے جو پڑھنے والوں کو اپنی طرف راغب کرسکے۔"

"مجھے صرف ایک بات بتا دو۔" اس نے مطالبہ کیا "بادشاہ اور ملکہ آدھی رات کو اپنی خواب گاہ میں امورِ سلطنت پر جو باتیں کرتے ہیں' وہ ناول میں کیسے آجاتی ہیں؟ کیا مصنف شاہی چھپر کھٹ کے نیچے چھپ کر شارٹ ہینڈ میں ہر لفظ اور مکالمہ لکھ لیتا تھا؟"

میں اپنی بے ساختہ مسکراہٹ پر قابو نہ پاسکا "تم نرے الو ہو۔ عام قاری ماضی کے حکمرانوں کی خلوت کی باتیں بھی جاننا چاہتا ہے۔ اسے یہ مواد پڑھنے کو ملتا ہے تو وہ تمہاری طرح تنقید نہیں کرتا۔ تحریر سے لطف اندوز ہو کر ان کمزوریوں کو نظرانداز کردیتا ہے۔"

"نا سمجھی میں' میں بھی یہی کیا کرتا تھا۔ جب سے تھوڑی بہت عقل آئی ہے' میں نے راستہ بدل لیا ہے۔" وہ ناراضی کو یکسر فراموش کرکے خوشگوار موڈ میں آچکا تھا۔

"بات تیسری صلیبی جنگ کے امکان سے شروع ہوئی تھی اور میرے گاؤں کی چوپال سے ہوتی ہوئی دور نکل گئی۔" اکبر رانا نے سنبھل کر کہا "سلطان شاہ کی بات میں وزن تھا۔"

"سلطان شاہ نے اپنی بات ذرا کھردرے الفاظ میں کہی ہے۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر کہا "صلیبی جنگیں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ہوئی تھیں۔ اب غور کرو تو محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف دھیرے دھیرے ایک عالمی اتحاد وجود میں آرہا ہے۔ اس میں عیسائیوں کے ساتھ ہندو اور یہودی بھی شامل ہیں۔"

"وہ گرہ سے کچھ خرچ نہیں کررہے۔ زیادہ تر سرمایہ منشیات کے فروغ سے حاصل کیا جارہا ہے۔ اس کے بعد ہتھیاروں کی بلیک مارکیٹ بھی وسائل حاصل کرنے کا دوسرا بڑا ذریعہ ہے۔" اکبر رانا نے اپنی معلومات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہتھیاروں کی اسمگلنگ کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ ان کی بلیک مارکیٹنگ سے تمہاری کیا مراد ہے؟" سلطان شاہ نے الجھن آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

اکبر رانا نے اجازت طلب نظروں سے میری طرف دیکھا اور اشارہ پاکر کہا "دنیا بھر میں ہتھیاروں کی تجارت پر چند گنے چنے ملکوں کی اجارہ داری ہے مگر وہ صرف اپنے پسندیدہ ملکوں سے ہی لین دین رکھتے ہیں' دوسروں کو گھاس نہیں ڈالتے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟" سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کر ڈالا "یہ مسابقت کا دور ہے۔ ان کا فائدہ اسی میں ہے کہ ان کی بارودی صنعتیں دن رات چلتی رہیں اور ان کا بنایا ہوا اسلحہ پوری دنیا میں

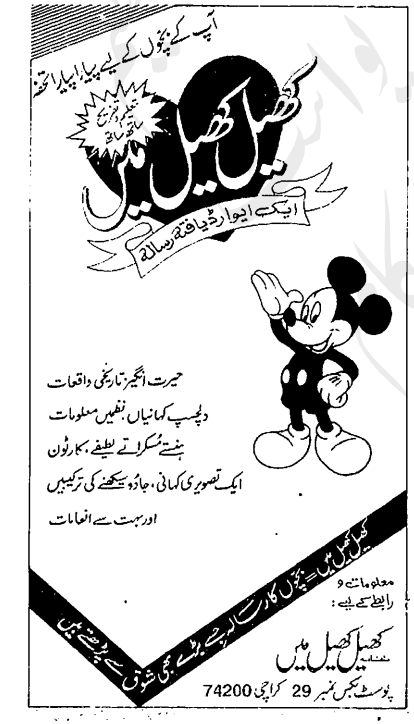
آپ کے بچوں کے لیے پیارا پیارا تحفہ
تعلیم تربیت
اور معلومات
کا سرچشمہ
کھیل کھیل میں
ایک ایوارڈ یافتہ رسالہ
حیرت انگیز تاریخی واقعات
دلچسپ کہانیاں' نفیس معلومات
ہنستے مسکراتے لطیفے' کارٹون
ایک تصویری کہانی' جادو سیکھنے کی ترکیبیں
اور بہت سے انعامات
کھیل کھیل میں سے بچوں کا رسالہ بڑے بڑے بھی شوق سے پڑھتے ہیں
معلومات و
رابطے کے لیے:
کھیل کھیل میں
پوسٹ بکس نمبر 29 کراچی 74200

Downloaded from https://paksociety.com

فروخت ہوتا رہے۔"

"ہو یہی رہا ہے مگر ذرا دو سرے طریقے سے۔ پسندیدہ ملکوں کو وہ رعایتی داموں پر پوری گارنٹی اور ذمّے داری کے ساتھ ہتھیار وغیرہ دیتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہیں امداد اور قرضے بھی دیتے ہیں۔ ان کے ناپسندیدہ ملکوں کی فہرست میں مسلمان ملکوں کی تعداد زیادہ ہے۔"

"یہ میں پڑھتا رہا ہوں۔ کوئی دہشت گرد ہے، کہیں آمریت ہے، کہیں بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں۔ ہر ایک کو بلیک لسٹ کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ موجود ہے۔"

"ان میں پاکستان کے ساتھ لیبیا، عراق اور ایران وغیرہ بھی شامل ہیں۔"

اکبر رانا کے تائید طلب لہجے کے جواب میں سلطان شاہ نے سرہلا کر اعتراف کیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟ بلیک لسٹ میں آئے ہوئے ان ملکوں نے اپنی فوجی ضروریات کی طرف سے آنکھیں بند کرلی ہوں گی؟"

"اپنی صنعتوں کو ترقی دے رہے ہوں گے۔ پاکستان ایٹمی دوڑ میں سب کو حیران کیے دے رہا ہے، پھر ہر ملک کے لیے متبادل ذرائع بھی موجود ہیں۔"

"سب سے بڑا متبادل چین ہے مگر اس کی پیداواری صلاحیتیں محدود ہیں۔ جدید ترین اور دشمن کے لیے تباہ کن ٹکنالوجی صرف مغرب کے پاس ہے۔ براہِ راست پابندی ہونے کی وجہ سے ہم ایسی چیزیں کسی تیسرے ذریعے سے خریدنے پر مجبور ہیں۔"

"اوہ!" سلطان شاہ کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز نکلی "تو یہ تیسرا ذریعہ بلیک مارکیٹ ہے!"

"ایسے معصوم نہ بنو۔" اس کی حیرت پر میں نے غصے سے کہا۔ "پھٹی کریک کے ذریعے سندھ کے ڈاکوؤں کو ہتھیاروں کی فراہمی کے علاوہ الحدید نامی بوٹ کے قصے سے بھی تم اچھی طرح واقف ہو۔ الحدید کا قصہ اتنی دور تک چلا گیا تھا کہ اول خان عتاب میں آگیا تھا۔"

"ان دنوں تم مجھے اتنا زیادہ باخبر نہیں رکھتے تھے۔ میرے لیے وہ ہتھیاروں کی اسمگلنگ کے واقعات تھے جو پاکستان میں تشدد اور دہشت گردی کو ہوا دینے کے لیے پلان کیے گئے تھے۔"

"را والے بھارتی فیکٹریوں میں بنے ہوئے ہتھیار اور گولے وغیرہ یہاں بانٹیں یا بیچیں تو یہ واقعی اسمگلنگ کہلائے گی۔ بلیک مارکیٹنگ اسی سازو سامان کی ہوتی ہے جو کھلی منڈیوں میں نہیں ملتا۔" اکبر رانا نے جلدی سے دخل اندازی کی "بلیک میں خریدی جانے والی ہر چیز کے بارے میں دو کمزور پہلو ہوتے ہیں۔ وہ منگنی ملتی ہے اور اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی۔"

"تیسری دنیا کے مسلمان ملکوں کو وہ گولا بارود بھی بیچ دیا جاتا ہوگا جو گوداموں میں پڑے پڑے ناکارہ ہوگیا ہو؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"ایسا ہوتا رہتا ہے۔ بارود کا ٹیسٹ میدانِ جنگ میں یا حقیقی جنگی مشقوں میں ہی ہوتا ہے۔"

"آج تک ایسی کوئی خبر نظر سے نہیں گزری کہ کسی ملک کا خریدا ہوا اسلحہ ناکارہ نکلا ہو۔"

"کوئی حکومت اپنی اس غلطی کا اعتراف نہیں کرسکتی۔ اس پر خطیر سرمایہ برباد ہوتا ہے۔ ایسی ناقص کھیپ کو خاموشی سے تلف کردیا جاتا ہے۔"

میں نے بولنے کے لیے زبان کھولی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میرے ذہن پر اول خان سوار تھا۔ میں نے جلدی سے ریسیور اٹھالیا۔

"میں جہانگیر کے گھر سے بول رہا ہوں۔" اول خان نے میرے اطمینان کے لیے ابتدا میں ہی وضاحت کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "پاکستان پر دباؤ بڑھانے کے لیے کراچی میں محاذ کھول دیا گیا ہے۔ آج صبح گیارہ بجے سندھ اسمبلی کے قریب ایک کار میں زبردست بم بلاسٹ ہوا ہے۔ تین شہری ہلاک اور سترہ زخمی ہوئے ہیں۔"

"تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا کہ یہ پاکستان پر دباؤ ڈالنے کی کوشش ہے؟" میں نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا "کراچی میں امن و امان کی صورت ویسے بھی تسلی بخش نہیں ہے۔"

"تم جانتے ہو کہ میں سوچے سمجھے بغیر زبان کھولنے کا عادی نہیں ہوں۔ میں ہر امکان پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں مگر کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"دباؤ ڈالنے کی کوشش کن لوگوں کی طرف سے کی گئی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے پورا یقین ہے کہ اس دھماکے میں وہ دونوں ملعون امریکی سراغ رساں ملوث ہیں جو کتوں کے ذریعے تمہاری تلاش کی مہم پر کراچی آئے ہوئے ہیں۔"

"تمہارے اس یقین کا کوئی نہ کوئی سبب بھی ہوگا؟" میں نے پہلو بدل کر پوچھا۔

"سبب نہیں، اسباب ہیں۔ ان دونوں کی نقل و حرکت بہت احتیاط سے مانیٹر کی جارہی ہے۔ وہ دونوں غیر ملکی فوٹو گرافروں کا روپ دھار کر آج صبح ڈیڑھ گھنٹے تک اس علاقے میں منڈلاتے رہے تھے۔ ان کے جانے کے آدھے گھنٹے بعد وہاں دھماکے سے تباہی پھیل گئی۔ درجنوں گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں ملبے کے ڈھیر میں بدل گئی تھیں۔"

غم و غصے کی ایک شدید لہر کے ساتھ میرا دل اداس ہوگیا۔ رات بھر سنسان رہنے والا وہ علاقہ دفتری اوقات میں بہت گنجان آباد اور مصروف ہوجاتا تھا۔ سرکاری دفاتر میں کام کرنے والے بے شمار افراد کے علاوہ وہاں عوام کا بھی ہجوم رہتا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ایسی بھیڑ بھاڑ میں کسی خطرناک تخریبی کارروائی کی کوشش وہی کر سکتا تھا جو اپنی زندگی اور موت سے بالکل بے پروا ہو کر کوئی مقصد حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہو۔ وہ دونوں امریکی سراغ رساں اس معیار پر پورے اترتے تھے۔

"ہم کس قدر بے بس ہیں!" میرے حلق سے ایک غراہٹ آزاد ہوئی "ان دونوں کو پیوندِ زمین کر دیا جائے تب بھی ان تین افراد کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جا سکتا جو ان کی درندگی کا نشانہ بنے ہیں۔"

"واقعی ہم بہت بے بس ہیں۔ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی ان دونوں کو ہاتھ تک نہیں لگا سکتے۔" اس کی آواز انتہائی پژمردہ تھی۔

"کیوں؟ ان دونوں کو تو اب تک اپنے پالے ہوئے کتوں کی خوراک بن جانا چاہیے تھا۔"

"سوری ڈینی! میرے جذبات بھی تم سے مختلف نہیں ہیں۔ وہ خونی پورے سفارتی پروٹوکول کے تحت آئے ہیں اور ہمارے مہمان ہیں۔ ان کی حفاظت ہماری ذمے داری ہے....."

"مجھے کسی پروٹوکول کی پروا نہیں۔" میں بپھر گیا "وہ دونوں قاتل اب کراچی سے زندہ نہیں لوٹ سکتے۔ کیسا اندھیر ہے کہ ہم کھٹمل کو گولی مار سکتے ہیں نہ ان دونوں کو سزا دے سکتے ہیں۔"

"انہوں نے یہاں قدم جما کر کم و بیش وہی کھیل شروع کر دیا ہے جو تم امریکا میں ان کے ساتھ کھیل کر واپس آئے ہو۔" اس کی آواز میں افسردگی رچی ہوئی تھی۔

"اول خان! خدا کے لیے تم تو یہ نہ کہو۔ میں امریکا میں ایک مجرم کی طرح ان کی نظروں سے چھپ کر اپنے ہدف حاصل کر رہا تھا۔ یہ دونوں ہمارے مہمان بن کر ہماری نظروں کے سامنے خوں ریزی کر رہے ہیں۔ ان بے شرم اور بے غیرت لوگوں سے میرا موازنہ مت کرو۔"

"تمہاری بات صحیح ہے۔ مجھے معاف کر دو۔" اس نے بلا تامل اپنی غلطی تسلیم کر لی۔

"کان کھول کر سن لو! وہ تمہارے یا حکومت کے مہمان ہو سکتے ہیں، میرے لیے بدترین دشمن ہیں اور میں تمہارے کسی سفارتی پروٹوکول کا پابند نہیں ہوں۔ تم انہیں انگلی نہیں لگا سکتے لیکن میں ان بھیڑیوں کے نرخرے چیر سکتا ہوں۔"

"میں تمہارا ہاتھ نہیں روکوں گا۔ تم کراچی کب لوٹ رہے ہو؟" ماؤتھ پیس میں اس کی آواز ابھری۔

"کراچی میں سفارتی پروٹوکول نے تمہارے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں۔ یہاں سیاسی پروٹوکول راستے کا پتھر بنا ہوا ہے۔ کھٹمل قبضے میں ہے۔ اس کے مزید کی گرفتاری کے لیے اجازت نامے کا انتظار ہے۔ مجھ سے یہ ذہنی عذاب نہیں جھیلا جائے گا۔"

"کھٹمل اصل مسئلہ تھا۔ وہ پوری طرح گرفت میں آگیا ہے تو

کون کہتا ہے کہ
شوگر کا کوئی علاج نہیں ہے؟

شوگر کا علاج تو صرف ہمارے پاس ہے۔
کیونکہ ہم نے تو جذبۂ خدمتِ انسانیت سے سرشار طویل عرصہ سے تحقیق و تجربہ کے بعد دیسی طبِّ یونانی قدرتی جڑی بوٹیوں پر ریسرچ کر کے شوگر سے مستقل نجات حاصل کرنے والی دوائی ایجاد کر لی ہے ہماری سچائی کو پرکھنے کیلئے ادویات استعمال کرنا یعنی آزمائش لازمی ہے۔ شفا منجانب اللہ پر ایمان رکھنا ہوگا۔ ہم آپکو عارضی وقتی انگریزی گولیوں سے انشاءاللہ نجات دلائیں گے۔ ہمیں آپ سادہ عام خط لکھنے کی بجائے ڈاکخانے سے خط رجسٹری ٹائپ کروا کر بھیجیں یا ہمارے ہاں خود تشریف لائیں سب سے زیادہ بہتر ہے کہ آپ ہمیں صرف ٹیلیفون کر کے تمام حالات بتا کر گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی ۷۰ شوگر کورس منگوالیں ہمارا شوگر علاج انتہائی سستا آسان اور مختصر ہے ہم آپکی شوگر سے ہمیشہ کیلئے جان چھڑائیں گے۔

نوٹ: ہم صرف شوگر کا علاج کرتے ہیں۔

المسلم دارالحکمت
ایم۔اے۔ مسلم مینیجر
الشریف مسلم ہاؤس جلالپور روڈ، ضلع و شہر حافظ آباد
حافظ آباد پاکستان
ٹیلیفون کوڈ 0438
ٹیلیفون نمبر 2313 2265
اوقاتِ ٹیلیفون
6 بجے شام تا 10 بجے رات
آج ہی ٹیلیفون کر کے شوگر کورس منگوائیں

Downloaded from https://paksociety.com

تم کراچی لوٹ آؤ....."

"چوہدری سلام بھی کم اہم نہیں ہے لیکن میں اس کی گرفتاری میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا۔ میرے حصے کا کام مکمل ہو چکا ہے.... یہ بتاؤ کہ کالو مکرانی کا کیا حال ہے۔" اول خان کی پیشہ ورانہ مجبوریوں کا احساس کرتے ہوئے میری جھنجلاہٹ ختم ہو گئی۔

"وہ اسپتال میں ہے اور خطرے سے باہر ہے۔" موضوع بدل جانے پر اول خان خوش ہو گیا۔

"آئی جی کے تبادلے کے بعد اس کے کیس کی کیا پوزیشن ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پرانی پوزیشن بحال ہو گئی ہے۔ کالو مکرانی اور قاسم سی آئی اے کے بجائے اسی تھانے کی تحویل میں آ چکے ہیں جس کے ایس ایچ او نے بیانات میں ہیر پھیر کرنے سے انکار کر دیا تھا۔"

"اور کھٹمل کا کیا بنے گا؟" مجھے اس کی چال بازیوں کی طرف سے فکر دامن گیر تھی۔

"اصولی طور پر وہ بھی اسی تھانے کا ملزم ہے۔ اکبر رانا سے بات کر کے مجھے اندازہ ہو سکے گا کہ اس کے بارے میں کیا کیا جا سکتا ہے.... یہ ویرا تم سے بات کرنی چاہ رہی ہے۔"

"اس سے کہہ دو کہ میں جلد ہی کراچی آ رہا ہوں...." میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اس اثنا میں ویرا شاید ریسیور پر قبضہ کر چکی تھی۔

"تم کراچی آ رہے ہو نا۔ میں آج شام کی پرواز سے اسلام آباد پہنچ رہی ہوں۔" ویرا کی آواز سے اس کی برہمی مترشح تھی "وہاں جا کر کسی چور کی طرح منہ چھپا کر بیٹھ گئے ہو۔ تمہیں کچھ احساس ہے کہ دوسرے لوگ تمہارے بارے میں کتنے فکر مند رہتے ہیں!"

"مجھے کراچی چھوڑے مشکل سے چند روز ہوئے ہیں اور میں اول خان سے مسلسل رابطے میں ہوں۔ میں کام چھوڑ کر فون سے بندھ کر نہیں بیٹھ سکتا۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تمہاری شادی اول خان سے نہیں، غزالہ سے ہوئی ہے!" اس کی آواز زہریلی ہو گئی۔

"شکایت غزالہ کو ہونی چاہیے۔ تم کیوں مرچیں چبا رہی ہو؟ میں فون پر غیر محتاط گفتگو کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے میں نے گھر فون نہیں کیا تھا۔ اول خان سے بھی جہانگیر کے نمبر پر بات ہوتی ہے۔ سب تم کو معلوم ہی ہے۔"

"تم سی ایس ڈی نکال کر اپنے ساتھ بھی لے جا سکتے تھے۔ تم نے دانستہ اسے چھوڑا ہے تاکہ اسلام آباد میں آزادی سے گلچھرے اڑا سکو۔"

اس کی کج فہمی پر میں بے اختیار ہنس دیا "اسلام آباد میں تم ہو نہ تمہاری سہیلی جینی۔ میں کھٹمل جیسے موذی کے ساتھ کیا موج اڑا سکتا ہوں؟ میں نے تمہارے لیے احتیاط کی ہدایت کی تھی۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ سختی سے اول خان کی چار دیواری میں روپوش رہو....."

"میں وارننگ دے رہی ہوں کہ تم کل شام تک کراچی واپس نہ آئے تو میں کسی خطرے کی پروا کیے بغیر اسلام آباد پہنچ جاؤں گی۔"

"چلو، میں تمہاری یہ دھمکی مانے لیتا ہوں۔" میں نے بات ختم کرنے کے ارادے سے کہا "اب ریسیور اول خان کو دے دو۔"

اول خان کے لائن پر آتے ہی میں نے ریسیور اکبر رانا کو دے دیا۔

"کیا کہہ رہی تھی ویرا؟" میرے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"کراچی جا کر اسی سے پوچھ لینا۔ تمہیں یاد کر رہی ہے۔" میں نے اسی کے لہجے میں جواب دیا اور وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

کراچی سے کھٹمل کے فرار اور پھر روپوشی کے بعد جو معاملات بری طرح الجھ گئے تھے، وہ اس کی بازیابی کی حد تک قابو میں آ چکے تھے۔ یہ بات بالکل طے ہو چکی تھی کہ حکمرانوں میں سے کوئی بھی کھٹمل کو عدالتی کارروائی کے بغیر ٹھکانے لگانے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ اسے ہر حال میں قانون کے مطابق مکافاتِ عمل سے گزرنا تھا۔

میرے لیے وہ نکتہ باعثِ تکلیف تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ اسے قانونی موشگافیوں سے کھیلنے کی مہلت دیے بغیر کیفرِ کردار کو پہنچا دیا جائے۔ اس بارے میں جو کچھ کرنا تھا، مجھے ہی کرنا تھا اور اس طرح کرنا تھا کہ سرکاری حلقوں میں میرے خلاف کوئی مخالفانہ جذبہ سر نہ اٹھا سکے۔

کمانڈر اکبر رانا کے بیان کے مطابق چوہدری سلام ہر وقت ان کی عقابی نگاہوں میں تھا۔ جوں ہی اوپر سے گرین سگنل ملتا، اسے اسلام آباد کے سیکٹر ایف سیون میں واقع اپنے عالی شان مکان سے اٹھا کر کسی لاک اپ میں ڈال دیا جاتا۔

میرے لیے اسلام آباد جیسے بے مہر اور روکھے پھیکے شہر میں بیٹھ کر ان دونوں امور کے ظہور پذیر ہونے کا انتظار کرنا بالکل بے سود تھا۔

اس امر میں کوئی کلام نہیں کہ اسلام آباد کی منصوبہ بندی بہت شان دار ہے، سڑکیں کشادہ ہیں۔ باغات، پارکوں اور تفریح گاہوں کی افراط ہے، زمین بیش قیمت اور عمارتیں حسین و پُر شکوہ ہیں لیکن اس پورے شہر پر اعلیٰ گریڈوں میں منقسم بیوروکریسی کا ایک درشت اور لاتعلقانہ سا مزاج طاری ہے۔ شہر میں زندگی اور زندہ دلی کا اظہار آب پارہ کے گرد و نواح میں ہوتا ہے جہاں پرانی اصطلاح کے مطابق تیسرے اور چوتھے درجے کے سرکاری ملازمین اپنے کرائے داروں سمیت آباد ہیں۔ اپنی سواری رکھنے والے امرا کے لیے شہر کے دو تین شاپنگ مال شام کے اوقات میں رونقیں لٹاتے ہیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں لوگوں میں گھل مل کر' ان ہی کے انداز میں اپنے شب و روز گزارنے میں سچی خوشی محسوس کرتا ہوں۔ میں جب بھی اسلام آباد میں رہا' ہوا کی تازگی اور ماحول کی فرحت کے باوجود ہمیشہ گھٹن کا شکار رہا۔

اسلام آباد کے مقابلے میں پنڈی ہمیشہ مجھے اپنا شہر محسوس ہوتا ہے۔ چھوٹے بڑے' امیر اور غریب' سب ہی لوگ راجا بازار' کینٹ' مری روڈ اور دوسرے بازاروں کی دھکم پیل میں خوشی خوشی گھومتے پھرتے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ فوجی افسر بھی جب سادہ لباس میں ہوتا ہے تو باقی چوک کی بھیڑ میں اپنا پیرو دب جانے پر کسی کو حقارت سے نہیں گھورتا۔

رہا لاہور تو اس کی بات ہی اور ہے۔ اسے بلاوجہ ہی زندہ دلوں کا شہر نہیں کہا جاتا۔ آپ پیار سے رخسار پر تھپکی دینے کے بجائے مسکراتے لبوں کے ساتھ' دوستی کے اظہار میں کسی کو ہلکا پھلکا تھپڑ بھی رسید کردیں تو وہ برہنائے خلوص اس کا برا نہیں مانے گا۔

شہروں کی وہ بھولی بسری یادیں' تازہ ہوتے ہی میرا خلجان بڑھنے لگا۔

اس وقت اکبر رانا اپنے دفتر چلا گیا۔ شام کی چائے پر اس سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو میں نے اس سے فوری واپسی کی خواہش کا اظہار کیا۔

"کیوں؟" اس نے متحیر اور استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "تمہیں بیٹھے بٹھائے اچانک واپسی کا خیال کیوں آگیا۔"

"تم کراچی میں ہونے والے دھماکے کے بارے میں سن ہی چکے ہو۔ مہمان کینگی پر اتر آئیں تو میزبان کی عزت کیا' زندگی تک عذاب میں پڑ جاتی ہے۔ یہاں میرا کوئی کام باقی نہیں رہا۔ مجھے رات کی پرواز سے بھی سفر کرنا پڑا تو میں واپسی کو ترجیح دوں گا۔"

"دراصل ان کی آدھی گھر والی نے انہیں وارننگ دے دی ہے...." سلطان شاہ نے تمسخرانہ لہجے میں بات شروع کی اور میں نے اسے بری طرح گھور کر خاموش کردیا۔

"ان کی آدھی گھر والی کون ہوئی؟" اکبر رانا نے میری طرف دیکھے بغیر اس سے پوچھا۔

"وہ سالی نہیں ہے' پھر بھی آدھی گھر والی ہے۔" سلطان شاہ باز نہیں آیا "یہ بیوی پر رعب جماتے ہیں۔ وہ انہیں اپنی دھونس میں رکھتی ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ روئے زمین پر کوئی عورت ایسی بھی ہے جو ان پر حاوی ہے۔ میرے حقیر سے تجربے کے مطابق ڈیڑھ کسی عورت سے مرعوب ہونے والوں میں سے نہیں ہیں۔"

"تم اس کی باتوں پر دھیان مت دو۔" میں نے ہنس کر بات اڑا دی "اگر میں اس کی ہونے والی منگیتر کا احترام کرتا ہوں تو اسے ایسی باتیں کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔"

اکبر رانا نے بے تکلفی سے سلطان شاہ کے شانے پر ہاتھ مار کر زوردار قہقہہ لگایا "تو یہ بات ہے۔ جو کام تم خود نہیں کرسکتے' وہ اپنی منگیتر سے لیتے ہو۔ یہ بہت بری بات ہے۔"

سلطان شاہ نے بوکھلا کر بار بار وضاحت کرنے کی کوشش کی لیکن ہم دونوں نے بلند آہنگ قہقہوں میں اس کی ایک نہ سنی۔ وہ چائے کی پیالی ختم کیے بغیر اپنے کمرے میں جا گھسا۔

پاکستان کی ہر ملکی پرواز پر سرکاری کوٹے پر کچھ نہ کچھ نشستیں مخصوص رہتی ہیں۔ پتا نہیں کس افسر کا کب بلاوا آجائے۔ کب کسی وزیر کو دورے کی سوجھ جائے۔ آخری لمحات پر بچ جانے والی ایسی نشستیں چانس پر موجود' شناسا مسافروں میں خاموشی سے بانٹ دی جاتی ہیں۔

اکبر رانا دارالحکومت کا رہنے والا تھا اور ان رموز و نکات سے خوب واقف تھا۔ پہلے وہ دیر تک مجھے روکنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کی سب سے مضبوط دلیل یہ تھی کہ اس وقت اس کے چیف سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ چیف چوہدری سلام کی گتھی سلجھانے کے لیے لاہور میں کچھ اہم افراد سے ملنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ اس کی واپسی تک مجھے اسلام آباد میں ہی رہنا چاہیے تھا۔

مجھے خود بھی اندازہ تھا کہ ملاقات کے بغیر میری واپسی پر چیف کو قلق رہے گا لیکن اس کے پاس مجھ سے شکوہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میں جب سے آیا تھا' مسلسل اس کے شہر میں موجود رہا تھا۔ یہ اس کی مصروفیات تھیں جنہوں نے اسے مجھ سے دور رکھا ہوا تھا۔

آخر کار اکبر رانا کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اس نے اپنے کسی شناسا کو فون کیا اور ہم رات کو کراچی روانہ ہونے والی پرواز کے لیے ائرپورٹ کی طرف روانہ ہوگئے۔

○☆○

ہم دونوں کے ساتھ زیادہ سازوسامان تھا نہ کوئی اور مجبوری۔ کسی کو فون کرکے پریشان کرنے کے بجائے ہم نے ٹیکسی پکڑی اور ائرپورٹ سے سیدھے جہانگیر کے فلیٹ پہنچ گئے۔

ہمارے گھر پر بالم اور جانی وغیرہ کے ناکام شب خون کے بعد سے ہم نے یہی بندوبست کیا تھا کہ دونوں عورتیں اول خان کے گھر پر رہ رہی تھیں۔ میں جہانگیر کے گھر پر تھا اور سلطان شاہ اسٹیشن فور پر رہ رہا تھا۔

اس نے راستے میں ہی کہا کہ میں اسے ملیر چھاؤنی میں واقع ایس ٹی ایف کے اسٹیشن فور پر اتار دوں لیکن میں نے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ جہانگیر کے گھر پر میرے ساتھ ایک رات گزار کر اگلی صبح واپس جاسکتا تھا۔

کال بیل کے جواب میں دروازہ کھلنے پر ویرا کی صورت نظر آئی تو میں بھونچکا رہ گیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"ارے.....! تم دونوں تو واقعی میری دھمکی میں آگئے" ویرا غیر متوقع طور پر ہمیں دیکھ کر خوشی سے بے قابو ہوگئی۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے ڈرپوک ہو۔"

"کوئی ڈرپوک نہیں ہے' ہمیں صرف تمہاری زندگی عزیز ہے۔ اپنی کسی حماقت سے جان کھو بیٹھتیں تو ہمیں ہمیشہ افسوس رہتا کہ تمہاری گردن ناپنے کے لیے ہم کراچی میں کیوں موجود نہیں تھے" میں نے اپنی حیرت پر قابو پا کر خشک لہجے میں کہا۔

"اڑیل گھوڑی کی طرح دروازے پر کیوں جمی ہوئی ہو؟" سلطان شاہ نے بھی اسے آنکھیں دکھائیں "راستہ دو تاکہ ہم اندر آسکیں۔"

"آؤ اڑیل ٹٹو!" ویرا نے سلطان شاہ کا بازو تھام کر اسے بے رحمی سے اندر گھسیٹ لیا "میں ابھی تمہاری خبر لیتی ہوں۔ کافی دنوں بعد میرے ہاتھ آئے ہو۔"

دروازے پر ہماری آوازیں سن کر سلمٰی کے ساتھ جہانگیر بھی پتلی سی راہداری کے سرے پر آگیا۔ رات بھیگ جانے کے باوجود جہانگیر صرف سرور میں تھا' نشے میں دھت نہیں تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ دونوں بھی خوش ہوگئے۔

"مجھے خوشی ہے کہ کراچی کی رونقیں لوٹ آئیں" جہانگیر نے مسرت سے کہا "جب تک کان تمہاری بکواس نہ سن لیں' زندگی بے کیف سی محسوس ہوتی ہے۔"

اسلام آباد کے انٹرنیشنل ائرپورٹ پر کمانڈر اکبر رانا کی احترام آمیز میزبانی کے سامنے وہ بے تکلفانہ استقبال بہت مسرت انگیز تھا۔

"تمہیں اول خان کے گھر پر ہونا چاہیے تھا۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" میں نے لابی سے گزر کر ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر بیٹھ کر ویرا سے سوال کیا۔

"مجھے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ مجھے کس وقت کہاں ہونا چاہیے۔ تم میرے ہیڈ ماسٹر نہیں ہو۔ کچھ پوچھنا ہی ہے تو اپنی جورو سے پوچھو۔"

ویرا کا جارحانہ جواب سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے۔ میرے ذہن میں شبے نے سر ابھارا کہ کہیں وہ غزالہ سے لڑ کر وہاں نہ آئی ہو "کیا غزالہ سے تمہاری کوئی اَن بن ہوئی ہے؟" میں اپنے اضطراری سوال کو زبان پر آنے سے نہیں روک سکا۔

"یار! تم بھی کس کی باتوں میں آرہے ہو" جہانگیر نے میرے شانے پر ہاتھ مار کر کہا "دوپہر کو اول خان اسے یہاں چھوڑ کر کسی کام سے گیا ہے۔ واپسی پر اپنے ساتھ گھر لے جائے گا۔ یہ اس کے انتظار میں اب تک تین ڈبل نگا چکی ہے۔"

میں نے ڈرائنگ روم کی خالی پیالیوں پر نظریں دوڑائیں' ہونٹ سکیڑ کر ایک دو گہرے گہرے سانس لیے پھر پوچھا "یہاں کی آب وہوا تو صاف ہے۔ یہ شغل کہاں ہو رہا تھا؟"

"میرے بیڈ روم کے سوا انہیں اور کہاں جگہ ملتی؟" سلمٰی نے مسکرا کر جواب دیا "میں نے ویرا کو مہمان سمجھ کر کمرا چھوڑ دیا اور ڈرائنگ روم میں آبیٹھی تھی۔ یہاں کی آب وہوا تمہیں اسی لیے صاف ستھری محسوس ہو رہی ہے۔"

"ہاں! تمہارے بدن میں آب وہوا نتھارنے کے فلٹر جو لگے ہوئے ہیں" جہانگیر نے اپنی بیوی پر چوٹ کی۔

سلمٰی نے اس کی بات کا ذرا بھی برا نہیں منایا۔ سب خوش گوار موڈ میں تھے اور ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔

"اول خان کہاں گیا ہے؟ اب تک اسے لوٹ آنا چاہیے تھا" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر سنجیدگی سے سوال کیا "کہیں وہ کسی مشکل میں نہ گھر گیا ہو۔"

"آج کل وہ موبائل فون سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے بتا چکا ہے کہ اسے لوٹنے میں کچھ اور وقت لگے گا۔"

"مگر وہ ہے کہاں؟" میں نے الجھ کر پوچھا۔

"جام جم میں دیکھو۔ شاید پتا چل جائے" ویرا نے بے پروائی سے کہا "تمہاری طرح وہ بھی اپنی مصروفیات کے بارے میں کسی کو اعتماد میں نہیں لیتا۔"

"اس گھر میں جام جم نہیں ہے۔ اجازت ہو تو ہم دونوں اپنے گلاس یہیں لے آئیں؟" جہانگیر نے ملتجیانہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہرگز نہیں" سلمٰی نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ "یہ طے ہو چکا ہے کہ اب تم اپنے بیڈ روم سے باہر ایک گھونٹ بھی نہیں لوگے۔"

"آج رات ہم یہیں سو جائیں گے تو ڈرائنگ روم ہمارا بیڈ روم بن جائے گا۔ آپس کے گھریلو معاہدے ایسی رواداری سے ہی چل سکتے ہیں ورنہ ٹوٹ جاتے ہیں" جہانگیر نے ڈھٹائی سے کہا۔

"نو!" ویرا ایک بہ یک سلمٰی کی حمایت پر تل گئی "بیوی اپنے شوہر کی پیر کی جوتی نہیں ہوتی۔ اسے رواداری کی پٹی پڑھانے کے بجائے تم خود بھی رواداری سے کام لو۔"

"میں تو تمہارا گلاس بھی یہیں لانا چاہ رہا تھا" مایوسی سے جہانگیر کا منہ لٹک گیا۔

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میرا گلاس بالکل خالی ہے۔ تمہارے کہنے کے مطابق میں تین ڈبل نگا چکی ہوں۔ اب تمہاری جیب پر چوتھے کا بوجھ نہیں ڈالوں گی۔"

"ارے! یہ تم کیسی چھوٹی بات کہہ رہی ہو" جہانگیر والہانہ فریفتگی سے بولا "خدا کی قسم' میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ تم جیسی خوش اخلاق دوست پر سے تو بوتلیں قربان کی جاسکتی ہیں۔ میں ڈبی کو تعداد کے ذریعے تمہارے موڈ کے بارے میں بتا رہا تھا۔"

"خیر!" ویرا نے سلمٰی کو آنکھ مار کر بے رخی سے کہا "مجھے ایسے لوگ سخت ناپسند ہیں جو پلانے کے بعد گلاس گنوانے بیٹھ جاتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔ جا کر اپنی اسکاچ خود پیتے رہو۔"

"دیکھو ویرا' مجھے ایسے گھٹیا طعنے نہ دو۔" جہانگیر اس کے سامنے گھگیانے لگا "تھوڑی دیر پہلے تم مجھے اپنا پسندیدہ.... م.... میرا مطلب ہے کہ پسندیدہ آدمی قرار دے رہی تھیں۔ ڈینی کے آتے ہی تم نے مجھ سے ایک دم آنکھیں پھیری ہیں۔"

"ڈینی کے آنے سے پہلے تم نے ایسی کوئی بات بھی نہیں کی تھی۔ مجھ پر طعنہ زنی کرو گے تو ایسی کڑوی کسیلی باتیں سنتے رہو گے۔ جب تک تم بھیگی بلی بنے ہوئے تھے' میں بھی تقریباً تمہاری بیوی جیسی فرماں برداری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ یہ...."

"ہو ہو.... ہو ہو!" جہانگیر گڑبڑا کر بلاوجہ ہی زور زور سے ہنسنے لگا "چھوڑو' لعنت بھیجو ان خرافات پر..... جھگڑوں میں کیا رکھا ہے..... کچھ اچھی اچھی باتیں کرو۔"

"مجھے تو یہ اس وقت بھی کسی بھیگے ہوئے بلے کی طرح مکار نظر آ رہا ہے" میں نے ویرا کے کنایوں سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں آفت کے پرکالے ہو" جہانگیر فضا میں دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا "پیچھے پڑ گئے تو میری مٹی ایسی پلید کرو گے کہ میں ہفتوں منانے کے باوجود سلمٰی کا دل صاف نہیں کر سکوں گا۔ کسی شریف آدمی کا گھر بگاڑنا اچھی بات نہیں ہے۔"

"شریف آدمی!" ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور استہزائیہ انداز میں کہا "شرافت سے اپنے پرانے گلاس کے ساتھ میرے لیے چوتھا ڈبل بنا لاؤ۔"

جہانگیر نے خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ سلمٰی بے بسی سے ہونٹ بھینچے دور تک اس احمق کو گھورتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں غصے اور بے بسی کے آثار نمایاں تھے۔

ویرا نے اس کے پہلو میں بیٹھ کر اسے بے اختیار اپنی بانہوں میں بھینچ لیا "پیچ و تاب کھانے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب مذاق کی باتیں تھیں۔ تم خوش نصیب ہو کہ تمہارا میاں اپنا ہرا چھرا شوق گھر میں پورا کرتا ہے۔ بس وہ نشے میں ذرا گاؤدی ہو جاتا ہے۔"

"مجھے دکھ اسی بات کا ہوتا ہے کہ پی کر وہ خود کو ہر ایک کے مذاق کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ انہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ اس طرح میری کتنی سبکی ہوتی ہے۔ اپنے شوہر پر ناز کرنا ہر عورت کا مان ہوتا ہے" سلمٰی نے آزردگی سے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

"تمہاری کوئی سبکی نہیں ہوئی۔ وہ تمہارا شوہر ہے تو میرا بھائی ہے" ویرا نے بے باکی سے وہ عجیب بات کہہ کر ہر ایک کو چونکا دیا۔ "ایسے رشتوں میں کہاں کسی کی سبکی ہوتی ہے۔"

سلمٰی کی آنکھوں میں امید کے دیے جل اٹھے۔ اس نے بے اعتباری سے ویرا کی جھیل جیسی گہری اور نیلی آنکھوں میں جھانکا جہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ویرا ایسی ہی مکار اداکارہ تھی کہ جب چاہتی' اپنے اوپر کوئی بھی کیفیت طاری کر لیتی تھی۔ ایسے مواقع پر اس کی آنکھیں ہمیشہ اس کا ساتھ دیتی تھیں۔ سلمٰی بھی اس کی اداکاری سے دھوکا کھا کر مطمئن ہو گئی۔

سلطان شاہ معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ ویرا کے بارے میں جہانگیر کے ندیدے پن اور بے ہمتی سے ہم سب ہی واقف تھے۔ وہ اپنی جسارتوں پر کئی بار ویرا سے پھٹکار بھی سن چکا تھا۔ ان سب حقیقتوں کے باوجود ویرا نے اچانک اسے اپنا بھائی قرار دے کر سلمٰی کے دل سے ہر میل دھو ڈالا تھا۔ سلمٰی نے ممنونیت کے جذبے سے مغلوب ہو کر اپنا چہرہ ویرا کے شانے پر رکھ دیا۔

جہانگیر کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات چبک گئی تھی کہ اس سے کہیں کوئی سنگین غلطی سرزد ہو چکی تھی۔ اس نے دونوں گلاسوں سمیت واپس آتے ہی کراچی میں ہونے والے بم کے خوں ریز دھماکے کا ذکر چھیڑ کر فضا کو افسردہ کر دیا۔

جہانگیر کو اخبارات اور خبروں سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی اس لیے شام کے اخبار نہیں لائے گئے تھے۔ ان تینوں کی معلومات صرف وہی تھیں جو انہیں اول خان سے حاصل ہوئی تھیں۔ اس اندوہ ناک دہشت گردی پر تفصیلی روشنی اول خان ہی ڈال سکتا تھا۔

وہ موضوع ختم ہونے سے پہلے مجھے خیال آیا کہ کسی پیشگی منصوبہ بندی کے بغیر ہم سب جہانگیر کے گھر یک جا ہو چکے تھے' صرف غزالہ ہمارے درمیان نہیں تھی۔

میں اپنی جگہ چھوڑ کر فوراً فون کی طرف بڑھ گیا۔ فون غزالہ نے اٹھایا اور ایک طویل وقفے کے بعد میری آواز سن کر مسرور ہو گئی۔

میں نے جب اسے بتایا کہ میں کراچی میں جہانگیر کے گھر سے بول رہا تھا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ ہر حال میں خوش رہنے اور شکوہ نہ کرنے والی ایسی صابر لڑکی تھی جو میری ساری خامیوں کو رضاکارانہ طور پر نظرانداز کر کے ہمیشہ میری خوبیوں پر نگاہ رکھتی تھی۔

اس نے مجھ سے گلہ شکوہ نہیں کیا کہ میں امریکا سے لوٹنے کے بعد دوبارہ اسے چھوڑ کر کیوں چلا گیا تھا۔ اسے مجھ سے اپنے گھربار اور پرسکون گھریلو زندگی کے بارے میں جو کچھ کہنا تھا' وہ خلوت میں کہہ چکی تھی۔ اس کے سوالوں کا کوئی جواب میرے پاس نہیں تھا۔ میں نے بس اسے اپنی مجبوریاں بتا دی تھیں اور اس نے ان ناگزیر حالات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا۔

دونوں طرف سے مزاج پرسی اور چاہتوں کے بھرپور اظہار کے بعد غزالہ کی ملائم اور ملکوتی آواز میرے کانوں میں آئی "مجھے معلوم ہے کہ آپ یہاں نہیں آئیں گے۔ ہم سب کب تک یوں ہی بکھرے رہیں گے؟"

"نارہ کا وہ مکان بھی خالی ہے جہاں میں نے بڑی نا تھ اور

Downloaded from https://paksociety.com

اس کے ساتھی کو ٹھہرایا تھا مگر وہ مخدوش ہے۔ امریکی ایجنٹوں نے نادرہ سے اسی پتے پر رجوع کیا تھا۔"

میری تجویز سن کر غزالہ نے کہا "وہ نادرہ کے چکر میں وہاں پہنچے تھے۔ ان کے لیے اب وہ باب بند ہو چکا ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ ہم نے وہ گھر آباد کرلیا ہے۔"

"دشمن کو کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ تمہیں معلوم ہے کہ بعد میں اس مکان کی تلاش میں پورے علاقے کا فضائی سروے کرکے اس کی چھت پر رنگ سے بھری ہوئی تھیلیاں پھینک کر مارکنگ کی گئی تھی تاکہ بعد میں گھریر ائر کمانڈو ز اتارے جاسکیں۔"

"آپ کی یادداشت حیرت انگیز ہے۔ واقعات کی گرد میں یہ سب بہت پیچھے نظر آتا ہے لیکن یہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے" اس نے بلا حیل وحجت اعتراف کرلیا۔

"امن اور سکھ چین ذرا دور کی باتیں ہیں لیکن میرے ساتھ رہنا تمہارا حق ہے۔ میں ان ضروریات سے غافل نہیں ہوں۔ پہلی فرصت میں کوئی نہ کوئی بندوبست کرلیا جائے گا۔"

"میں اپنی نہیں' سب کی بات کررہی تھی۔ فلیٹ چھوڑنے کے بعد ہم چار افراد تین جگہوں پر بکھر گئے ہیں اور سب بے آرام ہیں" اس نے وضاحت کی۔

میں نے زیرلب مسکراہٹ کے ساتھ ایک نرم سا جواب دے کر گفتگو کا سلسلہ منقطع کردیا۔

اول خان کے آنے تک وہ محفل یوں ہی جمی رہی۔ چوتھے گلاس کے خاتمے کے بعد میں نے جہانگیر اور ویرا کی سے نوشی پر پابندی لگادی۔ ویرا سگریٹیں پھونک پھونک کر وقت گزارتی رہی۔ ہم تینوں وقفے وقفے سے چائے نوشی کرتے رہے۔

ہمارے درمیان سلمٰی بھی موجود تھی اس لیے کھٹمول کے بارے میں زیادہ کھل کر بات نہیں ہوسکی۔ ویرا کو یہ اندازہ پہلے ہی ہوچکا تھا کہ صورتِ احوال ہمارے قابو میں تھی۔

اول خان رات کے ایک بجے کے قریب واپس آیا تو اس کے چہرے سے تکان اور اضمحلال کا اظہار ہورہا تھا۔ وہ آتے ہی ایک صوفے پر گر گیا۔

میں اشارے سے سلمٰی کو ایک طرف لے گیا۔ وہ ہر وقت دل و جان سے میری کسی اشارے بازی کی منتظر رہتی تھی۔ جھٹ لابی کے ایک گوشے میں آگئی۔

"جہانگیر چمکیلی دھوپ میں پھینکے ہوئے کسی اُلّو کی طرح دیدے پھاڑ پھاڑ کر ہر ایک کو دیکھنے کی کوشش کررہا ہے۔ اس کی زبان بھی لڑکھڑا رہی ہے۔ اسے تماشا بنانے کے بجائے سہارا دے کر کمرے میں لے جاؤ۔ مہمانوں سے میں نمٹ لوں گا" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

"وہ خود بھی اٹھنا چاہ رہے ہوں گے۔ میں ابھی انہیں لے جاتی ہوں۔"

"اس سے شاید اٹھا بھی نہیں جائے گا۔ میں سب کو اپنے کمرے میں لے جاتا ہوں۔ بعد میں تم اسے سنبھال لینا۔ وہ سب کے سامنے گر گیا تو تم کو پھر سبکی محسوس ہوگی۔"

سلمٰی نے سینے سے ایک گہرا سانس خارج کرکے مجھے گھورا اور "بہت بہتر" کہہ کر تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف چل دی۔

"ادھر..... میرے کمرے میں آجاؤ" میں نے ڈرائنگ روم کی دہلیز پر کھڑے ہو کر کہا۔ میری آواز پر جہانگیر نے چونک کر اپنی ناک بھوں پر زور دینا شروع کردیا۔

"وہ تم سے نہیں' دوسروں سے کہہ رہے ہیں" سلمٰی نے اس کے سر پر پہنچ کر کہا۔ اس دوران میں بقیہ تینوں افراد اپنی جگہیں چھوڑ چکے تھے۔

"ایک مدت کے بعد آج میں اتنی زیادہ تکان محسوس کررہا ہوں" اول خان نے میری خواب گاہ میں داخل ہو کر مسہری پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"تم بے فکر ہو کر لیٹ جاؤ۔ میری موجودگی کی پروا مت کرو" ویرا نے مشورہ دیا "بھاگ دوڑ کے بعد نتائج بالکل صفر ہوں تو تھکن کا احساس بڑھ جاتا ہے۔"

"تم نے پتے کی بات کہی ہے" اول خان پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "آج میرے ساتھ یہی ہوا ہے۔ یہاں سے میں زور لگا رہا ہوں۔ ہمارا چیف لاہور میں ڈیرا ڈالے بیٹھا ہے لیکن چوہدری سلام کی گرفتاری کی کوئی راہ نہیں نل رہی۔"

"حیرت ہے کہ اس جیسے مجرموں اور منشیات فروشوں کو ہمارے یہاں کس قدر اونچے پیمانے پر تحفظ حاصل ہے۔" میں نے کہا "پتا نہیں کھٹمول کے ستارے کیوں گردش میں آگئے۔"

"کھٹمول کا مقدمہ کراچی میں تیار ہوا ہے۔ چوہدری سلام طاقت کے مرکز میں بیٹھ کر اپنے مہرے کھیل رہا ہے" اول خان بولا۔ "دیکھا جائے تو کھٹمول دراصل چوہدری سلام کا ایک اہم مہرہ تھا۔ اسے پٹوا کر وہ اپنی بازی بچانے کی کوشش کررہا ہے۔"

اول خان کی فرمائش پر ویرا کافی اور سینڈوچ بنانے کے لیے کچن میں چلی گئی۔ ہم تینوں کی گفتگو جاری رہی۔ اس وقت ہمارے سامنے پانچ نام تھے۔ کھٹمول' چوہدری سلام' امریکا سے آئے ہوئے وہ دو سفاک سراغ رساں جنہوں نے صبح کراچی میں دھماکا کیا اور مقامی قونصل خانے کا ویزا افسر جس نے کھٹمول کو میرا پیچھا کرنے پر مجبور کیا تھا۔

اول خان کی زبانی پتا چلا کہ کھٹمول کی اگلے روز کراچی منتقلی کا بندوبست ہوچکا تھا۔ اسلام آباد پولیس کے اعلیٰ افسران صبح ایک پریس کانفرنس میں اس اہم قومی ملزم کے ساتھ فوٹو سیشن کے بعد اپنی ٹیم کی نگرانی میں کراچی بھیجنے پر آمادہ ہوگئے تھے۔

"تم بھی کھٹمول پر مقدمہ چلانے کے حق میں ہو؟" میں نے اول خان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد اور دھیمی آواز میں

Downloaded from https://paksociety.com

سوال کیا۔

"یہ میری مجبوری ہے۔ میں ڈسپلن کے خلاف کوئی ذاتی رائے نہیں دے سکتا۔"

"اگر میں اپنے طور پر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہوں تو تمہارا رویہ کیا ہوگا؟"

"میں تمہارا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ جو کرنا چاہتے ہو' کرتے رہو لیکن اس بارے میں مجھ پر بالکل انحصار نہ کرنا۔ میں تمہیں بتادوں کہ ابھی سے اس کی حفاظت کے لیے غیر معمولی اقدامات کرلیے گئے ہیں۔ اسلام آباد کی پریس کانفرنس میں اس کا کوئی بیان یا انٹرویو نہیں ہوگا۔ دو حساس ادارے اس کے اقبالی بیان کے بعض حصوں کو حذف کرنے پر غور کررہے ہیں۔"

"کیوں؟ کیا ایسا کرنا فطری انصاف کے تقاضوں کے منافی نہیں ہوگا؟" میں نے قدرے تلخی سے پوچھا۔

"فطری انصاف میں ریاست کے مفادات کو اوّلیت حاصل ہے۔ ایسا نہ ہو تو سرکاری رازوں کے بارے میں سارے قوانین منسوخ کرنے پڑیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ قوانین کیا' بعض ادارے بھی ختم ہوجائیں گے" میں نے ایس ٹی ایف کا نام لیے بغیر حقیقت بیان کر ڈالی۔

"اس کا پورا بیان جاری کردیا گیا تو سب سے پہلے چوہدری سلام ہی اسے مروادے گا۔"

"بیان خفیہ رہے یا اعلانیہ' چوہدری سلام سمجھ چکا ہوگا کہ اس پر سارا عتاب کھٹمل کی وجہ سے آیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کھٹمل کو راستے ہی میں ماردیا جائے۔"

"میں تم سے بحث نہیں کررہا۔ مجھے معلوم ہے کہ نکتہ آفرینی میں کوئی تم سے نہیں جیت سکتا۔"

"قونصل خانے کے ویزا افسر کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے پوچھا۔

اول خان ایک گہرا سانس لے کر بستر سے اٹھ گیا اور بولا۔ "تمہاری نگاہیں میری توقع سے کہیں زیادہ تیز اور عقابی ہیں۔ شاید یہ ذکر بھی کچھ سفارتی مجبوریوں کی وجہ سے حذف کردیا جائے۔ ہم انہیں آگاہ نہیں کرنا چاہتے کہ کھٹمل نے ان کے خلاف سچ اگل دیا ہے۔"

"اس کے خلاف فردِ جرم کمزور پڑجائے گی۔ وہ ملک سے غداری کا ارتکاب کیوں اور کس کے ایما پر کررہا تھا؟" اندر کی باتیں سامنے آنے پر مجھے واقعی غصہ آگیا۔

"ہوسکتا ہے" اس نے سہلا کر اقرار کیا "مگر وہ سزایاب ضرور ہوگا۔ بہت سے لوگ کسی اور طاقت ور محرک کے بغیر صرف پیسے کے لیے اپنے وطن سے غداری پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ غداری سے ہٹ کر اس پر منشیات فروشی کا ایک ایسا سنگین الزام ہوگا جس کی اسے سزائے موت بھی سنائی جاسکتی ہے۔ وہ کسی قیمت پر سزا سے نہیں بچ سکے گا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ اپنے بیان میں تبدیلیوں پر آمادہ ہوجائے گا؟"

"اس میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ اپنی زبان سے اقبالِ جرم کرنے والے اپنا سراو کھلی میں دے بیٹھتے ہیں" وہ بولا۔ "سزا میں نرمی کی یقین دہانی پر وہ اپنے بیان میں ہر ترمیم اور اضافے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔ پولیس چاہے تو اپنے ہتھکنڈوں سے یہ اعتراف بھی کرواسکتی ہے کہ چاند کی سطح پر گڑھے کسی ایسے ملزم نے کھودے ہیں۔"

"میں تم سے یہ سب اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ مجرم تمہاری فورس کے ہاتھوں سے گزر کر پولیس تک پہنچے گا۔ میرے ان سوالوں کے جواب تم ہی دے سکتے ہو۔"

اول خان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی اور وہ بولا۔ "تم بے فکر ہوکر سوالات کرتے رہو۔ جب تک میری معلومات ساتھ دیں گی' میں برا مانے بغیر جواب دیتا رہوں گا۔"

ویرا کافی اور سینڈوچ بنا کر لے آئی تھی اور گہری دلچسپی سے ہم دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ اس نے سگریٹ کا ایک کش لے کر اول خان سے پوچھا "تم نے بتایا ہے کہ کھٹمل کو اسلام آباد سے لاکر اسی ایس ایچ او کے حوالے کیا جائے گا جس نے کالو مکرانی کے بیان میں ردوبدل کرنے سے قطعی انکار کردیا تھا۔ کیا وہ تفتیشی افسر کھٹمل کے معاملے میں اپنے اصول توڑدے گا؟"

"مجھے تم لوگوں کی طرف سے ایسے کڑے سوالات کا اندازہ تھا۔ میں نے پہلے ہی تھوڑی سی تیاری کرلی تھی۔ یہ سوال رہ رہ کر مجھے بھی ستارہا تھا۔"

وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا تو سلطان شاہ بول پڑا "یعنی اس کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔"

"جواب خاصا دلچسپ ہے" اول خان نے کہا "کھٹمل اسٹیشن ٹائن پر ہے۔ ابھی تک اس کا کوئی بیان نہیں لیا گیا۔ ٹیپ پر وہ بازپرس ریکارڈ ہوئی ہے جو ڈینی نے انٹروگیشن سیل میں کی تھی۔ لوگ آوازوں کے اسی کیسٹ پر کام کررہے ہیں۔ مجسٹریٹ کی موجودگی میں اس کا بیان لینے سے پہلے متن کا فیصلہ کرلیا جائے گا۔ کراچی والے ایس ایچ او کے پاس وہی بیان پہنچے گا جو حساس ادارے طے کرلیں گے۔ کھٹمل کو نرمی کی امید پر اپنے اسی بیان پر قائم رہنا ہوگا۔"

"گڈ! خاصا مناسب ہوم ورک ہے" میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "دیکھنا ہوگا کہ ہم اس پلان میں کہاں کہاں رخنہ اندازی کرسکتے ہیں۔"

اول خان تکان کے ساتھ شاید بھوکا بھی تھا۔ اس نے ویرا کے بنائے ہوئے سینڈوچوں پر جس طرح یلغار کی تھی اس کا

Downloaded from https://paksociety.com

ادراک مجھے ذرا دیر سے ہوا اور میں نے اسے شکم پری کا بھرپور موقع دینے کے لیے خاموشی اختیار کرلی۔ اس سے باتوں کے دوران میں میرے ذہن نے ایک خاص لائن پر کام کرنا شروع کردیا تھا۔ میں اس حوالے سے کچھ نئے سوالات ترتیب دینے لگا۔

"مزہ آگیا" کافی کی پیالی سے آخری گھونٹ لینے کے بعد اول خان نے ممنون نگاہوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس وقت میرے لیے یہ چیزیں من وسلویٰ سے کم نہیں تھیں۔"

"بھوکا پیاسا رہ کر کام کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی" ویرا نے جواب میں اس کی توصیف کی "میرا پیٹ خالی ہو تو عقل معدے میں اتر جاتی ہے۔ دماغ کام ہی نہیں کرتا۔"

"اول خان کی عقل بھوک میں بھی خوب کام کررہی تھی" ویرا سے یہ کہہ کر میں اول خان سے مخاطب ہوگیا "اب اجازت ہو تو میں رہے سے سوال بھی ختم کرلوں؟"

"اوہ!" وہ چونک کر ہنسا "تو ابھی تمہارے سوالات باقی ہیں۔ میں رات ڈھلے کا ناشتا کرتے ہوئے بھی تمہارے سوالوں کے جواب دے سکتا تھا۔"

"تمہاری فورس سے اختلافِ رائے پیدا ہوجانے کے باوجود میں ایسا سفاک نہیں بن سکتا کہ تمہیں سکون سے اپنا پیٹ بھی نہ بھرنے دوں۔"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں اپنی معلومات کی حد تک ہر جواب فراہم کروں گا۔"

"مقامی قونصل خانے کے ویزا افسر کا کیا نام ہے اور وہ کہاں رہتا ہے؟"

"اورائن ڈی ہنٹ۔ عرفِ عام میں وہ اولی بھی کہلاتا ہے اور کلفٹن میں رہتا ہے۔ تحفظ کے خیال سے وہ اپنا سرکاری مکان چھوڑ کر چند ہفتے پہلے کینٹ کے ایک فلیٹ میں منتقل ہوا ہے۔"

"تجربہ بتاتا ہے کہ ڈھنگ سے بنائے ہوئے فلیٹ کھلے مکانوں کے مقابلے میں زیادہ محفوظ ہوتے ہیں۔" ویرا نے اپنی ماہرانہ رائے دی۔ کافی پینے کے بعد اس کا رہا سہا نشہ بھی ہرن ہوچکا تھا۔ "شاید اس نے اپنے فلیٹ میں کتا بھی پالا ہوا ہوگا۔"

ویرا کی قیاس آرائی پر اول خان حیران رہ گیا "میں یہی خاص بات بتانے والا تھا۔ کراچی میں چند واقعات رونما ہونے کے بعد امریکی مسلح محافظوں کے ساتھ کتوں سے بھی بدلے رہے ہیں۔ انسان بک جاتا ہے مگر کتا مرتے دم تک اپنی وفاداری نہیں بدلتا۔"

"مجھے اس کا پتا چاہیے" میں نے دھیمی آواز میں اول خان سے مطالبہ کیا۔

"ابھی مجھے نہیں معلوم۔ دن میں کسی وقت مل جائے گا" اس نے وعدہ کرلیا۔

"اور اب دونوں سراغ رسانوں کے بارے میں کچھ بتا ڈالو تاکہ ہم تمہارے کام میں خلل ڈالے بغیر اپنی راہ پر لگے رہیں۔ میرے لیے وہ دونوں سب سے زیادہ اہم ہیں۔"

وہ دونوں ایک مشہور ہوٹل کی ساتویں منزل کے ایسے گوشے میں رہ رہے تھے جہاں سامنے کی بند دیواریں اور دائیں بائیں کل تین کمروں کے دروازے تھے۔ ایک کمرا ان دونوں کے مشترکہ تصرف میں تھا بقیہ دو کمرے امریکی میرین کمانڈوز کے لیے تھے۔

ان دونوں کی حفاظت پر مامور کمانڈوز کی تعداد آٹھ تھی۔ وہ باری باری ڈیوٹی دیتے تھے۔ ان کے تربیت یافتہ کتے قونصل خانے کے پنجروں میں رہتے تھے۔ ضرورت کے وقت انہیں وہاں سے نکال لیا جاتا تھا۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے ٹرینر بھی امریکا سے ہی آیا تھا۔

گفتگو ختم کرکے اول خان کھڑا ہوگیا "میرے لیے آج کا دن بہت لمبا ہوگیا۔ میں اجازت چاہوں گا" یہ کہہ کر اس نے نگاہوں سے ویرا کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تم نے اپنی راہ الگ کرلی ہے۔ میں ڈینی سے اس کے پروگرام کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں" اس نے بیٹھے بیٹھے فریاد کی "مجھے تھوڑا سا وقت تو دے دو۔"

"نہیں ویرا۔ اس وقت میرا ذہن بالکل صاف ہے" میں نے اسے ٹالنے کی نیت سے کہا۔ "تم چلی جاؤ۔ صبح بات ہوگی۔ اول خان کی پوزیشن کو داغ دار کیے بغیر اپنا ہدف حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کی منصوبہ بندی کے لیے وقت اور دماغ سوزی درکار ہے۔"

"کل تم حفاظت کے نام پر مجھے گھر سے نکلنے نہیں دوگے۔ فون پر ہی بات ہوگی۔"

"میں کوئی اور راہ نکالوں گا۔ اس خاص معاملے میں اول خان کا تعاون ختم ہونے کے بعد ہم چاروں کو ایک دوسرے پر اتحاد کرنا ہوگا۔ باہر کے کسی آدمی سے کام لینے کی صورت میں ہم بے موت مارے جاسکتے ہیں۔ کل ہم کہیں نہ کہیں ضرور یک جا ہوں گے" میں نے اسے دلاسا دیا۔

"ہم یہاں بھی رک سکتے ہیں۔ کچھ دنوں کے لیے اسی ایک کمرے میں گزارہ کرلیں گے" ویرا رکنے کے لیے مچل رہی تھی۔

"جہانگیر اول درجے کا بددماغ آدمی ہے۔ اتنی بھیڑ کو برداشت نہیں کرے گا۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ وہ گھر میں کیسی بے اعتدالیاں کرگزرتا ہے۔"

میری محنت کارگر ثابت ہوئی۔ ویرا' اول خان کے ساتھ واپس چلی گئی۔

رات کا بڑا حصہ گزر چکا تھا۔ چند گھنٹوں کے بعد صبح نمودار ہونے والی تھی۔ میں روشنیاں گل کرکے سلطان شاہ کے ساتھ دہرے بیڈ پر دراز ہوگیا۔ اسلام آباد میں تھوڑی سی ورزش اور کراچی تک کے فضائی سفر کے باعث میں کسل مندی محسوس کررہا تھا لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں یہ سوچ سوچ کر کڑھ رہا تھا کہ اس ملک کی قسمت میں مومستری جیسے بے ضمیر لوگوں کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ضرور تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

دیر سے سونے کے نتیجے میں صبح دیر سے میری آنکھ کھلی۔ سلطان شاہ بدستور سو رہا تھا۔ میں کمرے سے باہر نکلا تو کہیں زندگی کے آثار نہیں تھے۔ سب لوگ ہی گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔ دروازے کی جھری کے پاس صبح کے تازہ اخبار موجود تھے۔ شاید سلمٰی نے میری خواہش کے احترام میں کسی ہاکر کو پرچے ڈالنے کی ہدایت کردی تھی۔

میں نے اردو اور انگریزی اخبارات کے بیرونی صفحات پر سرسری نظریں ڈالیں اور پچھلی صبح ہونے والے حادثے کے بارے میں جمائی گئی سرخیاں دیکھ کر دل گیر ہوگیا۔

زخمی ہونے والوں میں سے مزید ایک شخص چل بسا تھا۔ اس طرح بم کے دھماکے میں مرنے والوں کی تعداد چار ہوگئی تھی۔ اس المناک بربریت کی تصاویر خبروں سے زیادہ دلدوز تھیں۔ جگی اور الٹی ہوئی گاڑیوں کے ملبے کی تصویروں سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ شہری آبادی پر کسی فضائی حملے کے بعد لی گئی ہوں۔

میں اخبارات چھوڑ کر غسل خانے میں جاگھسا اور عجلت میں تازہ دم ہونے کے بعد دوبارہ ڈرائنگ روم میں اخبار لے بیٹھا۔

دہشت گردی اور خوں ریزی کی ساری وارداتوں کی خبریں کم و بیش ایک جیسا دکھ پہنچاتی ہیں۔ بس متاثرین کے نام اور مجرموں کے مقاصد میں ردوبدل ہوتی رہتی ہے۔ بے گناہ اور معصوم انسانوں کے لہو کی حرمت کو پامال کرنے والوں کے خلاف میرے دل میں انتقام اور نفرت کی ایک آگ سی بھڑک اٹھی جو صرف سازشیوں کے خون سے سرد ہو سکتی تھی۔

اخبارات میں یہ اشارہ کہیں بھی نہیں تھا کہ بم پھٹنے سے قبل دو مشتبہ غیر ملکی سراغ رساں، فوٹو گرافروں کے بھیس میں متاثرہ علاقے میں منڈلاتے رہے تھے۔

وہ ایک ایسا نکتہ تھا جسے اچھال کر کئی مقاصد حاصل کیے جاسکتے تھے۔ اخبار میں خبر لگ جانے کے بعد ان دونوں کی سرگرمیوں کے متعدد گواہ پیدا ہوسکتے تھے لیکن پیورو کریٹس ایسا کوئی دلیرانہ قدم اٹھانے کے بجائے شترمرغ کی طرح ریت میں گردن دے کر خود کو طوفان سے محفوظ تصور کررہے تھے۔

مجھے پورا یقین تھا کہ ایس ٹی ایف والوں نے دونوں گورے قاتلوں کی سرگرمیوں کی خبر اپنے سینوں تک محدود نہیں رکھی ہوگی۔ متعلقہ لوگوں کو فوری طور پر وہ اطلاعات پہنچادی گئی ہوں گی مگر امریکا کے ساتھ مراسم میں بہتری اور اس کی خوشنودی کے خواہاں افسران نے وہ خبر جاری کرنے کے بجائے سختی سے دبادی۔ وہ ایک کھلی حماقت تھی۔

حسن وہ! جو چھپائے نہ چھپے!

میرے نسوانی حسن کا راز

بلوسم بریسٹ کریم (یونانی)

قدرتی جڑی بوٹیوں پر برسہابرس کے تجربے اور تحقیق کے بعد ایک نئی ایجاد

بلوسم بریسٹ کریم جو قیمت =/150

- بریسٹ کے ٹشوز کو سخت کرکے اُبھار لاتی ہے۔
- بریسٹ کے چھوٹے پن میں اضافہ کرکے پروقار شخصیت کا مالک بناتی ہے
- کھوئی ہوئی نسوانی خوبصورتی کو دوبالا کرتی ہے

اسٹاکسٹ:

خواجہ سٹور ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
صدر میڈیکل سٹور ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
سلم جنرل سٹور لیاقت مارکیٹ ٹاور کراچی
ابراہیم سن لیاقت مارکیٹ ٹاور کراچی
تھری اسٹار جنرل سٹور مدینہ مارکیٹ۔
رفیق بازار حیدرآباد
نیو دلی دواخانہ و کلینک پریہ روڈ سکھر
پیرزادہ میڈیکل سٹور سیرائج روڈ سکھر
حافظ میڈیکل سٹور نیو روڈ لاڑکانہ
سہیل جنرل سٹور پریشن مارکیٹ شاہ عالم لاہور
جنرل سٹور بازار حسن مارکیٹ شاہ عالم لاہور
طاہر شاپنگ سینٹر پرل بازار لاڑکانہ
محمد ایگین اینڈ سنز موتی والے چوک بازار ملتان
راجہ برادرز قصبہ بازار سیالکوٹ
پاکستان جنرل سٹور کچہری بازار گول چوک مرکز و یا
عظیم ہوٹل مدینہ مارکیٹ ستیانہ روڈ فیصل آباد
اونیک شاپنگ سینٹر مدینہ مارکیٹ ڈیرہ غازی خان
ایس نجی بشس میڈیکل سٹور مسلم بازار گجرات
کنجوی دواخانہ شاہی بازار بہاولپور
بادشاہ دی ہٹی ڈھوک کھبہ راولپنڈی
گل برادرز آبپارہ مارکیٹ اسلام آباد
جرنل ہومیو سٹور بانو بازار رحیم یار خان
ابن سینا سٹور گھنٹہ گھر بازار ڈیرہ غازیخان
حبیب دواخانہ گھنٹہ گھر بازار ملتان
امراو ہومیو سٹور ہائی سٹریٹ ساہیوال
شہزاد دواخانہ کارخانہ بازار فیصل آباد
شاہی طبی دواخانہ چنیوٹ بازار فیصل آباد
گورنمنٹ ہومیو میڈیکل سٹور کچہری بازار سرگودھا
سٹار میڈیکل سٹور ریلوے روڈ سیالکوٹ
جرنل ہومیو سٹور ریلوے روڈ گوجرانوالہ
الحافظ دواخانہ بازار مارکیٹ کلاں بازار ڈیرہ غازی خان
حنی القیوم جنرل سٹور ہسپتال روڈ چکوال
کوثر دواخانہ کارخانہ بازار فیصل آباد
شکھار کمل مارکیٹ مسجد الہدیٰ میاں چنوں
عوامی دواخانہ مین بازار مظفر آباد
یونی پشاور سٹور سبزی کشن روڈ کوئٹہ
دی پشاور سٹور سبزی کشن روڈ کوئٹہ
انعام کیمسٹ قصبہ روڈ مروان
سعید میڈیسن سٹور اندرون کنگ گیٹ کوہاٹ
دارالشفاء میناء بازار منکورہ سوات
ملت دواخانہ گھنٹہ گھر پشاور
نز ہار کا کیمیکس سٹیٹ خان مارکیٹ شاہین بازار کریم پورہ پشاور
فنادا اینڈ منز نائی کمرشل مارکیٹ میرپور آزاد کشمیر

ڈسٹری بیوٹرز
- ریاض محمود ۶۹۔ نیو عالمگیر مارکیٹ شاہ عالم لاہور ● بادشاہ دی ہٹی ڈھوک کھبہ راولپنڈی
- محمد صالحین اینڈ سنز موتی والے چوک بازار ملتان ● گھر بیٹھے بذریعہ ٹرک وی پی پارسل منگوانے کے لئے

حکیم اینڈ سنز پوسٹ بکس نمبر 2159 کراچی 74600 پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

ان کی سرگرمیوں کو پوشیدہ رکھ کر ان کی کھلی حوصلہ افزائی کی جارہی تھی۔ دوسری خبر میں، میرے اس نظریے کی تصدیق کردی گئی تھی۔

ہم نے نادرہ غنی کے جس آراستہ فلیٹ کو ہنگامی حالات میں خیرباد کہا تھا اس پر امریکا سے آئے ہوئے سراغ رسانوں کے دھاوے کی خبر پرانی ہوچکی تھی۔ وہ اپنے تربیت یافتہ کتوں سمیت متعدد مقامی حکام کی رہنمائی میں وہاں گئے تھے اور شاید بے نیل مرام واپس آئے تھے۔

اس مہم جوئی کے بعد مجسٹریٹ کی نگرانی میں ہمارے فلیٹ کو سیل کردیا گیا تھا۔ تازہ خبر کے مطابق پچھلی شام وہ سراغ رساں مجسٹریٹ اور ایک پولیس افسر کی معیت میں دوبارہ اس فلیٹ میں گئے تھے۔ اس بار کتے ان کے ساتھ نہیں تھے۔ کئی گھنٹوں تک فلیٹ میں پائے جانے والے فنگر پرنٹس کی تصاویر اٹھانے کے بعد وہ واپس چلے گئے تھے۔

یہ ان کی دیدہ دلیری کی انتہا تھی۔ صبح انہوں نے صوبے کے ایک حساس انتظامی مرکز میں مقامیوں کے خون سے ہولی کھیلی پھر کوئی طویل وقفہ دیے بغیر شام کو ہمارے فلیٹ پر پہنچ گئے۔

ان کی وہ تمام حرکتیں ظاہر کررہی تھیں کہ وہ میری ذات سے بہت زیادہ خائف تھے اور ہر قیمت پر مجھے نیست و نابود کرنے کا عزم لے کر پاکستان آئے تھے۔

امریکیوں کے پروردہ دشمنوں سے محاذ آرائی شروع ہونے کے بعد ہمیں ہمیشہ ان پر برتری اور سبقت حاصل رہی تھی۔ حد یہ تھی کہ وہ اپنے ملک میں بھی مجھے اور ویرا کو اپنی من مانی کرنے سے نہیں روک سکے تھے۔ یہ پہلی بار ہورہا تھا کہ مجھے اپنے ہی ملک میں پسپائی اختیار کرنی پڑ رہی تھی اور وہ لوگ ہماری ناگزیر مجبوریوں اور مصلحتوں کا ناجائز فائدہ اٹھا کر سنگین خطرہ بنتے جارہے تھے۔

یکایک میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا۔ پاکستانی حکام دانستہ یا نادانستہ طور پر انہیں جو ڈھیل دے رہے تھے، اس سے میں بڑا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر کمرے کے خواب ناک ماحول میں واپس جانے کے بجائے وہیں صوفے پر دراز ہوگیا اور اپنے منصوبے کے تار و پود کو یک جا کرنے کی ذہنی کوششوں میں مصروف ہوگیا۔

گیارہ بجے جب میں سلمٰی کے تیار کیے ہوئے ناشتے سے انصاف کرنے میں مشغول تھا تو اول خان کا فون آگیا۔ اس کی آواز میں تازگی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"کیا بات ہے۔ کل کی تکان شاید ابھی تک دور نہیں ہوسکی ہے۔" میں نے کہا۔

"آج کل ہر صبح نئے واقعات کے ساتھ جنم لے رہی ہے۔ میرے پاس اس وقت کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔" اس کی آواز میں ہچکچاہٹ تھی جیسے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کوئی بری خبر سنانے پر مجبور ہو۔

"کل کے دھماکے میں مرنے والوں کی تعداد میں اضافے سے زیادہ بری خبر کیا ہوسکتی ہے۔"

"اس کا تعلق تمہاری اور صرف تمہاری ذات سے ہے۔" اول خان نے مجھے تجسس میں ڈال دیا۔

"فکر نہ کرو۔ میں جب تک زندہ ہوں، میرے لیے کوئی خبر بری نہیں ہوسکتی۔"

"تم جانتے ہو کہ تمہارے بارے میں حکومت نے مکمل لاعلمی کا سخت موقف اختیار کیا ہوا ہے؟" اس نے کوئی خبر سنانے کے بجائے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ اپنی بے شمار مصلحتوں اور مجبوریوں کے چنگل میں جکڑے ہوئے لوگ، میرے بارے میں اتنی اخلاقی جرات کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ خبر کیا ہے!"

"میں اسی طرف آرہا ہوں۔ خبر سننے سے پہلے تمہیں اس کے مکمل پس منظر سے بھی واقف ہوجانا چاہیے۔" وہ محتاط لب و لہجہ استعمال کررہا تھا "بات اب بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ امریکی تمہاری تلاش کے لیے پاکستان میں ایک بڑا آپریشن شروع کرنے کا فیصلہ کرچکے ہیں۔"

"ان کے سارے ہی آپریشن بڑے ہوتے ہیں اور وہ مسلسل جاری ہیں۔ ان سے صرف مجھے ہی نہیں، ویرا کو بھی شدید خطرات لاحق ہیں۔" میں نے کہا۔

"ویرا امریکی شہری ہے۔ اس کے بارے میں ہماری حکومت پر کوئی ذمے داری عائد نہیں کی جاسکتی۔ میں صرف تمہارے بارے میں فکر مند ہوں۔"

"نئے آپریشن سے میں ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں۔ انہیں کھل کر میدان میں اترنے دو۔ انہیں ننگی کا ناچ نچا دیا جائے گا۔ تم ان اطلاعات پر بلاوجہ پریشان ہو۔"

"میری پریشانی کا سبب آپریشن نہیں، تمہاری سیمابی فطرت ہے۔ تمہاری کارکردگی کو بالا ہی بالا مانیٹر کرنے والوں کو تمہاری مہم جویانہ فطرت کا خوب اندازہ ہے۔ انہیں اندیشہ ہے کہ تم نے امریکیوں کے خلاف کوئی جوابی محاذ کھول دیا اور پھر پھنس گئے تو بین الاقوامی سطح پر ہماری حکومت کو بدترین ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"تو کیا تم مجھے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنے کا مشورہ دینا چاہ رہے ہو؟"

"جب میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا تو مجھے مشورہ دینے کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔ میں اس پس منظر کے ساتھ تمہیں وہ بری خبر سنانی چاہ رہا ہوں۔"

"اوہ! تو کیا آپریشن کے علاوہ کوئی اور خبر بھی تیار ہے؟" میں نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"خدا کے لیے سنجیدگی اختیار کرو۔" اول خان کی آواز پُرتشویش تھی "کسی ممکنہ بدنامی اور ندامت سے بچنے کے لیے حکومت نے فوری طور پر تمہیں اپنی تحویل میں لینے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"کیا؟" میں حیرت اور بے یقینی سے تقریباً چیخ پڑا "تم سادہ الفاظ میں کیوں نہیں بتاتے کہ اب میری گرفتاری کا فیصلہ کیا جاچکا ہے۔"

میری آواز سن کر سلمٰی کچن سے بوکھلائی ہوئی لابی میں آئی اور چند ثانیوں تک حیرانی و پریشانی سے میرا جائزہ لینے کے بعد دوبارہ واپس چلی گئی۔

"گرفتاری اور حفاظتی تحویل میں بہت فرق ہوتا ہے۔" اول خان مدافعانہ لہجے میں وضاحت کررہا تھا "حکومت نے اعلیٰ سطح پر یہ فیصلہ کیا ہے۔ حساس اداروں کی رائے ہے کہ امریکی آپریشن کے دوران میں تمہیں منظرِعام سے بالکل دور' ان کی حفاظت میں ہونا چاہیے تاکہ کسی ناخوشگوار تصادم کی نوبت نہ آنے پائے۔ وہ جھک مار کر واپس چلے جائیں گے تو تم اپنی مرضی کے مالک ہوگے۔"

"شاید مجھے تحویل میں لینے کا فرض تم ہی کو سونپا گیا ہے؟" میں نے طنز سے پوچھا۔

"نہیں۔ یہ کام کچھ بڑے خود انجام دیں گے۔ مجھ سے صرف تمہارا ٹھکانا پوچھا گیا تھا۔ میں نے خطرے کی بو سونگھ کر فی الحال اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ یہ....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی "اس کا مطلب ہے کہ میں اسٹیشن نائن سے بروقت نکل آیا۔ رات کو وہاں رکا رہتا تو آج کہیں اور پہنچا دیا جاتا۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اسے مجبوراً اعتراف کرنا پڑا۔

"میں نے جواب دیا ہے کہ اسلام آباد سے واپسی کے بعد تم میرے رابطے میں نہیں ہو۔"

اول خان کی باتوں نے مجھے الجھا دیا "میں کچھ سمجھ نہیں سکا کہ تم کیا چاہ رہے ہو۔ ایک طرف تم حکومت کے فیصلے کی وکالت کررہے ہو' دوسری طرف میری مخبری کرنے کے بجائے مجھے ہوشیار کررہے ہو۔ تمہاری اس فون کال کا اصل مقصد اور مدعا کیا ہے؟"

"تمہیں حالات سے آگاہ کرنا اور صحیح راستہ سمجھانا۔" اس نے جواب دیا۔

"سنو!" میں نے سختی سے کہا "میں موت سے نہیں ڈرتا۔ اس کا ایک وقت مقرر ہے۔ جب آنی ہے' ہر حال میں آکر رہے گی۔ سرکاری بقراطوں کو یہ ضرور سمجھا دینا کہ جو شخص دشمن کے سامنے جما رہ سکتا ہے' وہ اپنوں کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے گا۔ میں اپنی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو کسی امتیاز کے بغیر توڑ دوں گا یا پھر اسی کوشش میں موت کو اپنے گلے لگالوں گا۔"

"تم بلاوجہ جذباتی ہورہے ہو۔" اس نے مجھے سمجھانا چاہا۔ "اپنوں کے خلاف ہتھیار اٹھا کر تم ان کی حمایت بھی کھو دو گے۔ دلیری اور سرکشی میں بہت معمولی سا فرق ہوتا ہے۔ تمہاری محاذ آرائی کو سرکشی پر محمول کیا جائے گا۔"

"تمہارے ہمدردانہ مشوروں کا شکریہ۔ میں اپنے فیصلے کے نتائج کا خود ذمے دار ہوں گا۔ بس تم میری غزالہ کی حفاظت کرتے رہنا۔ میری تلاش میں بے فیض ٹکریں مارنے والوں نے اسے کوئی ٹھیس پہنچائی تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔"

"اور ویرا کا کیا بنے گا؟" اس نے پوچھا "غزالہ کو تو میں آج ہی اپنی بیوی کے ساتھ پشاور بھیج دوں گا۔ اس کے میکے میں غزالہ آرام سے رہے گی۔"

غزالہ کے بارے میں اس کی تجویز اطمینان بخش تھی۔ صوبہ سرحد کے مخصوص معاشرتی پس منظر میں میری وجہ سے غزالہ کو چھونا آسان کام نہیں ہوتا۔ عزت وغیرت کے نام پر مرمٹنے والے پٹھان اس کے تحفظ کے لیے لاشیں تک گرانے پر تل سکتے تھے۔

ویرا کا مسئلہ پریشان کن تھا۔ میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا "تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری سنائی ہوئی خبروں کے بعد میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ میرے لیے جہانگیر کا گھر محفوظ نہیں ہے۔ مجھے جلد از جلد یہاں سے نکل جانا ہے۔ ویرا کو سمجھا دینا کہ جب گھمسان کا رن پڑتا ہے تو ہر ایک صرف اپنی بقا کے لیے لڑتا ہے۔ وہ جہاں دیدہ لڑکی ہے۔ کوئی نہ کوئی راہ نکال لے گی۔"

"راہ تو نکل ہی آئے گی۔ مجھے اس کے اشتعال کی فکر ہے۔ اس کا پہلا ردِعمل خاصا پریشان کرے گا۔ ضد میں وہ کوئی غلط فیصلہ بھی کرسکتی ہے۔"

"اسے تم ہی کو سنبھالنا ہوگا۔ تم نے مجھے کرنل جمال دستی بنایا تھا۔ اسے بھی کچھ اور بنا کر کہیں کھپا دینا۔ وہ ہماری سرکار کا مسئلہ نہیں ہے لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ امریکی اس کی بو پر بھی لگے ہوئے ہیں۔ اس برے وقت میں ہم اسے بے یارومددگار نہیں چھوڑ سکتے۔"

"میں ویرا کو بھی پشاور بھیج سکتا ہوں لیکن ایمان داری کی بات یہ ہے کہ وہاں آزاد خیال مغربی عورتوں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ وہ عام طور پر مقامیوں سے رقمیں بٹور کر دو چار کلو ہیروئن اپنے ساتھ وطن لے جانے کے چکر میں سستے ہوٹلوں وغیرہ میں پڑی رہتی ہیں۔ میری سسرال والے اسے غزالہ جیسی عزت نہیں دے سکیں گے۔"

اس نے جو بات کھل کر نہیں کہی تھی وہ میں جانتا تھا۔ آوارہ گرد مغربی لڑکے اور لڑکیاں سرحدی علاقوں میں کسی سرمایہ کاری کے بغیر پیسہ بٹورنے کے لیے ایک ہی راہ اختیار کرتے تھے: جو گناہوں کی دلدل سے گزرتی تھی۔ دنیا کے دوسرے خطوں کی طرح' ان علاقوں میں بھی فرشتے نہیں' آدم زاد بستے تھے جو آسانی سے ان

Downloaded from https://paksociety.com

پری پیکروں کا شکار بن جاتے تھے۔

اول خان ویرا کے لیے جو کچھ بھی کرتا' بہتر ہی کرتا۔ میں نے اپنا پیغام اسے ذہن نشین کرا دیا تھا۔ وہ بے چارہ بیچ کا آدمی تھا۔ دوسری طرف کی ناخوشگوار اطلاعات مجھ تک پہنچانے کے چکر میں وہ میری تلخ نوائی کا شکار بھی ہوا تھا۔ میں نے گفتگو ختم کرتے ہوئے پوری کوشش کی تھی کہ اس کے دل سے بدمزگی کا ہر داغ دھل جائے۔ میں اس سے بات ختم کر کے گھوما تو سلمٰی میرے سر پر سوار تھی۔

"تمہیں کون گرفتار کر رہا ہے۔ تم ایسی خوف ناک باتیں کس سے کر رہے تھے؟" اس نے سہمی سہمی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اتنا تجسس مت کیا کرو۔ بھول جاؤ کہ تم نے کیا سنا ہے۔ میرے لیے کچھ مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ میں تھوڑی دیر بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔" میں نے دھیمی اور تحکمانہ آواز میں کہا۔

اس وقت میری آنکھوں میں کوئی ایسی کیفیت عود کر آئی تھی کہ وہ اگلا سوال کرنے کی ہمت نہیں کر سکی اور سر جھکا کر واپس لوٹنے لگی۔

"گھنٹی بجے تو اب فون تم ہی اٹھانا اور یہ یاد رکھنا کہ میں یہاں سے جا چکا ہوں۔" میں نے اس کے جاتے جاتے مزید ہدایات جاری کیں پھر کمرے میں گھس گیا۔

اس بار میں نے سب سے پہلے فون لائن سے سی ایس ڈی الگ کی تھی۔ اسلام آباد سے واپسی کے بعد سے میرا بریف کیس جوں کا توں رکھا ہوا تھا۔ اس میں سفری ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ بریف کیس میں موبائل فون' سی ایس ڈی' بیم گن' ریوالور اور فاضل راؤنڈز کے اضافے کے ساتھ میں ایک نئے فرار کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔

سلطان شاہ کی طرح جہانگیر بھی بے خبر سو رہا تھا۔ میں نے ان کی نیند خراب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں ان کی جرح سے بچنا چاہ رہا تھا۔

چلتے چلتے مجھے ابو کا خیال آیا۔ زادِ سفر کے علاوہ ضروری معلومات میرے پاس موجود تھیں۔ ابو برائن ڈی ہنٹ کے بارے میں کوئی واضح سراغ نہیں تھا۔

دفتر کے بجائے میں نے اول خان کے موبائل فون کا نمبر ملایا۔ پتا اور فون نمبر اس کے پاس موجود تھا۔ میں نے ایک کاغذ پر دونوں چیزیں نوٹ کر کے اول خان کو الوداع کہہ دیا۔

سلمٰی دور کھڑی' ڈبڈبائی ہوئی نظروں سے میرے ہاتھ میں دبے ہوئے بریف کیس کو دیکھ رہی تھی۔

میں نے بڑھ کر ہولے سے اس کے شانے پر تھپکی دی اور کہا۔ "فکر مت کرو۔ یہ کڑا وقت بھی گزر جائے گا اور میں جلد لوٹ آؤں گا۔"

سلمٰی نے دونوں ہاتھوں سے میرا داہنا ہاتھ تھام کر گرم جوشی سے دبایا' اس کا وجود ہولے سے کانپا اور پھر اس کی آنکھوں سے دو آنسو اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔ وہ میرے جواب میں کچھ کہے بغیر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کچن کی طرف بھاگ گئی۔

اگلے ہی لمحے میں جہانگیر اور سلمٰی کی دہلیز سے نکل چکا تھا۔

میں عمارت سے نکل کر سڑک پر آیا تو اوپر چمکتا ہوا آسمان تھا' پیروں تلے تپتی ہوئی زمین تھی۔ لمحوں ہی لمحوں میں میرے لیے سب کچھ اجنبی سا ہو کر رہ گیا تھا۔ میرے لیے کوئی گھر تھا نہ ٹھکانا۔ میں نے بالکل خالی الذہن ہو کر جہانگیر کا گھر چھوڑا تھا۔

وقت بہت ظالم اور سفاک ہوتا ہے۔ ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ ایک انگڑائی لیتا ہے اور عرش سے انسان کو فرش پر لا پٹختا ہے۔ میں پچھلی رات تک اسلام آباد میں ایس ٹی ایف والوں کا خصوصی مہمان تھا۔ ان کا چیف مجھ سے ملنے کا خواہاں تھا مگر میں اس کی خواہش کو نظر انداز کر کے بروقت وہاں سے نکل آیا تھا۔

مجھے بے اختیار وہ بے مہر وقت یاد آ گیا جب لاہور میں اپنے سوتیلوں کے ظلم و ستم کی وجہ سے میں اپنی ماں کے ساتھ زندگی کے کٹھن دن گزار رہا تھا۔ اس وقت میں نے نوجوانی کی سرحدوں میں قدم رکھا تھا کہ ایک دن ماں ہمیشہ کے لیے میرا ساتھ چھوڑ گئی۔

ماں کے بعد مجھے اپنے لیے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو تھے' دل بھاری تھا اور ذہن بالکل

جسم کو موٹا اور خوبصورت بنانے کی دوا

فربینا

فربینا جسم کو موٹا اور خوبصورت بنانے کی یونانی دوا ہے جو قدرتی طور پر ایک ماہ کے قلیل عرصہ میں بازو' کمر' کولہے' گردن' کندھے اور چہرے کے گالوں پر گوشت میں اضافہ کر کے جسم بھرا بھرا' خوبصورت' موٹاپا تندرست بنا دیتی ہے۔

فربینا شروع کرنے سے پہلے اپنا وزن نوٹ کر لیں اور ایک ماہ تک فربینا کی خوراکیں کھاتے رہیں ایک ماہ بعد اپنا وزن دوبارہ چیک کریں تو آپ کو فرق صاف نظر آ جائے گا۔ مکمل طور پر قدرتی اجزا سے تیار کردہ قطعی بے ضرر یونانی مرکب قیمت -/۳۵۰ روپے وزن ایک کلو جو ایک ماہ کی مکمل خوراک ہے۔

ایک خط لکھ کر بذریعہ V.P منگوائیں۔

حکیم ارشد لیبارٹریز پوسٹ بکس 2608 اسلام آباد

Downloaded from https://paksociety.com

خالی۔ میں ریل کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ ایک طرف چل پڑا تھا۔

برسوں کے بعد کراچی میں تاریخ خود کو دہرا رہی تھی۔ فرق یہ تھا کہ لاہور میں' میں ایک ناپختہ کار' تہی دست اور کمزور نوجوان تھا۔ کراچی میں تجربے نے مجھے دولت اور طاقت سے نواز دیا تھا۔ میں بہتر انداز میں اپنے مستقبل کے فیصلے کر سکتا تھا۔

جہانگیر کے گھر سے سڑک زیادہ دور نہیں تھی لیکن اہم لوگوں کے استعمال میں رہنے والی' کلفٹن کی اس بڑی شاہراہ پر بسوں اور ویگنوں وغیرہ کا گزر ممنوع تھا۔ وہ پچھلے متبادل راستوں سے گزر کر اپنی منزل تک پہنچتی تھیں۔ میں نے سڑک عبور کر کے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔

میں نے ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ کر اسے ساحل کی طرف چلنے کے لیے کہا تو اس نے کن انکھیوں سے میرا جائزہ لیا اور پھر پردیسی سمجھ کر کہا "پچاس روپے ہوں گے۔"

"کس بات کے؟" میں نے غرا کر اس پر آنکھیں نکالیں "ابے! یہاں سے پیشاب کی دھار ماروں تو وہ سمندر میں جائے گی۔ اتنی سی دور کے پچاس روپے؟ یہ میٹر کس لیے ہے؟"

ڈرائیور منحنی سا تھا۔ میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر سہم گیا اور جھٹ میٹر کی چرخی گھما کر گرا دی۔

بے سرو سامان ہونے کے بعد ایک معمولی سے ڈرائیور پر حاصل ہونے والی اس حقیر سی فتح نے میرے اوپر حیرت ناک اثرات مرتب کیے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اول خان سے گفتگو کے بعد میرے وجود میں آزردگی اور شکست وریخت کے سرایت ہونے کے جس عمل کا آغاز ہو چکا تھا' وہ یکایک رک گیا تھا۔

ماہی خانے کے قریب میں نے ٹیکسی رکوالی۔ میٹر میں دس روپے بھی نہیں بنے تھے۔ میں نے جیب سے نکال کر پچاس روپے کا نوٹ ڈرائیور کو تھمایا اور بقیہ رقم واپس لیے بغیر اسے حیران و پریشان چھوڑ کر اندر چل دیا۔ اس نے میری دھمکی سے مرعوب ہو کر میرے اوپر جو احسان کیا تھا اس کے لیے وہ ایک معقول انعام کا حق دار بن چکا تھا۔

ماہی خانے کے خنک ماحول میں بھانت بھانت کی رنگ برنگ مچھلیوں کو شیشے کے تالابوں میں تیرتے دیکھ کر مجھے خاصا ذہنی سکون ملا۔ میں اپنے بریف کیس کی وجہ سے دوسرے تماشائیوں کی نگاہوں کا مرکز بن رہا تھا۔ مجھے خود احساس ہوا کہ میں پینڈو لگ رہا تھا۔

میں باہر آ کر اجڑے ہوئے لان کے ایک دور افتادہ گوشے میں بیٹھ گیا۔ دن کا وقت تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے وہاں اِکا دُکا افراد یا ٹھیلوں والے نظر آ رہے تھے۔

میں بریف کیس پر سر رکھ کر گھاس پر دراز ہو گیا۔ اس وقت میری آزادی اور بقا کے لیے دو چیزیں بہت اہم تھیں۔ سر چھپانے کا ٹھکانا اور ایک عدد عام ٹیلی فون۔

ویسے اول خان کا دیا ہوا موبائل فون میں نے ساتھ لے لیا تھا لیکن مجھے علم نہیں تھا کہ سی ایس ڈی اس الاسکی آلے کے ساتھ کس طرح منسلک ہو گا اور کام بھی کرے گا یا نہیں۔

کسی ہوٹل میں قیام کی صورت میں ٹیلی فون ایکسچینج کی وجہ سے سی ایس ڈی سے آزادانہ استفادہ محال تھا۔ آپریٹر اپنی مداخلت کی کوششوں میں مسلسل ناکامی کے بعد میری طرف سے مشکوک ہو سکتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اوسط درجے کے ہوٹل مالکان ایسی مشتبہ صورتوں میں فوراً مقامی پولیس سے رابطہ کرتے تھے۔ کبھی کبھار کامیاب ہونے والی ایسی مخبریوں کی وجہ سے ان کے باہمی مراسم بہت اچھے رہتے تھے۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا جو میرے اور پولیس کے سامنے کا سبب بن جائے۔

میرے مسئلے کا واحد حل کوئی چھوٹا مکان یا گیسٹ ہاؤس تھا جس میں چند بنیادی سہولتوں کے ساتھ ٹیلی فون بھی موجود ہو۔

میں نے ایک آوارہ گرد لڑکے سے اخباری اسٹال کے بارے میں معلوم کیا جو کچھ فاصلے پر تھا۔ اخبار خرید کر میں نے ایک بہتر اور سایہ دار جگہ پر ڈیرا ڈال دیا۔

اخبار میں کرائے داری کے کالم میں متعدد اشتہار موجود تھے مگر ان میں سے کوئی بھی میرے کام کا نہیں تھا۔ پھر بھی میں نے موبائل پر چند نمبروں پر رابطہ کیا اور بہادر آباد کے رہائشی علاقے میں وسطی منزل پر واقع ایک ایسے کمرے کو ذہن میں رکھ لیا جو فون' باتھ روم اور چھوٹے سے کچن کے ساتھ قدرے موزوں تھا۔ اس کا کرایہ اور ڈپازٹ زیادہ تھا لیکن میرے لیے وہ چیزیں ثانوی تھیں۔

سوچتے سوچتے مجھے نادرہ کا مکان یاد آ گیا جس کی نشان دہی غزالہ بھی کر چکی تھی۔ اگر وہاں کا فون بل کی عدم ادائیگی کی وجہ سے منقطع نہیں ہوا تھا تو میں پوری بے فکری کے ساتھ وہاں عارضی پڑاؤ ڈال کر اپنا کھیل شروع کر سکتا تھا۔

سایہ' سبزہ اور سکون میسر ہو تو انسان کا ذہن تیزی سے کام کرتا ہے۔ یہ سوچ کر میں وہاں سے چل پڑا۔ وہ مکان آراستہ اور میرا دیکھا بھالا تھا۔ گھر کے داخلی دروازے کی چابی میرے پاس موجود تھی۔ دوسری چابیاں گھر ہی کی ایک خفیہ دراز میں محفوظ تھیں۔

نادرہ کے مکان پر وحشت اور ویرانی کا راج تھا۔ پھاٹک پر نصب میل بکس میں کئی بل پڑے ہوئے تھے جن میں فون کے دو بل بھی تھے۔ پھاٹک کھول کر میں اندر داخل ہوا تو گھاس لمبی اور بے ترتیب ہو کر کیاریوں تک پھیل گئی تھی۔ دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے پودے سوکھ چکے تھے۔

میرے لیے باہر کا وہ نقشہ ذرا بھی اہم نہیں تھا۔ میرا ذہن صرف فون میں اٹکا ہوا تھا۔

ڈرائنگ روم اور راہداری سے گزر کر میں فون تک پہنچا تو

Downloaded from https://paksociety.com

اس پر ٹون آرہی تھی۔ میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ مختصر سی تنگی کے بعد قدرت پھر مجھ پر مہربان ہو رہی تھی۔

فون مکان کے اسی عقبی کمرے میں تھا جو الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے مجھے پسند تھا۔

ایک بل پرانا تھا۔ اس کے واجبات اگلے فون بل میں شامل تھے۔ دوسرے بل کی ادائیگی کی تاریخ بھی سولہ دن پہلے گزر چکی تھی۔

بنک کا وقت باقی تھا۔ میں نے اسی وقت رکشے سے نرسری جا کر فون، بجلی اور گیس کے بل جمع کرا دیے۔ پتا نہیں کیا وجہ تھی کہ میری طرف سے رابطہ ختم ہو جانے کے باوجود نادرہ نے اپنے گھر کی کوئی خیر خبر لینے کی زحمت نہیں کی تھی۔

فرشی قالین پر مجھے لوٹ نہیں لگانی تھی۔ میں نے بستر کی چادر وغیرہ جھٹک کر گرد صاف کی اور جوتے اتار کر مسہری پر چڑھ گیا تاکہ سی ایس ڈی کو فوری طور پر فون سے منسلک کرا لوں۔

نرسری کے بنک میں بلوں کی ادائیگی کے بعد میں ڈبوں اور پیکنگوں میں بند، خورونوش کی بہت سی ایسی چیزیں بھی خرید لایا تھا کہ مجھے اپنی کسی ضرورت کے لیے کئی روز تک باہر نکلنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کوئی متبادل ٹھکانا نہ ملنے کی صورت میں میں غیر معینہ مدت تک وہاں روپوش رہ سکتا تھا۔

اس علاقے کی یہ خوبی میں نے پہلے بھی نوٹ کی تھی کہ گلی میں کسی کو دوسرے مکینوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ سب اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ پھر بھی میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ مجھے وہاں رہنا ہی پڑا تو مالک یا مہمان کے بجائے مکان کے نگراں کا روپ دھار کر رہوں گا۔ اس طرح مجھے لان وغیرہ کی صفائی کا موقع مل سکتا تھا۔ کوئی محلے دار و یران مکان میں میری آمد نوٹ کرتا تو ملازم سمجھ کر نظر انداز کر دیتا۔

گوشۂ عافیت میسر آجانے کے بعد مجھے عجیب ذہنی سکون میسر آیا تھا۔ لائن سے سی ایس ڈی منسلک کرنے کے بعد میں سگریٹ سلگا کر بستر پر دراز ہو گیا۔

میرے ذہن میں غزالہ سے بات کرنے کا خیال آیا جسے میں نے فوراً ہی جھٹک دیا۔ اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے بھی رابطہ کرنا میرے لیے جنجال ثابت ہو سکتا تھا۔ ان کے بے حساب سوالوں کے جواب دینا میرے بس سے باہر تھا۔

میرے حق میں بہتر یہی تھا کہ مطلع صاف ہونے تک میں ان لوگوں سے دور اور بالکل الگ تھلگ رہوں۔ کسی کی مدد کی ضرورت پیش آجاتی تو وہ ایک الگ معاملہ ہوتا۔

شہر کے فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے سراغ رسانوں کے مختصر نام جان اور ایڈی تھے۔ میں نے خاصی سوچ بچار کے بعد ان سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

سی ایس ڈی کی موجودگی میں ہوٹل کے سوئچ بورڈ سے بات کرنی ممکن نہیں تھی۔ وہ موبائل فون کا ابتدائی دور تھا اور کہا جاتا تھا کہ اس پر ہونے والی گفتگو ہر مداخلت سے محفوظ ہوتی تھی۔ میں نے نمبر ملا کر ہوٹل کے کمرا نمبر ۳۰۸ میں ایڈی سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپریٹر نے ذرا سے مشینی توقف کے بعد لائن ملا دی۔

"ایڈی!" میرا مطالبہ سن کر دوسری طرف سے امریکی لب ولہجے میں حیرت سے دہرایا گیا "تم کون ہو اور تمہیں اس سے کیا کام ہے؟"

"یہ سب میں اسی کو بتا سکتا ہوں۔ وہ موجود ہے تو اس سے میری بات کرا دو۔"

"شناخت کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔" رکھائی سے کہا گیا۔ "میرا وقت برباد مت کرو۔"

"یہ کال سوئچ بورڈ پر ہے۔ اگر تم کوئی ڈائرکٹ نمبر دے سکو تو شاید بات بن سکتی ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "میں نے ایڈی کے فائدے اور انعام کے لیے فون کیا ہے۔"

"انعام کے لیے اخباروں میں نمبر شائع کیے جا رہے ہیں۔ بہرحال، تم موبائل پر رنگ کرو۔" اتنا کہنے کے بعد اسی تند خو شخص نے تیزی سے ایک موبائل نمبر دہرا دیا۔

میں نے سلسلہ منقطع کر کے سی ایس ڈی والے انسٹرومنٹ پر موبائل نمبر ملایا تو دوسری طرف سے ایک نئی آواز سنائی دی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت شاکر ہومیو کلینک

ڈاکٹر آصف شاکر ◆ ڈاکٹر نگہت عاقل

تعطیل بروز ـــــــ جمعۃ المبارک

۵۰۰/۵۰۰ کمرشل ایریا، طارق روڈ بلاک ۱۵ مڑیگیہ کراچی

اوقاتِ ملاقات: صبح ۱۱ تا ۲ بجے

کمشنر اقبال برانچ

۶/۱ سفاری ویو بلاک ۷ نزد مین گیٹ صفای پارک گلشن اقبال کراچی

اوقاتِ ملاقات: شام ۶ تا ۹ بجے رات

مزید معلومات کیلئے فون: 4966698

Downloaded from https://paksociety.com

"ابھی چند لمحے پہلے میری کسی سے ایڈی کے بارے میں بات ہو رہی تھی' اسی کو بلا دو۔" میں نے کہا۔

"وہ دوسری ڈیوٹی پر ہے۔ جو کہنا ہے' مجھ سے کہو۔" وہ بھی باون گز کا تھا "سب سے پہلے مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ اسی کے بعد کچھ ہو سکے گا۔"

"میں ایک مقامی ہوں۔ تمہارا دو ملین کا اشتہار میرے لیے دلچسپی کا باعث ہے۔"

"وہ ہمارا نمبر' تو فصل خانے کا اشتہار ہے۔ تم کو ان کے نمبروں پر رابطہ کرنا چاہیے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ ایڈی اور جان بھی اسی مہم پر آئے ہوئے ہیں۔" میں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا "ایڈی کا مجھ سے رابطہ نہ ہو سکا تو تم لوگ نقصان اٹھاؤ گے۔"

چند ثانیوں کے لیے لائن پر خاموشی چھا گئی پھر وہ بولا "تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان ہمارے لیے ہائی رسک زون ہے۔ اگر تم ہمارے خیر خواہ ہو تو اپنے فون نمبر کے ساتھ پیغام چھوڑ دو۔ ایڈی نے ضروری سمجھا تو وہ خود تم سے رابطہ کر لے گا۔"

"میں اپنا نمبر نہیں دے سکتا۔ اس وقت بھی....." میری بات ادھوری رہ گئی۔ سی ایس ڈی پر سرخ بلب چمکا' بزر بولا اور لائن ڈراپ ہو گئی۔

میں نے فوراً ہی وہ نمبر ری ڈائل کر لیا۔ میری آواز پر اس نے حیرت کا اظہار کیا اور پوچھا "تم نے فون بند کیوں کر دیا تھا؟"

"تم نے میری گفتگو ریکارڈ کرنے کی کوشش کی اور فون خود بند ہو گیا۔ بات جاری رکھنی چاہتے ہو تو کوئی الکٹرو میگنے ٹک ٹیپ چلاؤ نہ کوئی اور خلل اندازی کرو۔ مسئلہ بہت اہم اور سنگین ہے۔ اسی لیے میں اس محفوظ فون سے بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ! شاید تم واقعی سنجیدہ ہو۔ کہو' کیا کہنا چاہ رہے ہو۔ میں ایڈی کا ساتھی جان بول رہا ہوں۔" توقف کے بعد اس کی آواز آئی۔ "تم کس نقصان کی بات کر رہے ہو؟"

"کل ہونے والا بم کا دھماکا بہت خوف ناک تھا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اخباروں میں اس کی ساری تفصیل آ چکی ہے۔ کیا تم ہمیں بھی ایسے ہی کسی دھماکے کی دھمکی دے کر خوف زدہ کرنا چاہ رہے ہو؟" وہ ایک دم اکھڑ گیا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے نرم اور دھیمی آواز میں کہا۔ "اخباروں میں پوری کہانی نہیں آئی۔ خفیہ کیمروں کی آنکھ نے جو کچھ محفوظ کیا ہے' وہ اخباروں میں نہیں آیا۔ یہ دھمکی نہیں ہے۔ میں تمہیں ایک خطرے سے قبل از وقت آگاہ کر رہا ہوں۔"

"کیمروں میں کیا تھا؟ تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔" وہ الجھنے لگا۔

"دھماکے سے پہلے تم اور ایڈی فوٹو گرافروں کے بھیس میں کافی دیر تک وہاں رہے تھے۔" میں نے اول خان سے ہاتھ آنے والا اپنا پہلا کارڈ کھیلتے ہوئے کہا "ایک جدید وڈیو کیمرے نے تمہاری تمام سرگرمیاں رنگے ہاتھوں ریکارڈ کی ہیں....."

"اور اس کیسٹ کے بدلے تم دو ملین ڈالر مانگتے ہو۔" اس نے بھڑک کر پھر میری بات کاٹ دی۔

"پہلی بات یہ ذہن نشین کر لو کہ میں کوئی بلیک میلر نہیں' ایک معزز سرکاری ملازم ہوں۔ امریکا اور امریکیوں کو اپنا آئیڈیل سمجھتا ہوں۔ گرین کارڈ لے کر اپنی بقیہ زندگی وہیں گزارنی چاہتا ہوں۔ مجھے صرف گرین کارڈ چاہیے۔ کاروبار کی ابتدا کے لیے جو مالی مدد مل گئی' میں ہنسی خوشی اسے قبول کر لوں گا۔ یہ میری مختصر سی آرزوئیں ہیں۔"

"پہلے تم نے دو ملین ڈالر کے انعام کا حوالہ دیا تھا؟" اس نے اپنی تسلی کے لیے پوچھا۔

"میں اس کے لیے بھی کوشش کر رہا ہوں۔ شاید جلد کامیاب بھی ہو جاؤں۔"

"تم ہوٹل آ کر مجھ سے مل سکتے ہو؟" میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ میں نے محسوس کیا کہ امریکی کسی ہیر پھیر کے بغیر اپنے دل کی بات اگل دینے کے عادی ہوتے ہیں۔

"میں سامنے نہیں آ سکتا۔ پس پردہ رہ کر تمہارے لیے کام کر سکتا ہوں۔"

"وڈیو کس نے بنائی ہے۔ اسے خفیہ رکھنے میں کیا مصلحت ہے؟ بیشتر پاکستانی ہمارے لیے اپنے دل میں کینہ رکھتے ہیں۔ اس فلم کی تشہیر سے امریکا پر الزام تراشیاں ہوتیں۔ اس سے بہتیرے پاکستانیوں کو خوشی ہو سکتی تھی۔"

"یہ کسی سرکاری پالیسی کا تسلسل ہے۔ اگر تم دونوں وہاں تھے تو تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے کہ میں کسی اہم جگہ ملازم ہوں اور تمہارے لیے کس قدر کارآمد ہوں۔"

"ہمیں ایسے دوستوں کی ہر وقت تلاش رہتی ہے۔ تم ذہنی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" اس کے لہجے میں پہلی مرتبہ نرمی اور دلچسپی پیدا ہو گئی۔

چند خود ساختہ بقراط حکومت کو غلط مشورے دے کر امریکیوں کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ ان کے کھلے جرائم کی پردہ پوشی کی جا رہی تھی۔ میں خوش تھا کہ میں نے ایک شوشہ چھوڑ کر جان کے دل میں اپنے لیے جگہ بنالی تھی۔

"ذہنی کہیں نہ کہیں موجود ضرور ہے۔" میں نے پُرخیال آواز میں کہا "امریکا سایوں کا پیچھا نہیں کر سکتا۔ میں اس کے بارے میں جلد ہی کوئی خوش خبری سناؤں گا۔"

"ہمارا وڈیو کیسٹ تمہاری دسترس میں ہے؟" جان نے متجسس آواز میں پوچھا۔

"نہیں..... میں نے اس کا ذکر سنا ہے۔ آنکھوں سے نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

دیکھا۔"

"تم کس ایجنسی میں کام کرتے ہو؟" آخر کار وہ میری ذات میں گہری دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا تھا "تمہارا عہدہ کیا ہے؟"

"فی الحال ان باتوں کو نہ چھیڑو۔ وقت آئے گا تو سب کچھ خود بخود تمہارے سامنے آجائے گا۔ میرے لیے اپنی سلامتی مقدم ہے۔ جو لوگ تمہارے پر گن سکتے ہیں انہیں میرے اس رابطے کی بھنک بھی مل گئی تو وہ میری گردن اڑا دیں گے۔"

"تم جب چاہو' تو فصل خانے میں ادبی سے مل سکتے ہو..... تمہارا نام کیا ہے؟"

"فی الحال جو نام چاہو' دے دو.... اس ادبی کو بھی ہوشیار کر دینا۔ کھٹول نے کراچی میں اپنے سارے جرائم کا بوجھ اوبرائن ڈی ہنٹ پر ڈال دیا ہے۔ شاید اسے جلد ہی ناپسندیدہ قرار دے کر یہاں سے نکال دیا جائے۔" مجھے دوسرا کارڈ کھیلنے کا سنہرا موقع مل گیا۔

"اوہ' نو!" جان کی غراہٹ سنائی دی "اس کے بارے میں ادبی فکر مند ضرور ہے مگر اس کی الزام تراشی سے بالکل بے خبر ہے۔ کھٹول تو پکا نمک حرام نکلا۔ ہم یہاں سے ادبی کی روانگی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ پچھلی بربادیوں کے بعد اس نے بڑی محنت سے یہاں اپنا نیٹ ورک تیار کیا ہے۔"

مشترکہ مفاد کی باتیں چھڑنے کے بعد وہ پوری بے تکلفی سے لیکن حدود میں رہ کر بول رہا تھا۔

"ادبی کو یہاں روکنا ہے تو کھٹول کو عدالت کا سامنا کرنے سے پہلے راہ سے ہٹانا ہوگا۔ تمہارے لیے اصل مصائب کی ابتدا اسی کی حماقتوں سے ہوئی ہے۔"

"یہ ہمارے آپریشنل سیکرٹ ہیں۔ تمہاری زبان سے کھٹول کی زہر فشانی کا ذکر سنتے ہی میں نے اس کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے بارے میں تمہیں کوئی مشورہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ کام مقامیوں کو سونپا گیا تو وہی گند ہوگا جو کھٹول نے پھیلایا ہے۔" میں نے دل ہی دل میں اپنی کامیابی پر ناز کرتے ہوئے ذو معنی لہجے میں کہا۔

"فکر مت کرو۔ یہ کام ہم خود نہ کر سکے تو ہمارے آدمی ہی کریں گے۔ منحرف ہونے والوں کے ساتھ غداروں والا سلوک ہی بہتر رہتا ہے۔"

"میرے گرین کارڈ کے بارے میں تم نے ابھی تک ایک لفظ نہیں کہا۔"

"یہ چھوٹی سی بات ہے۔ ادبی سے رابطے میں رہو۔ اس موبائل نمبر پر میں نہ ملوں تو ایڈی ہوتا ہے۔ اپنے اور اپنی فیملی کے بارے میں معلومات فراہم کرو۔ ادبی تمہاری خدمات سے خوش ہوا تو ذرا سی دیر میں تمہارا کام بن جائے گا۔"

"مجھے اپنی محنت کا صلہ مل گیا۔ خدا تمہیں اس کا اجر دے

فیروپائرین (رجسٹرڈ)
قائم شدہ
1976

★ فیروپائرین دانتوں میں لگے ہوئے سب کیڑوں کو جڑ سے بالکل ختم کر دیتی ہے
★ فیروپائرین دانتوں اور مسوڑوں میں ٹھنڈا اور گرم پانی لگنا بند کر دیتی ہے
★ فیروپائرین پائیوریا کی خطرناک بیماری دور کر کے دانتوں اور مسوڑوں کو تندرست رکھتی ہے
★ فیروپائرین مسوڑوں سے گندہ اور بادی پانی خارج کر کے ورم اور سوزش اتارتا ہے
★ فیروپائرین مسوڑوں سے خون نکلنا بند کر کے مسوڑوں کو مضبوط اور سخت بناتی ہے
★ فیروپائرین منہ کے ان تمام جراثیم کو ہلاک کرتی ہے جو دانتوں میں کیڑا بنانے کا سبب بنتے ہیں
★ فیروپائرین منہ میں گندگی اور بدبو دور کر کے سانسوں کو خوشگوار بناتی ہے
★ فیروپائرین دانتوں مسوڑوں اور منہ کی سب پیچیدہ بیماریوں کی بے مثال دوائی ہے۔

تیار کردہ :- فیر لیبارٹریز O/1084 غازی روڈ راولپنڈی۔ (051-72471)
(051) 451631

Downloaded from https://paksociety.com

گا۔" میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"اولی سے تم ہوپ کے نام سے ملو گے۔ جب تک تمہاری مجبوریاں مانع ہیں، ہم بھی تمہیں اسی نام سے پکارتے رہیں گے۔"

"یہ نام بہت اچھا ہے۔ میں ہمیشہ ہی پُر امید رہتا ہوں۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

"ہم خود کھٹول کا ٹریک رکھیں گے۔ تمہیں اس باسٹرڈ کی آمد کا کوئی پروگرام معلوم ہو تو فوراً ہمیں اطلاع دینا۔ اس کی سرکوبی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔"

اس کو میرے فون کا حفاظتی نظام اتنا پسند آیا کہ اس نے مجھے فون بند کرنے سے روک دیا۔ چند لمحوں تک لائن ملی رہی۔ جوں ہی دوسری طرف سے جان نے کوئی حرکت کی، سی ایس ڈی کے ذریعے فون بند ہو گیا۔

میرے لیے دن کا آغاز جس قدر مایوس کن تھا، وہ کامیابی اسی قدر خوش کن تھی۔ افسوس کی بات یہ تھی کہ میں دوسروں کو اپنی اس خوشی میں شریک نہیں کر سکتا تھا۔

غم اور خوشی کے لمحات میں انسان کو ہمیشہ کسی ہم نوا کی ضرورت درپیش رہتی ہے۔ اپنے تمام ساتھیوں کے بارے میں غور کرنے کے بعد میں نے اولی خان کا نمبر ملا لیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم نے مجھ سے رابطہ کر لیا۔" اولی خان نے گہرے سانس کے بعد کہا "تم نے گھر چھوڑ کر اب کہاں پیر جمائے ہیں؟"

"فی الحال سر جہانگیر کوٹھاری پیرڈ کی ایک شکستہ دیوار پر بیٹھا ہوں۔ نیچے زمین اور اوپر نیلا آسمان ہے۔ سورج ڈوبنے سے پہلے کہیں نہ کہیں پڑاؤ ڈال ہی لوں گا۔"

"یہ تم کس جگہ کا ذکر کر رہے ہو؟ کیا یہ کراچی میں ہی ہے؟"

"کلفٹن کے پانی سے دور، سڑک کے کنارے کنکریٹ کی قدیم گیلریاں اور گزرگاہیں اسی نام سے مشہور ہیں۔ پہلے پانی یہاں تک آتا تھا۔ اب کبھی بھی نہیں آتا۔"

"شاعری مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے...."

"یہ لفظ استعمال نہ کرنا۔ شام کے اخباروں میں اس کا بہت خاص مفہوم ہوتا ہے۔ میں ایسے ہر تجربے سے بالکل محفوظ ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"تم نے اپنے منصوبے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ اس پر عمل کرو گے یا وقت کا انتظار کرو گے؟"

"کھٹول کو کراچی آلینے دو پھر کچھ سوچا جائے گا۔" میں نے اس کے سوال سے محظوظ ہوتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"اس کے آنے میں کیا رکھا ہے۔ وہ آج رات کی اسی پرواز سے لایا جا رہا ہے جس سے تم کراچی پہنچے تھے۔ یہ منتقلی راز داری کے ساتھ کی جا رہی ہے۔"

جان اور ایڈی کے لیے مفت میں ایک نئی خبر مل گئی تھی۔ میں نے روا روی میں پوچھا "وہ تو پورے حفاظتی لاؤ لشکر کے ساتھ لایا جا رہا ہو گا۔"

"راز داری کے پیش نظر کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ ائرپورٹ سے دو آدمی اسے لائیں گے۔ کچھ مسلح سپاہی دو گاڑیوں میں اس کے پیچھے آئیں گے اور بس!"

پتا نہیں وہ اولی خان کی سادہ لوحی تھی یا وہ دانستہ مجھے وہ تفصیلات بتا رہا تھا تاکہ میں کھٹول کے بارے میں اپنے پروگرام کو پوری منصوبہ بندی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ اسے یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ میں نے خون کی اس ہولی سے اپنا پیر ہار نکال کر دو حریفوں کو آپس میں ٹکرانے کا موقع دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کھیل کا پورا منظر نامہ تیار کر کے میں نادرہ کے گھر میں چین کی بانسری بجا سکتا تھا۔

"تم یہ سب تفصیلات مجھے کیوں بتا رہے ہو؟" میں نے ہنس کر اس سے پوچھا۔

"عادت سی ہو گئی ہے۔ ہمیشہ، ہر بری بھلی بات تم کو بتاتا رہتا ہوں۔"

"آج صورتِ حال مختلف ہے۔ تم سرکاری موقف کے وکیل بنے ہوئے ہو اور میں منحرف ہوں۔ میرے عزائم بھی تم سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ میں تمہیں ہر بات بتا چکا ہوں۔"

"میرا حافظہ اتنا کمزور نہیں ہے۔ مجھے ہر بات ازبر ہے۔ آج تو تمہیں اپنا ٹھکانا بتانا ہے۔ اتنی کم مدت میں تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے پھر دل کا بوجھ ہلکا کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"میں نے بھی اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے تم کو فون کیا ہے۔ کھٹول کے بارے میں، میں اپنے ارادوں پر نظرِ ثانی کر رہا ہوں۔ اگر اس پر کوئی حملہ وغیرہ ہو تو حملہ آوروں سے ذرا بھی رعایت نہ کرنا۔ انہیں بھی موقع پر ہی مار دیا جائے تو زیادہ بہتر ہو گا۔"

"حیرت ہے کہ تم اس پر مہربان ہو گئے ہو۔" اولی خان کی آواز تعجب آمیز تھی "اگر تم مجھ پر کوئی طنز کر رہے ہو یا چیلنج دے رہے ہو تو میں واضح کر دوں کہ اسے اسلام آباد پولیس کے حوالے کرنے کے بعد فورس کا رول ختم ہو چکا ہے۔ ساری کارروائی کی ذمے داری پولیس پر ہو گی۔"

"یہ طنز تھا نہ چیلنج۔" میں نے جلدی سے کہا "میں نے پورے خلوص سے مشورہ دیا ہے۔ ہو سکے تو یہ بات پولیس والوں کے کانوں میں بھی ڈال دو۔"

"کبھی کبھی تم میری سمجھ سے باہر ہو جاتے ہو۔ تم کسی سے کچھ کہے، سنے بغیر یوں خاموشی سے روپوش ہوئے ہو کہ ویرا اور سلطان شاہ نے میری زندگی عذاب میں ڈال دی ہے۔ ان کے تیور اتنے خراب ہیں کہ میں ابھی تک انہیں تمہاری روپوشی کا سبب بتانے کی

Downloaded from https://paksociety.com

ہمت نہیں کرسکا۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "روپوشی کا مشورہ تم نے دیا تھا۔ اس کے نتائج تم ہی بھگتو۔ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا کہ انہیں چھیڑ کر ان کی بے رحمانہ جرح کا سامنا کروں۔"

"ان سے نہ سہی' غزالہ سے بات کرلو۔ وہ بھی فکرمند ہے۔ آج رات میں اسے پشاور بھیج رہا ہوں۔"

"فون ویرا نے چھین لیا تو مصیبت آجائے گی۔ وہ بہت پاگل اور جذباتی لڑکی ہے۔ یہ سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹا جارہا ہوگا کہ میں اسے بے یارومددگار چھوڑ کر بھاگ نکلا ہوں۔"

"تم عیش کرو۔ میں اپنے کتے کو خود ہی بھگتوں گا۔" اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"میرا مشورہ ذمے دار حکام تک پہنچانا نہ بھولنا۔" میں نے اسے تاکید کی۔

"کیا تم آج رات واقعی کسی خطرے کی بو سونگھ رہے ہو؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"یہاں صرف سمندری پانی کی بو ہے مگر میرا وجدان کہہ رہا ہے کہ کھٹمل کی آمد پر کچھ نہ کچھ ہوکر رہے گا۔ ذرا سی تیاری کرلینے میں حرج ہی کیا ہے؟"

"بعض اوقات تمہارے دوراز کار اندیشے بھی حقیقت کا روپ دھارتے رہے ہیں۔ میں تمہارا مشورہ آگے بڑھا دوں گا۔ بس تم اس سے دور ہی رہنا۔"

اس وقت دوپہر کے دو بجے تھے۔ تازہ ترین معلومات سے امریکی سراغ رسانوں کو اتنی جلدی آگاہ کرنا مناسب نہیں تھا۔ پرواز کی اسلام آباد سے روانگی کے متوقع وقت پر وہ اطلاع دی جاتی تو ان کو زیادہ سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں ملتا۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ جان اپنے منحرف کو کراچی پہنچتے ہی موت کے گھاٹ اتارنے پر تلا بیٹھا تھا۔

نادرہ کے کچن ریفریجریٹر میں خورونوش کا کافی سامان موجود تھا جو میری دانست میں پرانا ہوچکا تھا۔ میں نے سیل بند اور کار آمد ڈبوں کے سوا ہر چیز کوڑے دان میں ڈال دی۔ ان کی جگہ میں نے اپنا لایا ہوا تازہ سامان بھردیا۔

مجھے ایک طویل عرصے کے بعد اپنے لیے خود کھانا تیار کرنا پڑا۔ کھانا کیا' بس ڈبل روٹی کے سلائسوں کے درمیان پنیر اور نمکین گوشت کے پارچے جمالیے تھے جو تیز چائے کے ساتھ بہت لذیذ محسوس ہورہے تھے۔ میں اس مرحلے سے گزر رہا تھا کہ موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میرے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ نمبر چند گنے چنے افراد کے سوا کسی کے پاس نہیں تھا۔

میں نے لائن آن کی دوسری طرف ویرا تھی اور بڑی بے تابی سے ہیلو ہیلو کیے جارہی تھی۔ میں نے کوئی جواب دیے بغیر کال آف کی پھر فون بھی بند کردیا تاکہ ویرا کو خود کار ریکارڈنگ کے ذریعے فون بند ہونے کی اطلاع مل جائے۔ فون کھلا رہتا تو وہ میری طرف سے جواب ملنے تک بار بار نمبر ملاتی رہتی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ شرارت اول خان کی تھی ورنہ ویرا میرے موبائل نمبر سے واقف نہیں تھی۔

نادرہ کے کشادہ مکان میں یوں تو ہر کمرا آراستہ اور قابلِ استعمال تھا لیکن میں رات کے وقت گھر کے مختلف حصوں میں غیر ضروری طور پر روشنی استعمال نہیں کرنی چاہتا تھا۔ میں نے اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی اپنی ضرورت کی اشیا اپنے عقبی کمرے میں جمع کرلیں۔ ان میں وہ ٹیلی وژن بھی تھا جو ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں رکھا ہوا تھا۔

اکیلے گھر میں وہ قیدِ تنہائی میرے لیے خاصی پُرعذاب تھی۔ میں نے ٹیلی وژن کھولا ہوا تھا لیکن اس کے بے مغز پروگراموں پر نظریں جمانا تک دشوار ہورہا تھا۔ گھر کے سکون اور یکسانیت میں وقفوں وقفوں سے کسی گزرتی ہوئی ٹرین کے آہنی پہیوں کی گڑگڑاہٹ یا انجن کی پُرشور آوازیں انقلاب لے آتی تھیں پھر اگلی کسی گاڑی کی آمد یا روانگی تک فضا پر وہی یکسانیت طاری ہوجاتی تھی۔ میرے لیے اس ماحول میں زیادہ وقت گزارنا ناممکن تھا۔

مجھے علم نہیں تھا کہ کالو سکرانی اور قاسم کی گرفتاری کے بعد جہانگیر نے لی مارکیٹ میں اپنی گولڈن فارمیسی پر جانا شروع کیا تھا یا نہیں لیکن ہر دو صورتوں میں سلطان شاہ کو وہاں سے اسٹیشن فوریا کسی اور مناسب ٹھکانے پر منتقل ہوجانا چاہیے تھا۔

اس حساب کتاب کے بعد میں نے جہانگیر کے گھر کا نمبر ملایا تو کال سلمٰی نے وصول کی۔ اس کی آواز سن کر میرے ذہن میں وہ منظر تازہ ہوگیا جو صبح اس کے گھر سے میری روانگی کے وقت پیش آیا تھا۔ میری اچانک روانگی کی خبر سن کر وہ ایسی دل گرفتہ ہوئی کہ میرا دل پسیج گیا تھا۔

"جہانگیر کہاں ہے اور تم کیا کررہی ہو؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"وہ فارمیسی سے اپنے وقت پر آئیں گے اور میں تمہارا فون سن رہی ہوں۔" میری غیر متوقع فون کال پر اس کی آواز سے مسرت پھوٹی پڑرہی تھی "صبح تم نے خاموشی سے روانہ ہوکر مجھے بڑی مشکل میں ڈال دیا تھا۔ جہانگیر برس رہے تھے کہ میں نے انہیں کیوں نہیں اٹھایا۔ سلطان شاہ کافی دیر تک بولائے ہوئے انداز میں پورے گھر میں ناچتا رہا۔ کافی دیر بعد اس نے مجھ سے پوچھا اور میرا جواب سن کر وہ بھونچکا رہ گیا۔ وہ اسی وقت ناشتا کیے بغیر گھر سے نکل گیا تھا۔"

"میری گفتگو کے کچھ حصے تم نے سنے تھے۔ ان دونوں پر ایسی نیستی سوار تھی کہ میں ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا تو مشکل میں پڑسکتا تھا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"تمہارے جانے کے بعد کوئی بھی نہیں آیا۔ میں ڈر رہی تھی کہ پولیس آگئی تو میں کیا کروں گی۔ کسی نے تم کو بلاوجہ ہی ڈرا دیا تھا۔"

"اول تو اب کوئی نہیں آئے گا۔ انہیں معلوم ہوچکا ہے کہ میں روپوش ہوگیا ہوں۔ اگر کوئی آجائے تو بہنے یا ڈرنے کے بجائے صاف کہہ دینا کہ میں نے کئی دن سے ادھر کا رخ نہیں کیا۔"

"پتا نہیں بے چارہ سلطان شاہ تمہاری تلاش میں کہاں کہاں کی خاک چھانتا پھر رہا ہوگا۔" سلمٰی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے لیے سب ہی تڑپ اٹھے ہیں۔"

باتوں میں سلمٰی کا دل لگ رہا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ اِدھر اُدھر کی گپ شپ میں کچھ وقت گزارا۔ اس کے بعد وہی تنہائی طاری ہونے لگی۔

آٹھ بجے میں نے جان اور ایڈی کا موبائل نمبر ملایا۔ اس بار آواز اجنبی تھی۔ میں نے جوں ہی اپنا نام ہوپ بتایا' میرا مخاطب کھل اٹھا "ہائے ہوپ! میں تمہاری آواز سننے کا منتظر تھا۔ میں ایڈی ہوں! نجان اور اجنبی ہوتے ہوئے بھی تم نے فوراً ہمارے دل میں گھر کرلیا ہے۔"

"تمہارے دل میں نہیں' میں امریکا میں اپنا گھر بسانا چاہتا ہوں" میں نے گرین کارڈ کے لیے اپنی حریصانہ طلب کا اظہار کیا اور وہ ہنس پڑا۔

"مجھے حیرت ہے کہ اتنی بڑی دنیا میں بعض لوگ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے ترستے ہیں۔" وہ میری سادہ لوحی سے شاید مرعوب ہوگیا تھا "تم بس ایک مرتبہ اس باسٹرڈ ڈینی کی گردن ہمارے ہاتھ میں دے دو' تمہارے دن پھر جائیں گے۔ امریکی تمہیں اپنا ہیرو بنالیں گے۔"

"میری نظر بھی دو ملین ڈالر پر ہے۔ فی الحال میں چھوٹے شکار پر ہوں..."

"تفصیل میں مت جاؤ۔ جان مجھے سب بتاچکا ہے۔ تازہ ترین خبریں کیا ہیں؟"

"اب سے تقریباً دو گھنٹے بعد اسے کراچی میں ہونا چاہیے۔ رازداری کی وجہ سے اس کے لیے کوئی خاص بندوبست نہیں ہوگا۔ گاڑی میں دو تین سپاہی ہوسکتے ہیں۔"

"گڈ! ہماری اطلاع بھی یہی ہے کہ وہ آرہا ہے۔ یہاں کے بندوبست کے بارے میں تم نے اضافی معلومات فراہم کی ہیں۔"

"مجھے حیرت ہے کہ ملاقات کے بغیر تم جیسے تجربے کار لوگ میری باتوں پر اعتبار کرتے چلے جارہے ہو؟" میں نے اس کی نیت ٹٹولنے کے لیے وہ ٹیڑھا سوال کر ڈالا۔

"تمہاری ہربات میں وزن تھا۔ ہم دونوں نے اس جگہ خاصا وقت گزارا تھا۔ کھٹمل کو ابلی نے ہی کچھ کام سونپے تھے۔ یہ ہماری خفیہ باتیں ہیں۔ تم کسی مضبوط وسیلے کے بغیر ان کے بارے میں نہیں جان سکتے تھے۔ ابھی تم نے جو کچھ بتایا' اس میں سے نصف پروگرام ہمارے علم میں تھا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے اپنی کسوٹی پر پورا پایا ہے۔ اب کھٹمل کا کیا ہوگا؟"

"بڈی! یہ تمہارا بزنس نہیں ہے" اس نے بے مروتی سے کہہ ڈالا "تم نے اپنا کام کرلیا۔ ہم اپنے آپشنز کے تحت اپنا کام کرلیں گے۔ سورج چڑھتا ہے تو دنیا دیکھ لیتی ہے۔"

"سوری ایڈی! میرا سوال واقعی ناروا تھا" میں نے معذرت کی۔

"شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم نے ناروا سوال کرکے میرا منہ توڑ جواب سن لیا۔ حساب برابر ہوگیا۔ آئندہ تم خود احتیاط کروگے.... تم ابلی سے کب مل رہے ہو؟"

"موقع نکال کر جلد ہی مل لوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی مجھے اس کے دفتر جاتے دیکھے۔"

"اس سے گھر پر مل لو۔" اس نے میری مشکل آسان کردی۔ "وہ تمہارا نام سن کر شاید خود ہی تمہیں اپنے گھر پر مدعو کرلے۔ کل تم اس سے رابطہ تو کرہی لو۔"

"میں کل اسے فون ضرور کرلوں گا۔" میں نے وعدہ کیا "تم اسے بریف کردینا۔"

"اسے بریف کیا جاچکا ہے۔ وہ تمہارا چہرہ دیکھ کر تمہاری صلاحیتوں کا صحیح اندازہ لگائے گا اور اسی کے مطابق تمہیں کام سونپے گا..... ٹھہرو! فون بند مت کرنا۔ میں اپنے موبائل میں ریکارڈنگ جیک لگا کر دیکھوں گا کہ تمہارا فون کیسے بند ہوتا ہے۔"

بدری کا کھلونا ان دونوں کے لیے بھی کھیل بنا ہوا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا "جیک لگانے سے پہلے میری ایک بات ضرور سن لو۔ کھٹمل کے خلاف جب بھی کارروائی ہو' کسی اور کو زد میں نہیں آنا چاہیے۔ کوئی بے گناہ مارا گیا تو اس کا خون میری گردن پر آئے گا۔"

"ہم امریکی بلاضرورت کسی چیونٹی کو بھی نہیں مارتے" اس نے فخریہ لہجے میں کہا "مجبوری درپیش ہو تو ہم ٹارگٹ کلنگ کرتے ہیں۔ نشانہ خطا نہ ہوا تو کسی اور کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔"

"میرے سر پر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ اب تم جیک لگالو" میں نے نیک نیتی سے کہا۔

اسی لمحے سی ایس ڈی میں تحریک ہوئی۔ لائن بلا تاخیر ڈراپ ہوگئی۔

ریسیور رکھتے ہوئے میرے پورے وجود میں سنسنی کی عجیب سی لہریں دوڑنے لگی تھیں۔ ایک طرف میں نے چور کو چوری پر آمادہ کرلیا تھا' دوسری طرف کوتوال کو بھی چوکنا کردیا تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر ٹیلی وژن کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں پورے گھر میں یکہ و تنہا تھا اس لیے میں نے پورے گھر

Downloaded from https://paksociety.com

کے بیرونی دروازے اندر سے بولٹ کرلیے تھے۔ اس تنہائی سے مجھے خوف نہیں آرہا تھا لیکن وحشت سی ہو رہی تھی۔

وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ نو بجے موبائل فون کی مترنم گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ ادھر سے اول خان بتا رہا تھا کہ اسلام آباد سے کراچی آنے والی پرواز میں فنی وجوہ کی بنا پر ڈیڑھ گھنٹے کی تاخیر ہوگئی تھی۔ ایڈی نے مجھے ایک سخت جواب دے کر اپنا پروگرام پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن میں پہلی بار جان کے اضطراب سے اندازہ لگا چکا تھا کہ کھٹمول کو کراچی آمد مہنگی پڑے گی۔

پرواز وقت پر آتی تو جو کچھ ہونا تھا رات کے بارہ بجے سے بہت پہلے ہو جاتا۔ پرواز میں تاخیر نے انتظار کے جاں گسل لمحات میں نوّے منٹ کا اضافہ کر دیا تھا۔

ٹی وی بند کر کے میں نے کمرے کی روشنیاں گل کیں اور سائڈ لیمپ جلا کر بستر پر دراز ہو گیا۔

اس روز میں نے کوئی بھاگ دوڑ کی تھی نہ مشقت۔ گھر سے نکل کر کافٹن گیا تھا اور وہاں سے نادرہ کے خالی گھر میں آگیا تھا مگر بستر پر لیٹتے ہی تنہائی کی بوریت کی وجہ سے میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ میں نے کسی مزاحمت کے بغیر ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔

کسی بڑی خبر کے انتظار میں گھنٹوں تک سسک سسک کر جاگنے سے بہتر تھا کہ میں کچھ نیند ہی لے لیتا۔ پتا نہیں تھا کہ رات گئے کیا ہونے والا تھا۔

نیند بڑی ظالم شے ہے۔ زور دکھاتی ہے تو تختۂ دار پر بھی آجاتی ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ بس ذرا سی دیر کے لیے میری آنکھ لگی ہو۔ پھر کان کے قریب تیز شور سے ہڑبڑا کر میں بیدار ہوا تو وال کلاک رات کا ڈیڑھ بجا رہا تھا۔ موبائل فون کی گھنٹی بجے جا رہی تھی۔

"جمال! آج کمال ہوگیا" لائن آن ہوتے ہی میرے کانوں میں اول خان کی فرطِ جذبات سے کانپتی ہوئی آواز آئی..... "میں نے تیسری مرتبہ نمبر ملایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم گہری نیند سو رہے تھے..."

"ہاں... آں!" میں نے جماہی لے کر کہا "تمہاری آواز سے معلوم ہو رہا ہے کہ کچھ ہو ہی گیا ہے۔ میری نیند کا خمار دور ہو چکا ہے۔ تم کوئی اچھی خبر سناؤ۔"

"شارع فیصل کے ایک سنسان حصے پر سب کچھ صرف تین منٹ میں ہوگیا" اس کے الفاظ وفورِ جوش سے ایک دوسرے میں الجھے جا رہے تھے۔

"کیا ہوگیا؟ ذرا خود پر قابو رکھ کر تفصیل سے بتاؤ۔ میرے حساب سے بہت کچھ ہو جانا چاہیے تھا۔ پتا نہیں تم ان میں سے کن باتوں کا ذکر کر رہے ہو۔"

"کھٹمول سمیت پمپ..... پانچ افراد چشم زدن میں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ ان میں وہ دو جاسوس یا سراغ رساں بھی ہیں جو تمہاری تلاش کی مہم پر کتے لے کر یہاں آئے ہوئے تھے۔"

"تمہارا کتنا نقصان ہوا؟" میں نے اپنے وجود کی گہرائیوں میں ٹھنڈک سی پڑتی محسوس کی۔

"حیرت ہے کہ کسی کو خراش تک نہیں آئی۔ انہوں نے کھٹمول کو نشانہ بنا کر چلتی گاڑیوں میں بڑی مہارت سے مارا تھا۔ ڈرائیور کی دہشت زدگی سے گاڑی ایک پلیا کی دیوار سے ٹکرا گئی لیکن پھر اسکواڈ کار زنے بہت تیزی سے لینڈ روور کو گھیر کر چاروں کو اڑا دیا۔ فائرنگ سے پٹرول کی ٹنکی پھٹ گئی۔ تھوڑی دیر پہلے آگ پر قابو پایا جا سکا ہے۔ لاشیں جل کر بری طرح مسخ ہوئی ہیں۔"

میرا دل تشکر کے جذبات سے لبریز ہوگیا۔ ہماری کسی کوشش کے بغیر تاریخ خود کو دہرا رہی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے سہراب گوٹھ کے بائیں جانب پھیلے ہوئے ویرانے میں ہیلی کاپٹر کے ذریعے آنے والے کمانڈوز ہمارے ہاتھوں اسی طرح آگ میں جل مرے تھے۔ وہ امریکی میرین کمانڈوز ایک بحری جہاز سے پرواز کر کے راس المیڈا کی تلاش میں آئے تھے۔ ایس ٹی ایف کے نشانچیوں نے نیچی پرواز کرنے والے جنگی ہیلی کاپٹر کو مار گرایا اور پھر ویرانے راس المیڈا کو اسی ویرانے میں دوڑا دوڑا کر مار ڈالا تھا۔

"لینڈ روور کی نمبر پلیٹ سفارتی تھی؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں، نمبر پلیٹ پرائیویٹ تھی لیکن مرنے والوں کی شناخت ہوگئی ہے۔ سیکیورٹی اسکواڈ میں شامل دو افسران امریکی سراغ رسانوں کے ساتھ خاصا وقت گزار چکے تھے۔"

"ان کے نام کیا کیا ہیں؟"

"جان اور ایڈی۔ باقی دو ان کے محافظ کمانڈوز ہیں۔ گاڑی میں وہ چار تھے اور چاروں ہی مارے گئے۔ میرے لیے یہ واقعہ ناقابلِ یقین ہے۔ حکومت کے لیے حلق کی ہڈی بنے ہوئے تین بڑے نام ایسے غیر متوقع انداز میں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ کوئی حکومت پر حرف گیری نہیں کر سکے گا۔ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تم نے اتنی قلیل سی مدت میں یہ ڈراما کیسے تیار کرلیا؟"

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے مجھے تفصیل سے بتاؤ الو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہاں سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ امریکیوں نے کھٹمول کو نشانہ لے کر مارا، مقامی پولیس نے انہیں فرار ہوتے ہوئے بھون ڈالا۔ اس سے زیادہ مجھے بھی کچھ علم نہیں۔"

"یہ برا ہوا کہ وہ چاروں ہی مارے گئے اور گاڑی میں آگ لگ گئی۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"کیوں؟ اس سے حقائق میں کیا فرق پڑ جائے گا؟" میری بات اس کی سمجھ سے بالا تھی۔

"سارے ثبوت مٹ گئے۔ وہ لوگ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ

Downloaded from https://paksociety.com

پولیس نے خود ہی کھٹمل کو مارا اور پھر وہاں سے اتفاقی طور پر گزرتے ہوئے امریکی ماہرین کو بھی بھون ڈالا۔"

"ان چاروں کی جائے واردات پر موجودگی کو کوئی صاحبِ عقل اتفاق تسلیم نہیں کرے گا۔ آگ میں بہت کچھ جل جانے کے باوجود فولادی ہتھیار نہیں پگھلے ہوں گے۔ ماہرین ان کا تجزیہ کرکے بتادیں گے کہ کھٹمل کی موت کن ہتھیاروں کے استعمال کے نتیجے میں واقع ہوئی ہے۔"

"ثبوت بعد میں آتے رہیں گے۔ وقتی طور پر انہیں اپنے چہرے کی کالک کم کرنے کا ایک موقع مل جائے گا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہر طرف تحیر انگیز مسرت پھیلی ہوئی ہے" اول خان خوشی سے سرشار تھا "تم میرے سامنے ہوتے تو میں تمہارے پیر چوم لیتا۔ اپنوں کے عتاب سے ستایا ہوا ایک تنہا شخص ایسا منصوبہ بنالے، یہ میری دانست میں انسانی بساط سے باہر کا کام ہے۔"

"اب مجھے جن بھوت نہ بناؤ۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کہاں ہو؟" میں نے چڑ کر پوچھا۔

"اسٹیشن فور پر، اپنے دفتر میں" اس نے جلدی سے کہا "میں تمہیں یہ خبر سنانے کے لیے یہاں رکا ہوا تھا۔ اب میں وہیں جارہا ہوں۔"

"وہاں سے موبائل پر مجھ سے بات کرتے رہنا۔ اس کامیابی پر میری نیند اڑ گئی ہے۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ خرانٹ امریکی اتنی آسانی سے باجماعت مارے جائیں گے۔ یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ ایسی بے داغ کامیابی کے اسباب کیا تھے۔"

"وہ چاروں زبردست نشانے باز تھے۔ کھٹمل کو لے جانے والی کار دوڑ رہی تھی۔ وہ خود بھی تیزی سے اس کے برابر میں گئے ہوں گے پھر بھی کسی کو زخم نہیں آیا۔"

میرے لبوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔ "انہوں نے میری خواہش کے احترام میں ٹارگٹ کلنگ کا اہتمام کیا تھا۔"

"تت..... تو کیا تم نے براہِ راست ان سے رابطہ کیا تھا؟" اول خان کو یقین نہیں آیا۔

"ایک تنہا آدمی اور کیا کرسکتا تھا؟ جان اور ایڈی میرے رابطے میں آگئے تھے۔"

"خدا کی پناہ! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنا بڑا جوا کھیل بیٹھو گے۔"

"یہ جوا نہیں، سوچا سمجھا کھیل تھا۔ میں نے تم سے ملنے والی معلومات کو چالاکی سے استعمال کیا تھا۔ وہ مجھ پر اعتبار نہ کرتے تو میرا کچھ بھی نہ جاتا۔ سی ایس ڈی کی وجہ سے وہ سراغ بھی نہیں لگاسکتے تھے کہ... کس نمبر سے فون کیا گیا ہے۔"

"فوجی دستوں نے وہ علاقہ گھیر لیا ہے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی ہے۔ سرکردہ افراد اور ادارے وہاں جمع ہورہے ہوں گے۔ اب میں وہاں کا جائزہ لینے کے بعد ہی تم سے بات کروں گا۔"

تین منٹ میں نمٹ جانے والا وہ ڈراما مہینوں کی اذیت اور کوفت کا اختتامی باب تھا۔ اس کی داغ بیل سلطان شاہ نے دو آدمیوں کے گھٹنے توڑ کر ڈالی تھی۔ اختتام میں مجھ سمیت کوئی عملی طور پر شامل نہیں تھا۔ تینوں فریقوں نے خود ہی اپنا حساب برابر کرلیا تھا۔

اول خان کا اگلا فون آنے میں دیر تھی۔ جائے واردات میرے گھر سے زیادہ دور نہیں تھی لیکن کسی سواری کے بغیر اتنی رات گئے ادھر جانا مناسب نہیں تھا۔ میں نے ویرا کو جگانے کا ارادہ کرلیا۔

اول خان کے گھر پر فون کی پہلی گھنٹی بجتے ہی ویرا نے ریسیور اٹھالیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تنہائی کے خوف سے تمہاری نیند اڑی ہوئی ہے" میں نے چڑانے والے لہجے میں کہا "آدھی گھنٹی پر ہی تم نے ریسیور اٹھالیا۔"

"تم.... تم سے میں اچھی طرح سمجھ لوں گی" ویرا کی آواز میں غصے کا پیچ و تاب نمایاں تھا "تمہیں اپنے طور پر کچھ کرنا تھا تو تم گھر سے بھاگے بغیر بھی کرسکتے تھے۔ اس اوچھی حرکت کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں نے کیا کیا ہے جو تم یوں ڈانٹ ڈپٹ کررہی ہو؟" میں نے بے چارگی سے پوچھا۔

"سلطان شاہ برابر والے کمرے میں کسی مُردے کی طرح سویا ہوا ہے۔ شاید تمہاری طرف سے بھی جواب نہیں مل رہا تھا۔ اول خان مجھے بتاچکا ہے کہ آج تم نے توپ پر تیر مارا ہے۔"

"اول خان نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ میں بے سروسامانی کے عالم میں گھر سے کیوں نکلا تھا؟"

"نوبت ہی نہیں آئی۔ صبح سے میں غصے میں پاگل ہورہی تھی" اس کا غصہ دھیما ہونے لگا۔

"صبح اول خان نے اطلاع دی تھی کہ مجھے بے دست و پا کرنے کے لیے حفاظتی تحویل میں لینے یعنی گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا جاچکا ہے۔ میرے ذہن میں منصوبے کے ابتدائی خدوخال سر ابھار چکے تھے۔ میں خاموشی کے ساتھ جہانگیر کے گھر سے نکل گیا۔"

"ہم سب کو تم نے حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا" وہ تلخی سے بولی "تمہیں معلوم ہے کہ غزالہ یہاں سے تمہارے لیے بلکتی ہوئی گئی ہے۔ کبھی کبھی تم بہت سنگ دل اور خودغرض ہوجاتے ہو۔"

"یہ تمہارا وہم ہے۔ اول خان کے کہنے کے مطابق خطرہ صرف مجھے لاحق تھا۔ باقی لوگ محفوظ تھے۔ غزالہ کو میں نے دانستہ پشاور بھجوایا ہے تاکہ میری تلاش کے لیے اسے دباؤ کے حربے کے

Downloaded from https://paksociety.com

طور پر استعمال نہ کیا جاسکے۔ مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ میرا منصوبہ اتنی سرعت سے مکمل ہوگا تو میں اسے کراچی سے نہ بھیجتا۔ میں ایک لمحے کے لیے بھی تم لوگوں سے غافل نہیں رہ سکتا۔"

"تمہارا منصوبہ مکمل کہاں ہوا۔ ابھی اوبرائن ڈی ہنٹ باقی ہے" اسے وہ نام یاد تھا۔

"اسے بھی دیکھ لیا جائے گا۔ آج کے واقعے کے بعد وہ اپنی اہمیت کھو بیٹھا ہے" میں نے وہ موضوع ٹالنے کے لیے کہا ورنہ جان مجھے بتا چکا تھا کہ اوبی کراچی بلکہ پاکستان میں ان کا کلیدی آدمی تھا جس نے پوری محنت سے سازشیوں کا ایک نیا نیٹ ورک تیار کیا تھا۔

"تمہاری گرفتاری کے احکام اب بھی برقرار رہیں گے؟" ویرا نے پوچھا۔

"یہ حکم جاری کرنے والے بادشاہوں کی مرضی پر منحصر ہے۔ اول خان ان کے عزائم پر روشنی ڈال سکے گا۔ میں تو ایک تنگ کوٹھری میں محصور بیٹھا ہوں۔"

"مجھے بتاؤ کہ تم کہاں ہو۔ میں ابھی وہاں پہنچتی ہوں" اس نے پیش کش کی۔

"بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔ یہ ایک آستانے کے مجاور کا کمرا ہے۔ باہر کئی ملنگ چرس کے نشے میں دھت پڑے ہوئے ہیں..."

اس نے برہمی سے میری بات کاٹ دی "نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ لیکن مجھ سے یہ بے سروپا باتیں مت کرو۔ جھوٹ بولنا اب دھیرے دھیرے تمہارے مزاج میں شامل ہوتا جارہا ہے۔"

"میں فون بند کررہا ہوں۔ کسی بھی وقت اول خان کی کال آسکتی ہے۔"

"تو کیا تمہارے پاس صرف موبائل فون ہی ہے؟" اس نے مکاری سے پوچھا۔

"آستانوں میں ٹیلی فون ایکسچینج ابھی تک رائج نہیں ہوئے... فی الحال بس یہی ہے۔"

"میں اول خان سے بات کروں گی۔ تمہیں جلد ہی منظرِ عام پر آنا پڑے گا۔ اس وقت میں تم سے گن گن کر ان چٹکیوں کے بدلے لوں گی۔"

"تمہارا حافظہ کمزور ہے۔ صبح تک تم یہ باتیں بھول جاؤ گی۔ اب آرام کرو" میں نے اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر فون بند کردیا۔

جائے واردات سے اول خان کی دوسری فون کال کا انتظار بہت طویل ثابت ہوا۔ چار بجے اس نے بتایا کہ ائرپورٹ سے شہر آنے والے ٹریک کا ایک بڑا حصہ مسلح فوجیوں کے حصار میں تھا کیونکہ کھٹمول کو قتل کرنے کے بعد قاتلوں کی لینڈ روور میں کئی فرلانگ بعد آگ لگی تھی۔

کھٹمول کے قتل ہوتے ہی' اسے لے جانے والی گاڑی معمولی حادثے کا شکار ہو کر رک گئی تھی اور لینڈ روور بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھی تھی۔ کھٹمول کو ایسکورٹ کرنے والی دونوں اسکواڈ کاریں بالکل نئی اور طاقت ور تھیں۔ انہوں نے غراکر فوراً ہی لینڈ روور کو دونوں طرف سے دبانا چاہا۔ قاتلوں کی طرف سے پولیس پر فائرنگ کی گئی جس کے نشان باڈی کے سوراخوں کی صورت میں موجود تھے۔ بھاگتے ہوئے قاتلوں کو مزید خوں ریزی پر آمادہ پاکر پولیس والوں نے انہیں شدید فائرنگ کی باڑھ پر لے کر ٹھکانے لگادیا۔ اس مقابلے میں کوئی گولی لینڈ روور کی ٹنکی میں جا لگی اور ایندھن لیک ہوتے ہی آگ نے پوری گاڑی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

شاید وہ سب اس طرح نہ ہوا ہوتا۔ کھٹمول کو ائرپورٹ سے لانے کے لیے چار مسلح جوانوں پر مشتمل ایک پرانی پک اپ کو کار کے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ میں نے فون پر اول خان کو کسی ممکنہ حملے اور اس کے سدِباب کے بارے میں مشورہ دیا تو اس نے کھٹمول کی منتقلی کے ذمے دار افسران سے بات کی اور پروگرام پر نظرِ ثانی کرلی گئی۔

پرانی پک اپ کے بجائے دو نئی اسکواڈ کارز کو بہت دور اور الگ تھلگ رہ کر قیدی کو لے جانے والی گاڑی کی نگرانی کرنی تھی۔ اس دوران میں چار سفید فاموں سمیت ایک سیاہ لینڈ روور نظر آئی جو پارکنگ ایریا سے باہر روک دی گئی۔ چاروں سوار اندر بیٹھے رہے۔

محافظ دستوں کے لیے وہ خطرے کا سگنل تھا۔ کھٹمول کی روانگی کے بعد جب لینڈ روور بھی دھیرے دھیرے ائرپورٹ سے واپس چل دی تو کچھ فاصلے سے دونوں اسکواڈ کارز اس کے تعاقب میں ہولیں۔ یہ ان کی گاڑیوں کی برتری تھی جس کی بنا پر لینڈ روور جیسی برق رفتار گاڑی کھٹمول کے قتل کے بعد زیادہ دور نکلنے سے پہلے گھیرلی گئی۔ ان کی جگہ کوئی فرسودہ پک اپ ہوتی تو لینڈ روور ذرا سی دیر میں سب کی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتی۔

وہ اصل واقعہ تھا۔ اس میں صرف ایک پہلو کمزور تھا کہ محافظوں کی گاڑیاں کھٹمول کو لے جانے والی گاڑی کے ساتھ کیوں روانہ نہیں ہوئیں؟ انہوں نے لینڈ روور کو درمیان میں لے کر امریکیوں کو دانستہ یہ موقع فراہم کیا کہ وہ کھٹمول کے خلاف کوئی بھی کارروائی کرگزریں۔

جائے واردات پر امریکی اور پاکستانی حکام کے درمیان سنگین سفارتی تلخ کلامیوں کا تبادلہ ہورہا تھا۔ امریکی اپنے چاروں آدمیوں کی ہلاکت کو ماورائے عدالت قتل کا نام دے رہے تھے۔ پاکستانیوں کا اٹل مؤقف تھا کہ قاتل واردات کے بعد فرار ہوتے ہوئے فائرنگ کے شدید تبادلے میں مارے گئے۔ ان پر فائر نہ کھولا جاتا تو وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوجاتے اور شاید قانون کے محافظوں کو

Downloaded from https://paksociety.com

بھی ہلاک اور زخمی کردیتے۔

اس مؤقف کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ دونوں گاڑیوں کے درمیان کئی فرلانگ کا فاصلہ تھا۔

میری توقع کے برعکس امریکیوں نے اس وقت تک یہ نکتہ نہیں اٹھایا تھا کہ ان کے آدمی کھٹمول کے قتل میں ملوث نہیں تھے۔ جلی ہوئی لاشوں کے پاس موجود امریکی ساخت کی طاقت ور خودکار رائفلیں جل جانے کے باوجود یہ ظاہر کررہی تھیں کہ ان کی نالوں پر نشانہ لینے کے لیے حساس دوربینیں نصب رہی ہوں گی جن سے پیشہ وریا اجرتی قاتل ہی فائدہ اٹھاسکتے تھے۔

کھٹمول' جان اور ایڈی کے جرائم کے باوجود درپیش پیچیدگیوں سے صرف اعلیٰ ترین حکام ہی واقف تھے۔ تین منٹ کے اس واقعے نے ان کی وہ ساری پیچیدگیاں دور کردی تھیں۔ عام پاکستانی اہل کار اس پس منظر سے واقف نہیں تھے اس لیے ان کے چہرے گمبھیر اور لٹکے ہوئے نظر آرہے تھے۔

پانچوں لاشیں اور دونوں متاثرہ گاڑیاں پولیس کے محکمے سے آئے ہوئے ماہرین اور فوٹوگرافروں کے علاوہ متعدد غیر ملکی ماہرین کے نرغے میں تھیں۔ پریس کے عملے کو ان کے قریب جانے کی اجازت نہیں تھی۔

اول خان کی زبانی وہ ساری تفصیل سن کر میں نے پوچھا "تم نے سب کچھ ہی معلوم کرلیا ہے۔ پھر اب تم وہاں کیا کررہے ہو؟"

"رسمی کارروائیاں مکمل ہوتے ہی لاشیں پوسٹ مارٹم کے لیے سرکاری مردہ خانے بھجوادی جائیں گی۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں یہاں کسی ایسے شخص کا منتظر ہوں جو تمہاری موجودہ حیثیت کے بارے میں فیصلہ کرسکے۔ اب تمہاری حفاظتی تحویل کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔"

"یہ کام فون پر بھی کیا جاسکتا ہے۔ ایسا کرو کہ تم گاڑی کہیں دور کھڑی کرکے سیدھے میرے پاس آجاؤ۔ میں تم سے زیادہ دور نہیں ہوں۔"

وہ بھی گھاگ آدمی تھا' فوراً میرا مفہوم سمجھ گیا "تم نادرہ کے گھر میں ہو؟"

"تم ٹھیک سمجھے۔ گھر بدت سے خالی پڑا ہوا تھا۔ نادرہ شاید سکھر میں ہے" میں نے ہنس کر کہا "پھاٹک پر میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"نہیں.... آج یہ خطرہ مول مت لو۔ اس واقعے کی وجہ سے شارع فیصل پر گاڑیوں کی آمدورفت میں خاصا اضافہ ہوگیا ہے۔ ہمیں لوگوں کی نظروں سے دور رہنا چاہیے۔ پریس رپورٹرز میں سے کسی نے مجھے راستے میں رکتے دیکھ لیا تو تمہاری پوری کہانی کھود نکالے گا۔"

"پھر میں سڑک پر آجاتا ہوں۔ راستے سے مجھے ساتھ لے لینا" میں نے کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔ آج کی رات روپوشی میں آرام کرو۔ صبح تک کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی" اس نے اضطراری لہجے میں کہا۔ "تمہاری تلاش میں آنے والی یہ دوسری ٹیم ہے جو موت سے ہم کنار ہوئی ہے۔ یہ بات تمہارے دشمنوں کے ذہنوں میں بھی کھٹک رہی ہوگی۔"

"جن کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہوتے ہیں' انہیں امریکا سے اٹھا کر یہاں بھیج دیا جاتا ہے۔ تم گواہ ہو کہ اس بار میرا دامن بالکل بے داغ رہا ہے۔"

"ایسی بے نیازی کا مظاہرہ مت کرو' صبح میں دفتر پہنچوں گا تو علم ہوگا کہ تمہاری اس کارروائی کے نتیجے میں کراچی سے اسلام آباد تک کیسی شدید ہلچل مچی ہوئی ہے۔"

اس سے گفتگو ختم کرکے میں دوبارہ بستر پر دراز ہوگیا۔ کئی گھنٹوں کی گہری نیند لینے کے باعث اس بار دور دور تک نیند کا پتا نہیں تھا۔

اگلی صبح میں تازہ اخباروں کے حصول کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

اسلام آباد سے آنے والی پرواز میں تاخیر کے باعث وہ واقعہ اتنی دیر سے رونما ہوا تھا کہ اخباروں میں اس کی تفصیلی خبریں نہیں لگ سکی تھیں۔ ہر اخبار کے پہلے صفحے پر جلی سرخیوں یا حاشیے کے ساتھ یہ مختصر خبر ضرور موجود تھی کہ شارع فیصل پر ایک قیدی کو قتل کرنے کے بعد چار امریکی بھی پولیس کے ہاتھوں مارے گئے۔

مجھے توقع تھی کہ شام کے اخباروں کا نیا ایڈیشن' پوری خبروں کے ساتھ قبل از وقت آجائے گا اور لوگوں کی دلچسپی کے باعث ہاتھوں ہاتھ نکل جائے گا۔

میں نے نہا دھو کر تیاری کی اور کچن میں اپنا ناشتا تیار کرکے کمرے میں لے آیا۔ میں نے ناشتے کی ابتدا بھی نہیں کی تھی کہ اول خان کا فون آگیا۔

"میرا اندازہ درست تھا۔ تمہاری کارکردگی پر نگاہ رکھنے والوں نے اندازہ لگالیا ہے کہ کل کے واقعے میں کہیں نہ کہیں تم ضرور ملوث تھے اور اس پر مبارک باد مجھے دی جارہی ہے۔"

"تم اس کے مستحق بھی ہو۔ میں زیرِ زمین ہوں۔ میں نے اپنے منصوبے کو تمہاری مدد سے ہی پایۂ تکمیل کو پہنچایا ہے۔ مبارک بادیاں لیتے رہو" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"اپنے زیرِ زمین ہونے پر زیادہ شکوہ مت کرو۔ اس بارے میں میری بات ہوچکی ہے۔ اصولی طور پر میں لاجواب ہوکر رہ گیا۔"

"تمہاری دانست میں وہ فیصلہ درست تھا؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"بالکل۔ تم نے اس کا جواز ثابت کردیا ہے۔ وہ لوگ تمہیں اپنی حفاظتی تحویل میں لے کر بے عمل بنانا چاہتے تھے۔ فیصلہ ہوچکا تھا' احکام جاری ہوگئے تھے۔ میں نے تمہیں اطلاع دی اور تم کسی چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر ان کے ہاتھوں سے نکل گئے اور اپنی

Downloaded from https://paksociety.com

من مانی کر گزرے۔ غنیمت ہے کہ اس کے اثرات اور نتائج ہمارے حق میں ہیں۔ کوئی لغزش ہو جاتی تو حکومت کے لیے سنگین مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ ہر طرف نگاہ رکھنے والے انسانی غلطی کے پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ان کا فیصلہ برقرار ہے؟" میں نے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

"بدقسمتی سے ایسا ہی ہے۔ وہ تمہارے لیے اب زیادہ سنگین خطرات محسوس کر رہے ہیں۔ اس کے سرکاری اثرات بھی سامنے آگئے ہیں۔"

"عجیب احکام ہیں!" میں نے تلخی سے کہا "ابھی تک کوئی میری تلاش میں نہیں آیا۔ کیا وہ یہ توقع کر رہے ہیں کہ میں ہاتھ جوڑ کر خود ان کے قدموں میں جا بیٹھوں گا۔"

ریسیور میں اس کی ہنسی کی آواز آئی "تمہاری الجھن ٹھیک ہے۔ دراصل کراچی میں تمہاری تلاش کی ذمے داری مجھے سونپی گئی ہے۔ جوں ہی میں انہیں تمہارے بارے میں کوئی مثبت خبر دوں گا' ذمے دار حکام آکر عزت و احترام سے تمہیں لے جائیں گے۔ ان کے اسٹاف نے تمہیں دیکھ لیا تو انہیں میری اطلاع کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

"میں عین وقت پر ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دوں تو کیا ہو گا؟"

"میری طرف سے اطلاع کی فراہمی کا مطلب تمہاری رضامندی ہو گا۔ تم انتخاب کا حق کھو دو گے۔ انکار کیا تو وہ زبردستی تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اس سے بہتر ہے کہ میں تمہاری کمین گاہ کے بارے میں اپنی لاعلمی ظاہر کرتا رہوں۔"

"میرے لیے خطرات کے حوالے سے تم سرکاری اثرات کی بات کر رہے تھے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"رات کو سب نے اس موضوع پر اپنی زبان بندی کی ہوئی تھی۔ صبح سات بجے امریکیوں نے اپنے سرکاری مؤقف کا تلخ اعلامیہ جاری کیا ہے۔ انہوں نے اپنے چاروں آدمیوں کی بے گناہی پر اصرار کرتے ہوئے اپنے پرانے زخم کریدے ہیں اور سوال اٹھایا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ پاکستان میں ڈیٹی کے خلاف میدان میں اترنے والے ہر مقامی اور غیر ملکی کو یکساں طور پر موت کے گھاٹ اتار کر عبرت نشان بنا دیا جاتا ہے۔ انہوں نے ٹھٹول کے قتل پر بھی احتجاج کیا ہے اور کشت و خون کی ساری ذمے داری وفاقی ایجنسیوں پر ڈالی ہے جو ان کی دانست میں تمہاری پشت پناہی کرتی ہیں۔"

"حقائق کی روشنی میں ان کی یہ کہانی زیادہ دیر نہیں ٹک سکے گی۔"

"وہ بعد کی بات ہے۔ اس وقت ان کے مؤقف کو پوری دنیا میں تشہیر ملے گی۔ چار اہم آدمی گنوا کر وہ مظلوم بن چکے ہیں۔ ان کی بات کو اہمیت دی جائے گی۔"

"یہ بہت مضبوط کیس ہے۔ ہم اس کی تفتیش کے لیے کسی بھی غیر جانبدار کمیشن کے قیام کی پیش کش کر سکتے ہیں۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ مقامی معاملات میں کسی بھی غیر ملکی مداخلت کا دروازہ کھولنا ملکی وقار کے منافی ہو گا۔ انہیں دعوت دی گئی ہے کہ وہ اپنے ماہرین کو تفتیشی ٹیم میں شامل کرا دیں۔"

"وہ یہ تجویز مسترد کر دیں گے۔ انہیں معلوم ہے کہ تفتیش کے نتائج ان کے حق میں نہیں ہوں گے۔"

"یہی ہوا ہے۔ انہوں نے مزید ایک قدم آگے بڑھ کر جانبدارانہ تفتیشی کارروائیوں کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کیا ہے۔ ان کے اس معاندانہ رویے کو مدِ نظر رکھو تو تمہیں اپنے خیر خواہوں کا فیصلہ درست نظر آئے گا کہ تمہیں منظرِ عام سے ہٹ جانا چاہیے۔"

"تم پھر وہی ذکر نکال بیٹھے" میں نے چڑ کر کہا "آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"میں تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔ یہ بات ان تک پہنچ گئی ہے کہ کھٹول کے لیے کیے جانے والے حفاظتی بندوبست میں میرے ایما پر تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ وہ اس بڑے واقعے کا سارا کریڈٹ مجھے دینے پر آمادہ نہیں ہیں' اسے تمہارا کام قرار دے رہے ہیں۔ میں زیادہ دیر تک ان کے اخلاقی دباؤ کا سامنا نہیں کر سکوں گا۔"

میں چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔

ویرا کا باپ جمی لائیڈ جو اپنی زندگی میں شی کا پہلا مضبوط ترین سرپرست تھا' مجھے منشیات کے دھندے میں لایا تھا یا زیادہ موزوں الفاظ میں اس کی تنظیم کے کراچی یونٹ نے میری مجبوریوں اور بے روزگاری سے فائدہ اٹھا کر مجھے منشیات فروشی کی راہ پر ڈالا تھا۔

شی کو امریکی حکومت کی مالی اور اخلاقی اعانت حاصل تھی اس لیے یہ سمجھنا بے جا نہیں تھا کہ میں نے اپنی خوش حالی کے دور کا آغاز امریکی مفادات کے ایک آلۂ کار کے طور پر کیا تھا۔ شی میں نچلی سطح سے ترقی کرتا ہوا میں اوپر پہنچا تو ہیروئن کی تباہ کاریاں میرے سامنے تھیں۔ صدمہ یہ جان کر ہوا کہ مغرب کو اس نشے کی لعنت سے محفوظ رکھنے کے لیے شی ایک منظم منصوبے کے تحت پاکستان میں ہیروئن کی مقامی طلب اور کھپت میں اضافے کے مشن پر کام کر رہی تھی۔

وہ میری زندگی میں انقلابی تبدیلی کا موڑ تھا۔ میں نے شی اور امریکا کے خلاف علمِ بغاوت اٹھا لیا۔

امریکیوں سے میری وہ جنگ ایک مدت سے جاری تھی اور بظاہر وہ آویزش کہیں ختم ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ایک تصادم ختم ہوتا تھا تو چہروں اور ناموں کی تبدیلی کے ساتھ ان کی کوئی دوسری ٹولی میرے خلاف میدان میں کود پڑتی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

ان لوگوں سے جاری تازہ ترین محاذ آرائی میں مَیں نے اپنے بیشتر اہداف حاصل کرلیے تھے۔ بس ایک اورائن ڈی ہنٹ باقی رہ گیا تھا۔ اس کی سرکوبی کے بعد مجھے سکھ چین کا ایک دور نظر آرہا تھا جو اپنے خیرخواہوں کی تحویل میں رہ کر بھی گزارا جاسکتا تھا۔

چند ثانیوں کی خاموشی کے دوران میں نے اپنا وہ تجزیہ مکمل کرکے اول خان سے کہا "مجھے سوچنے کے لیے آج کی مہلت دے دو۔ کل میں تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کردوں گا۔"

"عام طور پر تم فیصلوں میں اتنی دیر نہیں لگاتے۔ پلک جھپکتے میں فیصلہ کرکے' اس پر عمل بھی کر ڈالتے ہو۔ کہیں کوئی بھولا ہوا کام تو یاد نہیں آگیا ہے؟"

"اب تم بھی مجھے دار باتیں کرنے لگے ہو۔ مجھے کون سا کام یاد آسکتا ہے۔"

"تمہارے ساتھ رہ کر میں دھیرے دھیرے بہت کچھ سیکھ رہا ہوں۔ میرا اشارہ اولی کی طرف تھا۔ نئی فہرست میں سے صرف وہی باقی رہ گیا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اسے بھول جاؤ۔"

اس کی صحیح قیاس آرائی پر میں ہنس پڑا "ایک کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟ وہ بھڑکا ہوا نظر آیا تو میں اسے بھول جاؤں گا۔"

"تم اس پر چڑھائی نہیں کرو گے۔" اول خان نے مجھے تنبیہہ کی "زخم خوردہ بھیڑیے خطرناک ہوجاتے ہیں۔"

"میں روپوش آدمی ہوں۔ اس سے فون پر ہی بات کروں گا۔ اس نے کوئی راہ دی تو اس سے مل بیٹھنے کے بارے میں سوچا جائے گا۔"

"بس اس کی طرف سے محتاط رہنا اور یہ یاد رکھنا کہ ان کے چار آدمی تمہارے مشوروں کی بھینٹ چڑھے ہیں۔"

"تم فکر نہ کرو۔" اسے اطمینان دلا کر میں نے فون بند کیا اور ناشتے کی طرف متوجہ ہوگیا۔

چائے ٹھنڈی ہوچکی تھی۔ اسے گرم کرنے کے لیے دوبارہ کچن میں جانا مشکل تھا۔ میں نے جیسے تیسے ناشتا حلق سے اتارا' سی ایس ڈی کو چیک کیا اور اولی کے دفتر کا نمبر ملانے لگا۔ اسے براہِ راست گھر پر فون کرکے میں اسے چوکنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

فون پر وہ خود ہی موجود تھا۔ میری زبان سے ہوپ کا کوڈ سنتے ہی اس کی طرف سے ایک گہری سانس کے بعد آواز آئی "مجھے امید تھی کہ آج تمہارا فون ضرور آئے گا۔ تم نے اخبار دیکھ لیا ہوگا۔ آج ہم سب کے دل رو رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ شہر ہمارے لہو کا کیوں پیاسا ہے!"

"میں تمہارے دکھ میں پوری طرح شریک ہوں۔" میں نے ریاکاری سے کام لیتے ہوئے کہا "یہ واقعہ مدتوں نہیں بھلایا جاسکتا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اتنی تیزی سے کوئی قدم اٹھائیں گے اور ایسی اندوہناک ناکامی سے دوچار ہوں گے۔"

"پورے دفتر کی فضا سوگوار ہے' ہم سب ماتمی لباسوں میں یہاں آئے ہیں اور چوروں کی طرح ایک دوسرے سے یوں نظریں بچا رہے ہیں جیسے ان چاروں کی دلیرانہ موت میں ہمارا ہی ہاتھ ہو۔"

"میں نے اس واقعے پر تعزیت کے لیے فون کیا ہے۔ دونوں کی ہدایت تھی کہ میں جلد از جلد تم سے رابطہ کرلوں تاکہ تم مجھے کوئی کام سونپ سکو۔"

"میں اس شہر کی خون آشام فضا کو اپنے حق میں ڈھالنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے مجھے مخلص اور محنتی آدمیوں کی ضرورت ہے۔ تم شاید ڈینی پر بھی کچھ کام کرنا چاہتے ہو۔"

"بالکل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ انعام میری زندگی بدل کر رکھ دے گا لیکن تم اتنی بے احتیاطی سے اس کا نام مت لو۔ میں کسی کو اپنی سرگرمیوں کی بھنک بھی نہیں دینی چاہتا۔"

"میری بے احتیاطی کا سبب ہے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ تمہارے فون پر کال میں مداخلت کی نشان دہی کرنے والا کوئی حساس آلہ نصب ہے جس کی وجہ سے کوئی غیر متعلقہ آدمی میری اور تمہاری گفتگو کا ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا۔"

"انہوں نے تمہیں سب کچھ ہی بتا دیا تھا۔" میں نے ایک گہرا سانس لیا اور بات جاری رکھی "یہ فون میرا نہیں' میرے دفتر کا ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔ ہر وہ چیز جس پر تم کو تصرف حاصل ہو' وہ تمہاری ہوتی ہے۔"

"میں ایک دو روز میں تم سے رابطہ کروں گا۔ وقت کا مرہم تمہارے دکھ کو ذرا ہلکا کردے گا۔ تم جہاں چاہو گے' میں تم سے ملنے کے لیے پہنچ جاؤں گا۔"

"زندگی اور موت کے دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اپنے غم کے باوجود ہم کسی مرنے والے کے ساتھ مر نہیں جاتے' کاروبارِ زندگی اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ مرنے والوں کے لیے بہترین خراجِ تحسین یہ ہوگا کہ ہم ان کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے تن' من' دھن کی بازی لگادیں۔"

"تم جس طرح چاہو' میں حاضر اور تیار ہوں۔" میں نے... پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"آج کا کام کل پر نہیں ٹالنا چاہیے۔ یہاں دفتر کا ماحول سازگار... نہیں ہے۔ کیا تم کچھ دیر بعد میرے گھر پہنچ سکتے ہو؟" میرے دل کی بات آخر کار اس کی زبان پر آہی گئی۔

"بالکل آسکتا ہوں۔ تمہارا گھر کس علاقے میں ہے؟" میں نے رضامندی ظاہر کرکے پوچھا۔

"کلفٹن میں۔ میں جلد از جلد وہاں پہنچتا ہوں۔ ٹریفک کی وجہ سے دیر سویر ہوسکتی ہے۔ تم ایک گھنٹے بعد وہاں آجاؤ۔" مجھے آمادہ پاکر اس نے فوراً ہی پروگرام طے کردیا۔

اس نے مجھ سے رازداری اور وفاداری کے وعدے لیے'

Downloaded from https://paksociety.com

کلفٹن کی ایک کثیر المنزلہ عمارت میں اپنے فلیٹ کا نمبر بتایا اور فون کردیا۔

مجھے حیرت تھی کہ بھاری جانی نقصان سے دوچار ہونے کے بعد وہ اتنی آسانی سے میرے دام میں آگیا تھا۔ حالات ساز گار ہوتے تو میں ایک گھنٹے بعد اسے اور اس کے کتے کو آسانی سے ٹھکانے لگا سکتا تھا۔

اول خان میری ہر کار گزاری سے واقف تھا۔ میں نے فون کرکے اسے اپنی نئی کامیابی کی اطلاع دی تو وہ مجھے مبارک باد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

"میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ آدمی کے ستارے ساتھ دے رہے ہوں تو دشمن کی عقل پر پردے پڑجاتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "تم میرے لیے دعا کرتے رہنا۔"

اول خان نے پُرتپاک لہجے میں میرے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ وہ بھی اپنے ذرائع سے اوبی کے فلیٹ کا پتا حاصل کرچکا تھا جو میرے بتائے ہوئے پتے کے عین مطابق تھا۔

اول خان سے گفتگو ختم کرکے میں نے اس سلسلے کی آخری مہم پر روانگی کی تیاریاں شروع کردیں۔ اس سے نمٹنے کے بعد میں خود کو کسی کی بھی حفاظتی تحویل میں دینے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

میں ساڑھے دس سے ذرا پہلے ہی اوبرائن ڈی سینٹ کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا۔ بلند احاطے میں گھری ہوئی وہ بلند عمارت خاصی پُرشکوہ تھی۔ وقت سے پہلے اس کے دروازے پر دستک دینی مناسب نہیں تھی۔ میں نے چند منٹ وہیں ٹہل کر ایک سگریٹ پھونکنے میں گزارے۔ میں نے محسوس کیا کہ اس دوران میں میرے خون کا دباؤ وفورِ جوش سے بڑھتا جارہا تھا۔

عمارتوں کے تیزی سے ابھرتے ہوئے جنگل میں وہ اس منصوبے کی اکلوتی عمارت تھی۔ چوکی دار نے مہذب انداز میں مجھے روک کر میرے میزبان کا اور میرا نام پوچھا' انٹر کام پر کسی سے گفتگو کی اور لمحہ بھر میں مجھے لفٹ کی طرف جانے کی اجازت دے دی۔

جدید اور تیز رفتار لفٹ نے مختصر سے زناٹے کے ساتھ مجھے آٹھویں منزل پر پہنچا دیا۔ لفٹ سے نکلتے ہی ایک دروازے پر پیتل کے بڑے ہندسوں میں اوبی کا بتایا ہوا نمبر چمک رہا تھا۔

میں لفٹ سے نکل کر لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکا۔ میری رسٹ واچ میں ساڑھے دس بج رہے تھے۔ میں نے بڑھ کر ڈور بیل کا بٹن دبا دیا۔ وہ شاید انٹر کام پر اطلاع مل جانے کی وجہ سے دروازے کے قریب میرا منتظر تھا۔ دروازہ فوراً کھل گیا۔ سامنے آتے ہی اس نے اپنا تعارف کرا دیا تھا۔

کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ سے نمودار ہونے والے معنک چہرے کے ہر خدوخال سے ایسی عیاری اور مکاری ٹپک رہی تھی کہ میرا دل بجھ گیا۔

اس کی پُرفریب' معصومانہ آواز سن کر میں نے اپنے ذہن میں اس کی جو بھولی بھالی تصویر بنائی تھی' وہ اس سے بالکل مختلف اور خرانٹ نظر آرہا تھا۔

اس نے مجھ سے پُرتپاک انداز میں ہاتھ ملایا اور دروازے سے اندر لے گیا۔ وہاں ایک قالین پر قد آور سیاہ کتا اپنی لمبی سی تھوتھنی اگلی ٹانگوں پر رکھے' آنکھیں موند کر سستا رہا تھا۔ ہماری آوازوں پر اس نے ناگواری سے آنکھیں نیم وا کرکے ہماری طرف دیکھا اور پھر اتنا غفیل ہوگیا۔

کتا تربیت یافتہ تھا۔ میں کسی خوف کے بغیر اس کے قریب سے گزر کر ڈرائنگ روم میں داخل ہونے لگا تھا کہ اچانک کہیں ایک بزر بول پڑا۔

اوبرائن بھڑک کر مجھ سے دور ہوگیا اور اشتباہ آمیز نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے بولا "کیا تم اپنے ساتھ کوئی ہتھیار لے کر آئے ہو؟"

"ہاں۔" میں نے گلے میں اٹکی ہوئی کوئی شے نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے پھیکی ہنسی کے ساتھ کہا "یہ ہر وقت میرے ساتھ رہتا ہے۔ شاید تم نے ڈرائنگ روم کے دروازے کی چوکھٹ میں کوئی ڈی ٹیکٹر لگوایا ہوا ہے؟"

"مجبوری ہے۔" وہ خشک لہجے میں بولا "ہر شخص خون کا پیاسا ہورہا ہو تو احتیاط کرنی ہی پڑتی ہے۔"

میں نے ریوالور نکالنے کے ارادے سے اپنا ہاتھ جیب کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ ڈرائنگ روم کے ایک دبیز پردے کے پیچھے چھپے ہوئے اندرونی دروازے سے ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس ایک دیوپیکر شخص نمودار ہوکر غرایا "ہوشیاری مت دکھانا۔ دونوں ہاتھ اٹھالو۔ میں خود تمہاری جامہ تلاشی لوں گا۔"

میرا جیب کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ خود بخود رک گیا کیونکہ اندر سے نمودار ہونے والے کے دائیں ہاتھ میں بڑے بور کا ریوالور دبا ہوا تھا جس کی نال پر سائلنسر چڑھا ہوا تھا۔

نقشہ اچانک پلٹ گیا تھا۔ میں ایک چوہے دان میں آپھنسا تھا۔ میرے بدن کے مسامات سے ہلکا ہلکا پسینہ پھوٹ پڑا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

ائیں ماہ ہرخط میں ایک ہی سوال تھا۔ "موت کے سوداگر مختصر کیوں تھی؟" وجہ اس کی یہ تھی کہ موت کے سوداگر کے مصنف اقلیم علیم اپنی بیٹی کی شادی کے انتظامات میں مصروف رہے چنانچہ قسط مختصر چھاپنی پڑی۔ امید ہے اس ماہ مکمل قسط ملاحظہ کرکے آپ کی شکایت دور ہوگئی ہوگی۔

Downloaded from https://paksociety.com

بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں وہ لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کمنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو بچا لے گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کردیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورتِ حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کمنول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت کردی۔ اول خان کے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کامیاب منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کمنول کو اس کے پشت پناہ چوہدری سلام کے گھر سے اغوا کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچا دیا۔ کمنول کے سلسلے میں اچانک حالات ہمارے موافق ہوگئے۔ کالو کمرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنا دیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کمنول کا پشت پناہ چوہدری سلام ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے فون کرکے بتایا کہ کالو کمرانی کو نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں ماردیں۔ خوش قسمتی سے کالو کمرانی صرف زخمی ہوا تھا۔ امریکیوں نے کمنول کی گمشدگی پر خاصا واویلا کیا اور کالو کمرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ کمنول کو دوبارہ اسلام آباد بلا لیا گیا۔ میں نے انٹرو گیشن سیل میں اس سے کڑی باز پرس کی جس کے نتیجے میں اس نے سنسنی خیز انکشافات کیے۔ کمنول کے آقاؤں نے اس کی رہائی کے لیے دباؤ ڈالنے کے لیے کراچی میں بم دھماکا کیا تو میں فوراً کراچی پہنچ گیا۔ اول خان نے بتایا کہ کمنول کی کراچی منتقلی کا بندوبست ہوچکا ہے۔ وہ اقبالی بیان دینے کے لیے تیار ہے۔ اپنے خلاف امریکیوں کے بڑے آپریشن کے پیشِ نظر میں نے غزالہ کو پٹارہ بھیج دیا اور خود بھی جاگیر کا گھر چھوڑ دیا۔ اب میرا ٹھکانا نادرہ کا ویران مکان تھا۔ یہاں میں نے امریکی ایجنٹوں سے رابطہ کرکے کمنول کے متعلق مخبری کردی۔ اس کا نتیجہ میرے حسبِ منشا نکلا اور کمنول امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اولبی تھا۔ میں اس کے گھر پہنچا تو نقشہ اچانک پلٹ گیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

اوبرائن ڈی ہنٹ سے وہ ملاقات ہونے سے پہلے میں کامیابی کی فضاؤں میں کسی شہباز کی طرح اونچی پرواز کررہا تھا۔ اس کے فلیٹ میں داخل ہوتے ہی حالات نے اتنی تیزی سے رخ پلٹا کہ میرے اوسان چند لمحوں کے لیے خطا ہوگئے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے آسمان کی بلندیوں پر اُڑنے والا شہباز اپنے طاقت ور پروں کے یکایک مفلوج ہوجانے کی بنا پر کسی ٹھوس اور وزنی لوتھڑے کی طرح زمین سے ٹکرا کر بے نشان چیتھڑوں میں بدل گیا ہو۔

میرے بدن کے مسامات سے پھوٹنے والے ہلکے ہلکے پسینے نے ان چند لمحوں میں میری جلد پر رینگتی ہوئی لکیروں کی صورت اختیار کرلی۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میری ٹانگوں میں سے یکایک آدھی جان نکل گئی ہو اور میں زیادہ دیر تک اپنے قدموں پر کھڑا نہیں رہ سکوں گا۔

اندرونی دیبز پردے کے پیچھے سے برآمد ہونے والا دیو پیکر شخص ہر اعتبار سے خطرناک نظر آرہا تھا۔ سب سے پہلی بات یہ تھی کہ اس کے ہاتھ میں بڑے بور کا ایک مہیب ریوالور تھا جس کے چیمبر میں کئی عدد زندہ گولیاں موجود رہی ہوں گی۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ مکارانہ خدوخال والا ویسا ہی روایتی سیاہ فام تھا جنہیں امریکا میں کوئی بھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔

اوبرائن ڈی ہنٹ خود سفید فام تھا مگر اس نے اپنے فلیٹ میں اپنے تحفظ کے لیے ایک سیاہ فام انسان اور دوسرے سیاہ رنگ کے قد آور کتے کا انتخاب کیا تھا۔ اپنے آقا کی بے آرامی بھانپ کر وہ دونوں ہی کالے بہت مستعد اور چوکنے نظر آنے لگے تھے۔ اوبرائن کی آواز میں تشویش کی پہلی علامت نمودار ہوتے ہی قالین پر اونگھتے ہوئے کتے کی نیند ایک دم کافور ہوگئی تھی۔ اس نے آگے پھیلے ہوئے پیروں پر سے اپنی تھوتھنی اٹھالی اور اپنے لٹکے ہوئے لمبے کان ہلا ہلا کر ناراض نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

اوبرائن کے فلیٹ میں داخل ہونے کے بعد میرے ساتھ جو صورتِ حال رونما ہوئی وہ بالکل ہی غیر متوقع تھی اس لیے اضطراری ذہنی جھٹکا میرے اعتماد سے چھلکتے ہوئے قدموں کو لڑکھڑا گیا۔ مجھے یہ خوبی اندازہ تھا کہ میں اس وقت شیر کی کچھار میں اس کے روبرو موجود تھا۔ میری ذرا سی لغزش میرے لیے مکمل تباہی کا سامان بن سکتی تھی۔

میرا جیب کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ رک چکا تھا مگر میں نے پردے کے پیچھے سے برآمد ہونے والے کالے دیو کے حکم کی تعمیل میں اپنے ہاتھ بلند نہیں کیے تھے۔ ابتدائی ذہنی صدمے سے سنبھالا لیتے ہوئے میں نے اولبی کی طرف گھوم کر خفگی سے کہا "یہ کیا مذاق ہے اولبی؟ اپنے گھر میں میری تذلیل کرنے کے بجائے تم نے دروازے ہی پر سوال کرلیا ہوتا تو میں تمہیں بتا دیتا کہ میرے پاس ریوالور موجود ہے۔"

"بحث مت کرو اور اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" اولبی نے سفاکانہ لاتعلقی سے کہا "بلیکی بے خطا نشانے باز ہے۔ تم نے ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو وہ تمہیں عمر بھر کے لیے معذور کردے گا۔"

میرے دونوں ہاتھ میرے جسم سے دور فضا میں غیر فطری انداز میں جھول رہے تھے۔ مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ پچھلے روز کھٹول کے واقعے میں ایڈی اور جان کے ساتھ اپنے دو کمانڈوز گنوانے کے بعد وہ کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں تھے۔ میں نے ایک تلخ ہنکارے کے ساتھ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔

بالم اور جانی کے ناکام شبِ خون کے بعد میں نے جب سے اپنا گھر چھوڑا تھا' بیم گن میری ہی تحویل میں رہی تھی کیونکہ میں میدان میں اپنے حریفوں سے مقابلہ کررہا تھا جب کہ ویرا' اول خان کے گھر میں پناہ گزین تھی اس کے لیے بیم گن جیسے خاموش اور تباہ کن ہتھیار کی زیادہ افادیت نہیں تھی۔ میں نے اپنی کمین گاہ سے اولبی کی طرف روانہ ہوتے ہوئے' پہلے بیم گن ہی اپنے ساتھ لی تھی لیکن آخری لمحات پر میں نے اپنا ارادہ بدل کر بیم گن کی جگہ ریوالور اپنے ساتھ لے لیا تھا۔

میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ دھندلا سا امکان اس وقت بھی موجود تھا کہ اگر کسی مرحلے پر مقدر کی خرابی سے کھیل بگڑ گیا اور مجھے مقابلے پر مجبور ہونا پڑا تو میں اولبی کو بیم گن سے نہیں بلکہ ریوالور سے ہلاک کروں گا۔ اس طرح میرا جیب کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ اچانک ہی رک گیا تھا۔ میں نے اولبی کی طرف گھوم کر خفگی سے کہا "یہ کیا مذاق ہے اولبی؟ اپنے گھر میں میری تذلیل کرنے کے بجائے تم نے دروازے ہی پر سوال کرلیا ہوتا تو میں تمہیں بتا دیتا کہ میرے پاس ریوالور موجود ہے۔"

"بحث مت کرو اور اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" اولبی نے سفاکانہ لاتعلقی سے کہا "بلیکی بے خطا نشانے باز ہے۔ تم نے ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو وہ تمہیں عمر بھر کے لیے معذور کردے گا۔"

میرے دونوں ہاتھ میرے جسم سے دور فضا میں غیر فطری انداز میں جھول رہے تھے۔ مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ پچھلے روز کھٹول کے واقعے میں ایڈی اور جان کے ساتھ اپنے دو کمانڈوز گنوانے کے بعد وہ کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں تھے۔ میں نے ایک تلخ ہنکارے کے ساتھ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔

بالم اور جانی کے ناکام شبِ خون کے بعد میں نے جب سے اپنا گھر چھوڑا تھا' بیم گن میری ہی تحویل میں رہی تھی کیونکہ میں میدان میں اپنے حریفوں سے مقابلہ کررہا تھا جب کہ ویرا' اول خان کے گھر میں پناہ گزین تھی اس کے لیے بیم گن جیسے خاموش اور تباہ کن ہتھیار کی زیادہ افادیت نہیں تھی۔ میں نے اپنی کمین گاہ سے اولبی کی طرف روانہ ہوتے ہوئے' پہلے بیم گن ہی اپنے ساتھ لی تھی لیکن آخری لمحات پر میں نے اپنا ارادہ بدل کر بیم گن کی جگہ ریوالور اپنے ساتھ لے لیا تھا۔

میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ دھندلا سا امکان اس وقت بھی موجود تھا کہ اگر کسی مرحلے پر مقدر کی خرابی سے کھیل بگڑ گیا اور مجھے مقابلے پر مجبور ہونا پڑا تو میں اولبی کو بیم گن سے نہیں بلکہ ریوالور سے ہلاک کروں گا۔ اس طرح میرا جیب کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ اچانک ہی رک گیا تھا۔ میں نے اولبی کی طرف گھوم کر خفگی سے کہا "یہ کیا مذاق ہے اولبی؟ اپنے گھر میں میری تذلیل کرنے کے بجائے تم نے دروازے ہی پر سوال کرلیا ہوتا تو میں تمہیں بتا دیتا کہ میرے پاس ریوالور موجود ہے۔"

"بحث مت کرو اور اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" اولبی نے سفاکانہ لاتعلقی سے کہا "بلیکی بے خطا نشانے باز ہے۔ تم نے ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو وہ تمہیں عمر بھر کے لیے معذور کردے گا۔"

میرے دونوں ہاتھ میرے جسم سے دور فضا میں غیر فطری انداز میں جھول رہے تھے۔ مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ پچھلے روز کھٹول کے واقعے میں ایڈی اور جان کے ساتھ اپنے دو کمانڈوز گنوانے کے بعد وہ کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں تھے۔ میں نے ایک تلخ ہنکارے کے ساتھ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔

Downloaded from https://paksociety.com

ہتھیار برآمد ہوتے ہی وہ اندازہ لگالیتا کہ میں کوئی خود غرض اور مفاد پرست سرکاری ملازم نہیں بلکہ ڈینی یا اس کا کوئی قریبی ساتھی ہوں۔

اس وقت تک امریکیوں کے پاس میری کوئی واضح شناخت نہیں تھی۔ اپنے متعدد مُردوں کی جانچ پڑتال کے بعد وہ اتنا ضرور جانتے تھے کہ میں ایک عدد بیم گن پر قابض ہوں اور جب بھی مجھ پر کوئی براوقت آتا ہے تو میں بے رحمی سے اسے استعمال کرگزرتا ہوں۔

ان کے لیے بیم گن میری شناخت کی واحد علامت تھی۔ اگر اوبی کے فلیٹ میں اس وقت میرے پاس بیم گن موجود ہوتی تو شاید میری کہانی اسی لمحے ختم ہوگئی ہوتی اور میں اپنی داستان دنیا کو سنائے بغیر اجل کی خاموش اور سنسناتی ہوئی وادیوں میں پہنچ چکا ہوتا۔

بلیکی کی عرفیت سے متعارف کرائے گئے سیاہ فام نے براہِ راست میرے جیکٹ کی داہنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اعشاریہ دو دو کا بھرا ہوا ریوالور نکال لیا۔

"اچھا کھلونا ہے۔" بلیکی نے میرے ریوالور کا جائزہ لیتے ہوئے استہزائیہ انداز میں کہا اور پھر شاید اوبرائن کو مطلع کیا "چیمبر میں پوری گولیاں موجود ہیں مگر سیفٹی کیچ چڑھا ہوا ہے۔"

"یہ میری نیک نیتی کا ثبوت ہے۔" میں نے بلیکی کے مشاہدے سے فائدہ اٹھا کر کہا۔

اوبی نے میری بات سنی ان سنی کرکے بلیکی سے کہا "واپس لوٹنے سے پہلے مہمان کی اچھی طرح جامہ تلاشی لے لو۔"

امریکا میں، میں نے بہت سے مہذب اور تعلیم یافتہ کالے بھی دیکھے جن کی شائستگی اور خوش مزاجی کے سامنے گورے بھی شرماتے تھے مگر یہ ایک افسوسناک حقیقت تھی کہ ان کی اکثریت اجڈ، تند خو اور جھگڑالو تھی۔ بلیکی کا تعلق امریکی سیاہ فاموں کے دوسرے قبیلے سے تھا۔ اس نے نہایت توہین آمیز انداز میں میری مکمل جامہ تلاشی لی اور میرے جسم سے دھات کے ہر بھاری شے الگ کرنے کے بعد مجھے باہر جاکر دوبارہ ڈرائنگ روم میں آنے کو کہا۔

اس دوران میں ناراض کتا بھی کسل مندی کو خیرباد کہہ کر اپنے قدموں پر کھڑا ہوچکا تھا اور کسی بھی غیر متوقع صورتِ حال میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار تھا۔

بلیکی نے تلاشی کے دوران میں میرے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس پر میرا خون کھول اٹھا لیکن اس کمرے میں موجود تین چاق وچوبند جان داروں کے سامنے میں مجبور تھا۔ میں بلیکی کو خشمگیں نظروں سے گھور کر واپس ہولیا۔

اس کے حکم کی تعمیل میں مجھے باہر جانے اور اندر آنے کے دوران دو مرتبہ دروازے سے گزرنا پڑا اور دونوں بار خفیہ ڈی ٹیکٹر سے مسلک بزر میں کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی۔

میری طرف سے مطمئن ہوکر بلیکی نے اوبی کے حکم کی تعمیل کی۔

پیچھے غائب ہوگیا جس کی اوٹ سے وہ برآمد ہوا تھا۔ میرا ریوالور وہ اوبی کو دے چکا تھا۔

"شیری! گو اِن سائڈ۔" اوبی نے کوئی اشارہ کیے بغیر حکم صادر کیا۔

مجھے شیری کے نام سے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اوبی نے کتا نہیں کتیا پالی ہوئی تھی۔ نیویارک میں تجرد کی زندگی گزارنے والا جارج شلز نامی داؤدی ستارہ بھی ایک کتیا کا مالک تھا اور تنہائی میں اس سے یوں باتیں کرتا تھا جیسے وہ اس کی ہربات سمجھتی ہو۔

اوبی کی زبان سے فقرہ ادا ہوتے ہی شیری نامی صحت مند کتیا نے سر جھکا کر محبت بھرے انداز میں دم ہلائی پھر وہ بھی اس پردے کے پیچھے غائب ہوگئی جس نے بلیکی کو میری نظروں سے اوجھل کردیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں، میں اوبی کے ساتھ کھڑا رہ گیا۔

کتوں کی تربیت کے بارے میں، میں نے بہت کچھ سنا اور دیکھا تھا۔ جارج شلز اور اس کی لاڈلی کتیا کی باتیں میں نے خفیہ لاسلکی آلے پر سنی تھیں مگر تازہ ترین مشاہدہ بہت حیران کن تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے شیری اور اوبی ہم زبان رہے ہوں۔ شیری اپنے مالک کی ہدایت کو سمجھتی تھی۔ شاید اوبی بھی اسی طرح شیری کی آوازوں سے اس کی ضروریات اور مطالبات کا اندازہ لگالیتا ہوگا۔

اوبرائن ڈی ہنٹ میرے مقابل آکھڑا ہوا۔ اس کی چبھتی ہوئی تیز نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ ان نگاہوں میں شکوک وشبہات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔

"گھر بلا کر بے عزتی کرلینے کے بعد بھی تم مطمئن نہیں ہو؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"میرے سینے پر چار دوستوں کی جانوں کا گھاؤ تازہ ہے۔" وہ پلکیں جھپکائے بغیر بولا "اس واردات میں تم نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ خلش میرے دل سے مٹائے نہیں مٹتی۔"

"میرا کوئی کردار نہیں تھا۔" میں نے پُرزور لہجے میں احتجاج کیا۔ "میں نے غلطی کی جو جان اور ایڈی سے رابطہ کرکے انہیں کھٹمول کے بارے میں آگاہ کیا۔ انہوں نے مجھے اپنے ارادوں کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔ عُجلت کے بعض اقدام ایسی ہی بھینٹ لیتے ہیں۔"

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے سرد اور جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔

"شکریہ۔" میں نے کسی تلخی کے بغیر کہا۔ مجھے اچانک ہی یاد آگیا تھا کہ اس کے سامنے مجھے ایک ایسے خود غرض سرکاری افسر کا کردار ادا کرنا تھا جو اپنے اہلِ خانہ کے لیے ہر قیمت پر امریکا کی شہریت یعنی گرین کارڈ حاصل کرنے کے لیے مرا جارہا تھا۔

"کھٹمول مرگیا یا مار ڈالا گیا۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "ہمارے لیے اب وہ ایک بھولا بسرا نام ہے۔ مجھے تشویش ہے کہ اس کے ساتھی [illegible] سے بھی بدتر آدمی مارے

Downloaded from https://paksociety.com

گئے۔ یہ بات ہر شک و شبے سے بالا ہے کہ جان کو تم نے ہی اس مہم پر اکسایا تھا۔"

میں بے اعتباری پر ہنس پڑا "تم جیسے تجربے کار ڈپلومیٹ کی زبان سے یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ کیا جان اور ایڈی اتنے ہی بے وقوف تھے کہ ایک ایسے اجنبی کی باتوں میں آگئے جس سے وہ بالکل ناواقف تھے؟ ان کے اپنے کوئی ذرائع نہیں تھے؟"

"میں نے انہیں بے وقوف نہیں کہا۔" اس نے تنک کر تیزی سے کہا "یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ جس سمت میں کام کر رہے تھے، تم نے انہیں اسی سمت میں گمراہ کیا ہو۔"

اس کی تصحیح پر میں بے اختیار گہرا سانس لے کر بولا "تم نے جس تیزی سے اپنے موقف کی تائید کی ہے، اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ ہماری گفتگو کہیں ریکارڈ ہو رہی ہے۔"

"تم واقعی بہت چالاک ہو۔" میرے غیر ارادی تبصرے پر اس کا منہ بن گیا "اب دیکھنا پڑے گا کہ تمہاری حقیقت کیا ہے۔"

"میں جان اور ایڈی کو بتا چکا تھا۔ میرا تعلق ایک ایجنسی سے ہے۔" میں نے اپنی لغزش پر دل ہی دل میں افسوس کرتے ہوئے پورے اعتماد سے کہا۔

"یہ بات بھی شکوک میں اضافہ کرتی ہے۔ ایجنسیوں کے کھیل نیارے ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تم نے ان دونوں کو ڈبل کراس کیا ہو....."

"اوہی! تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر سخت لہجے میں کہا "اگر تمہیں میری نیت پر اس حد تک شبہ ہے تو ہماری یہ ملاقات بے سود رہے گی۔"

اوہی کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر سفاکانہ مسکراہٹ تیر گئی۔ "یہ ملاقات نہیں، تمہاری آزمائش ہے، ہوپ! میں تمہارا درشن کرنا چاہتا تھا۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر تمہیں اپنے گھر بلایا ہے۔ آرام سے بیٹھے رہو اور مجھے اپنے بارے میں بتاؤ ورنہ تم زحمت میں پڑ سکتے ہو۔"

"کیا تم یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ میں تمہارا مہمان نہیں، قیدی ہوں؟"

"میں نے ابھی کچھ نہیں بتایا۔ اپنا تعارف کراؤ پھر میں کوئی فیصلہ کروں گا۔"

"میں یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا۔" میں برہمی سے اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا "میں گرین کارڈ کے لیے اتنی قربانیاں نہیں دے سکتا۔"

"سرکاری افسر کسی دفتر میں ہو یا خفیہ ایجنسی میں، اندر سے پکا بیوروکریٹ ہوتا ہے۔" وہ طنز سے بولا "بھڑکنے کی ضرورت نہیں، آرام سے بیٹھ جاؤ۔"

"نہیں اوہی، اب مجھے گرین کارڈ نہیں چاہیے۔ میں چلوں گا۔" میں نے بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ کہا "میرا ریوالور مجھے دے دو، چاہو تو گولیاں نکال لو۔"

"اب مسئلہ تمہاری خواہشات کا نہیں، میری ضروریات کا ہے۔" وہ کھل کر سامنے آگیا "تم کسی بھی درجے کے افسر ہو، کسی نہ کسی کو جواب دہ ضرور ہو گے۔ تمہارے اوپر والوں کو یہ بات پسند نہیں آئے گی کہ تم نے اپنے دفتری ذرائع سے ملنے والی خفیہ معلومات جان اور ایڈی کو فراہم کی تھیں۔"

"تو اب تم مجھے بلیک میل کرو گے؟" میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

"یہ بلیک میل نہیں، اس وقت کی حقیقی پوزیشن ہے۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بتایا "تم اپنے آپ کو شانت رکھو ہو۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔"

میں نے اس پر یوں ظاہر کیا جیسے اس کی باتوں سے مجھے صدمہ پہنچا ہو پھر دھیرے دھیرے بڑے صوفے کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ "تم نے میرے اعتبار کو مجروح کیا ہے۔"

"اجنبیوں پر اعتبار کرنا صرف اور صرف خود فریبی کے زمرے میں آتا ہے۔" وہ بولا "جان اور ایڈی نے تم پر اعتماد کیا اور لمحہ بھر میں اپنی جانیں کھو بیٹھے۔ اپنے ساتھ دو آدمی اور بھی لے گئے۔ تم نے تو ابھی کوئی قیمت ہی ادا نہیں کی۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں نے سہمی ہوئی اور پُر تشویش آواز میں سوال کیا۔

"اپنے اور اپنی ایجنسی کے بارے میں بتاؤ تاکہ میں اس کی تصدیق کر سکوں۔"

"یہ امور قومی رازوں کی تعریف میں آتے ہیں۔ میں نے جان کو بتا دیا تھا کہ یہ باتیں مناسب وقت پر ہی سامنے آسکیں گی۔ فی الحال اس موضوع پر بات نہیں ہو سکتی۔"

"تم ان کے سامنے نہیں تھے، فون پر رابطہ ہوا تھا۔ وہ تمہاری بات ماننے پر مجبور تھے۔ میرے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔ تم میرے گھر میں، میرے سامنے موجود ہو۔"

میں نے اس کے ذو معنی فقروں میں پوشیدہ دھمکی کو نظر انداز کرتے ہوئے سختی سے کہا "نہیں..... میں اس بارے میں اپنی زبان نہیں کھول سکتا۔ تمہیں میری مجبوریوں کو سمجھنا چاہیے۔ جب تک میں اس ملک میں برسرِ ملازمت ہوں، میری کچھ مجبوریاں ہیں۔"

"لوگوں کی مجبوریوں کا سراغ لگانا اور پھر ان سے باہمی فائدے کی کوئی راہ نکالنا ہی میرے منصب کی سب سے بڑی ذمے داری ہے۔"

"گھومل نے اپنی گردن تمہارے ہاتھ میں دی ہوئی تھی۔ اس کا عبرت ناک انجام میرے سامنے ہے۔ میں خود کو اس جیسے....."

میری بات ادھوری رہ گئی۔

وہ مشتعل ہو کر کہہ رہا تھا "اب میرے سامنے اس نمک حرام کا نام بھی نہ لینا۔ ہم نے اسے فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچایا۔ وہ بھی ہمارے لیے کام کرتا رہا لیکن آخر میں اس نے میری نشان دہی

Downloaded from https://paksociety.com

کرکے بنیادی حلف سے غداری کی اور جہنم واصل ہوگیا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا "مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دو۔"

"ملاقات سے پہلے تمہیں وقت مل چکا۔ اب صرف تعارف کراؤ۔ میرا سرکاری عہدہ اور موجودہ کام تمہارے سامنے ہیں۔ تم اپنے اور ڈینی کے بارے میں بتاؤ۔"

اس کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی چمک سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈینی اس کا سب سے بڑا سوال تھا۔ میں نے اسے بتایا "ڈینی پر کام ہو رہا ہے۔ اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری کے خفیہ احکام جاری ہو چکے ہیں۔ میں بھی دو ملین ڈالر کے انعام کی فکر میں ہوں۔ کوئی بھی سرا میرے ہاتھ آیا تو میں وہ تمہیں تھما دوں گا۔ تم خود اس سے نمٹ لینا۔"

"تم..... تمہارا نام..... تمہاری ایجنسی!" اس نے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے استفسار کیا۔

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ مجھے مجبور مت کرو۔ تھوڑا سا وقت دے دو۔" میں نے التجا کی۔

"غوں۔" اس کے حلق سے غراہٹ سی برآمد ہوئی پھر وہ بولنے لگا "اس فلیٹ میں تم شیری کو دیکھ ہی چکے ہو۔ میری مرضی کے بغیر یہ کتیا تم کو باہر نہیں جانے دے گی۔ اپنے تیز دانتوں سے تمہارے پورے بدن کو بھنبھوڑ کر رکھ دے گے۔ دوسرا بلیکی ہے جو اپنی مرضی کا نشانہ لے کر ہر حریف کو موت کی نیند سلا سکتا ہے اور تیسرا ایک الیکٹرولائزر ہے۔ تم جانتے ہو اس کے بارے میں؟"

میرے لیے وہ لفظ نیا نہیں تھا۔ برقی رو کے ذریعے کسی بھی مرکب محلول کو اس کے اجزا میں تحلیل کرنے والے ہر آلے کو الیکٹرولائزر کہا جاسکتا ہے۔ اس کے پورے نام کا انحصار اس کے استعمال پر ہو سکتا ہے۔ میں نے سوچنے کی اداکاری کرنے کے بعد مایوسی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ ایک چھوٹا سا بلڈ الیکٹرولائزر ہے۔ بجلی کا جھٹکا لگنے سے لوگوں کے مرجانے کی خبریں پاکستان میں عام ہیں۔" وہ مجھے بتانے لگا۔ "میرا الیکٹرولائزر بہت بے ضرر ہے۔ اس میں بہت کم طاقت والی برقی رو استعمال ہوتی ہے۔ اس کے دو الیکٹروڈ میڈیکل ڈرپ کی سوئی کی طرح تمہاری شریانوں یا وریدوں میں اتارے جائیں گے تو یہ مشین تمہارے خون میں شامل پانی کو آکسیجن اور ہائیڈروجن میں تبدیل کرکے خون سکھانا شروع کردے گی۔ رفتہ رفتہ تمہارے اعصاب اینٹھنے لگیں گے، بصارت دھندلا جائے گی، زبان ساتھ نہیں دے گی۔ گیسوں کے دباؤ سے رگیں پھٹتی ہوئی محسوس ہوں گی۔ اس دوران تم کو غور کرنے کی پوری فرصت میسر ہوگی۔ تم نے دو گھنٹے کے اندر اندر کوئی مثبت فیصلہ نہ کیا تو یہ عمل تمہیں موت کی دہلیز میں اتار دے گا۔ مشین پر سرخ بلب جلنے تک تم نے فیصلہ نہ کیا تو میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کرسکوں گا۔ فوکل عمل بروقت نہ روکا جائے تو سولی سے زیادہ بھیانک ثابت ہوتا ہے؟"

"تم مجھے قتل اور تشدد کی دھمکیاں دے رہے ہو؟" میں نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے سوال کیا "گھر بلائے ہوئے مہمان سے ایسے سلوک پر تمہیں ندامت نہیں ہوگی؟"

"مہمان جانا بوجھا نہ ہو تو اپنا تعارف کراتا ہے۔" اس کی آواز سے سفاکی کی جھلک آرہی تھی۔ "ان جانے مہمان بلائے جان ثابت ہوتے ہیں۔ ان سے بچنا چاہیے۔"

"میرے قتل کے الزام میں تم یہاں سے نکالے بھی جاسکتے ہو۔ میں نے سنا ہے کہ یہاں کے نیٹ ورک کے لیے تم بہت اہم بلکہ ناگزیر ہو۔"

"تمہاری موت کو قتل نہیں، حادثہ قرار دیا جائے گا۔ الیکٹرولائزر کے ذریعے مرنے والے کی حالت وہی ہوتی ہے جو برقی جھٹکے سے مرنے والوں کی ہوا کرتی ہے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی الیکٹرک شاک کی کہانی سناتی ہے۔ یہ ہمارا ایک جدید طریقہ ہے۔"

میں اندر ہی اندر سے لرز کر رہ گیا "کیا یہ درندگی نہیں ہے؟"

"پاکستان میں شاید ہر شخص ہمارے خون کا پیاسا ہے۔ ایسے درندوں کو ان ہی کی زبان میں سمجھایا جاسکتا ہے۔ ان پر نصیحت، تلقین اور اصولوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"میں بھی پاکستانی ہوں۔ میرے سامنے تم یہ سب کہہ رہے ہو۔"

"تم نے مجبور کردیا ہے، ویسے بھی اب تم پاکستانی ہو نہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حفیظ شاکر ہومیو کلینک

ڈاکٹر آصفہ شاکر ◆ ڈاکٹر زرگس معصل

تعطیل بروز ——— جمعۃ المبارک

ہر ہفتہ سرشل امراض جلدی و خون کے امراض کے ماہر کراچی

اوقاتِ ملاقات: صبح ۱۱ تا ۲ بجے

گلشن اقبال بلاک ۷

۶/۱ سفاری ویو بلاک ۷ نزد مین گیٹ سفاری پارک گلشن اقبال کراچی

اوقاتِ ملاقات: شام ۷ تا ۹ بجے رات

ہر ہفتہ آل انڈیا میڈیسن

مزید معلومات کیلئے فون: 4966698

Downloaded from https://paksociety.com

امریکی۔" وہ بولا۔

"میری قومیت کے بارے میں تم نے یہ فیصلہ کیسے کرلیا؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"گرین کارڈ حاصل کرنے کے آرزو مند ہو' اس لیے پاکستان سے اپنی وابستگی ختم کرچکے ہو۔ گرین کارڈ نہیں ملا اس وجہ سے ابھی امریکی بھی نہیں ہو..... جلد فیصلہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ ان بے سروپا باتوں میں زیادہ وقت برباد نہیں کرسکتا۔"

اسے اندازہ ہوگیا کہ میں گفتگو کو طول دے کر وقت حاصل کررہا تھا۔

حقیقت بھی یہی تھی کہ بظاہر اس سے گفتگو میں مصروف ہونے کے باوجود میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کررہا تھا۔ میرے لیے اس کا رویّہ قابلِ فہم تھا۔ وہ اپنی دانست میں مجھے ڈرا دھمکا کر اپنی راہ پر لانے کی کوششیں کررہا تھا۔ اگر میں کسی مزاحمت کے بغیر اس کے مطالبات کو تسلیم کرلیتا تو اس کے شکوک و شبہات ختم ہونے کے بجائے مزید گہرے ہوسکتے تھے۔

اس بحث اور مزاحمت کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے ہتھیار میری نظروں میں آگئے تھے۔ کسی انسان کے جسم میں خون کو بہت دھیرے دھیرے خشک کرکے مارنے کا حیوانی تصور بہت وحشت ناک تھا مگر وہ بڑی ڈھٹائی سے اس کا اعتراف کرچکا تھا۔

اس کے فلیٹ میں بظاہر سنگین صورتِ حال سے دوچار ہونے کے باوجود مجھے یہ اطمینان تھا کہ اول خان میری وہاں آمد کے پروگرام سے باخبر تھا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ اس کے دو چار آدمیوں نے میرے پہنچنے سے پہلے ان اطراف میں منڈلانا شروع کردیا ہو اور اس وقت میری واپسی کا انتظار کررہے ہوں۔ وہ کسی ناگہانی پوزیشن میں میرے مددگار ثابت ہوسکتے تھے۔

"اگر مجھے تمہارے ارادوں کا علم ہوتا تو میں بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرتا۔" میں نے اس کے جواب میں افسردگی سے کہا "تم مجھ جیسے اجنبی پر اعتماد کرکے دھوکا کھانے کے لیے تیار نہیں ہو مگر میں تم پر بھروسا کرکے دھوکا کھاچکا ہوں۔"

"کیسا دھوکا؟ میں نے تمہیں کیا دھوکا دیا؟" اس نے چیخ کر مجھے گھورا۔

"تم نے مذاکرات کے بہانے مجھے یہاں بلایا اور اب مجرّد شدد بازپرس پر تلے ہوئے ہو۔"

وہ پہلی بار ہنسا "کبھی کبھی شکاری اپنے پھیلائے ہوئے جال میں خود پھنس جاتا ہے۔"

"خفیت ہے کہ تمہارے خزاں رسیدہ ہونٹوں پر ہنسی کی جھلک نظر آئی۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہارا دل بالکل ہی پتھر نہیں ہے۔ اس میں معقولیت بھی پائی جاتی ہے۔"

"اپنے بارے میں ہر بات بتاتے چلے جاؤ۔ مجھے بہت معقول پاؤ گے۔"

"میں ٹیپ ریکارڈر نہیں ہوں کہ تم بٹن دباؤ اور میں مقناطیسی فیتے میں پوشیدہ ہر ساز و آواز کو اگلنا شروع کردوں۔ سوال کرو' میں جواب دوں گا۔"

"پہلے میں تمہارا نام..... اصلی نام جاننا چاہوں گا؟" وہ دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"جمال دستی۔" میں نے اپنے ذہن میں ترتیب دیے ہوئے منصوبے کے مطابق کہا۔

وہ نام سنتے ہی اور برائن چونک پڑا اور استفہامیہ لہجے میں بولا۔ "کرنل جمال دستی؟"

"بالکل وہی۔" میں نے اس کی تائید کی اور حیرت سے پوچھا۔ "تم میرے پورے نام سے کیسے واقف ہوگئے؟ بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ میں کبھی فورسز میں تھا۔"

"سندھ کے چیف سیکریٹری کی بریفنگ میں تم بھی شامل تھے۔" اس نے بتایا۔

"اوہ!" میں بے اختیار بول پڑا "اس بریفنگ سے تمہارا کیا تعلق تھا؟"

"ہم اپنے مفادات پر ہر وقت گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہاں ڈینی کے بارے میں خاصی باتیں ہوئی تھیں۔ تم سے بھی کچھ کہا گیا تھا؟"

"تم اتنے زیادہ باخبر ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ہم سیکریٹری سمیت کسی بھی سرکاری عہدے دار کو جواب دہ نہیں ہیں۔ جو کچھ کہا گیا تھا' وہ سن کر بھلا دیا گیا۔"

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تمہارا تعلق اسپیشل ٹاسک فورس سے ہے؟" اس نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"ایک طرف باخبر ہونے کے دعوے کررہے ہو' دوسری طرف یہ سوال۔ آخر تم مجھ سے کیا چاہ رہے ہو؟" میں نے زچ آجانے والی بے جان سی ہنسی کے ساتھ پوچھا۔

"سب کچھ جاننے کے باوجود یقین نہیں آرہا۔" وہ اسی لہجے میں بولا "ایس ٹی ایف والوں کی شہرت تو یہ ہے کہ وہ مرجاتے ہیں لیکن زبان نہیں کھولتے اور تم نے بہت آسانی کے ساتھ اپنے راز پر سے پردہ اٹھادیا۔ یہ بات مجھے الجھن میں ڈال رہی ہے۔"

"میں نے تمہیں اپنا ادھورا نام بتایا۔ دیگر نتائج تم نے خود اخذ کیے ہیں۔"

"اور تم ان کی تائید بھی تو کررہے ہو۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

"مجبوری ہے۔" میں نے شانے اچکا کر کہا "انکار کرتا تو تم تسلیم نہ کرتے۔ بس یہ یاد رکھنا کہ یہ راز میرے اور تمہارے درمیان رہے گا۔ کہیں اور ایس ٹی ایف کا نام سامنے نہیں آئے گا۔"

"یہ گفتگو ریکارڈ ہورہی ہے۔ ریکارڈنگ کا ٹیپ کسی نہ کسی کی تحویل میں جائے گا۔ تمہارا نام ذات تک محدود رکھنے کا

Downloaded from https://paksociety.com

وعدہ نہیں کر سکتا۔"

"ایسا بندوبست تو کر سکتے ہو کہ اس بارے میں مجھے زیادہ نہ کریدا جائے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"فی الحال احتیاط کی جائے گی۔ جب تک تم پاکستان میں ہو، یہ بات ہمارے حق میں ہوگی کہ میرے اور تمہارے مراسم کے بارے میں کسی کو پتا نہ چلے اور تم میرے لیے خاموشی سے کام کرتے رہو۔"

"تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟" میں نے اس کی سپاٹ اور چمکیلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"کوئی بھی کام ہو سکتا ہے۔ فی الحال یہ اصولی سمجھوتا ہے۔ تم میرے لیے کام کرو گے اور میں تمہارے مفاد کا خیال رکھوں گا۔"

"تم بار بار فی الحال کا لفظ استعمال کر رہے ہو۔ کیا اس کا کوئی خاص مقصد ہے؟"

"یہ لفظ تمہاری خوش قسمتی کی کلید ہے۔" اس نے زور دے کر کہا "جب تک تم پاکستان میں ہو، ہربات صیغۂ راز میں رکھی جائے گی۔ امریکا پہنچتے ہی تم آزاد ہو جاؤ گے۔ تمہاری پہلی پریس کانفرنس میں دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے وجود اور مقاصد کے بارے میں پاکستان ہمیشہ جھوٹ بولتا رہا ہے۔ تم دیکھنا کہ امریکی پریس کی طرف سے تمہارے سوانح کے لیے لاکھوں ڈالر کی پیشکشیں آئیں گی۔ کتاب یوں ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی کہ تم اس کی رائلٹی سے ارب پتی بن جاؤ گے۔ دنیا بھر میں پاکستان کے خفیہ عزائم کے بارے میں ہر وقت کچھ نہ کچھ ناقابل یقین کہانیاں گردش کرتی رہتی ہیں۔ لوگ ان کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں مگر کہیں کوئی مواد دستیاب نہیں ہے۔ تمہارے سوانح اس موضوع پر ایک مستند دستاویز مانی جائے گی۔"

"شاید تم مجھ سے یہی کام لینا چاہ رہے ہو۔ مجھے جلد از جلد یہاں سے امریکا کی طرف نکل جانے کا موقع فراہم کرو گے تاکہ اگلے مراحل پر کام شروع ہو سکے۔"

"نہیں.... فی الحال یہ ثانوی منصوبہ ہے۔ میں پھر فی الحال کہہ رہا ہوں۔ آج کا اہم ترین کام ڈینی کی تلاش ہے۔ تم کو میں دو ملین ڈالر نہیں، منہ مانگا انعام دلواؤں گا۔ بس اس خبیث کا سراغ لگالو۔"

میں گھر سے یہ سوچ کر نہیں آیا تھا کہ اوبرائن سے ایس ٹی ایف کے بارے میں کوئی بات کروں گا۔ اپنے بارے میں میں نے کسی مناسب موقع پر کسی بھی سرکاری ایجنسی کا نام استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ مجھ سے لغزش صرف یہ ہوئی کہ جب اس نے میرا نام پوچھا تو میں نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے جمال دستی کا نام استعمال کر ڈالا جو اول خان نے مجھے دیا تھا۔ سبب یہ تھا کہ اس نام پر میرا جعلی شناختی کارڈ بھی موجود تھا۔ اوبرائن کسی شبے کا اظہار کرتا تو میں اسے شناختی کارڈ دکھا سکتا تھا۔

ہوا یہ کہ اوبرائن کے لیے میرا مفروضہ نام بیا نہیں تھا۔ اس حیثیت سے میں ایک سرکاری اجلاس میں شرکت کر چکا تھا۔ اوبرائن اس خفیہ اجلاس کی پوری روداد سے باخبر تھا۔ میرے نہ چاہنے کے باوجود اس مرتبہ پھر میرا نام ایس ٹی ایف سے منسلک ہو گیا تھا۔

میں نے اوبرائن عرف ادبی کو جواب میں کہا "ڈینی صرف تمہارا نہیں، میرا بھی مسئلہ ہے۔ بیس لاکھ ڈالر کی رقم حقیر نہیں ہوتی۔ سچ پوچھو تو میں کسی نمایاں صلے کے بغیر پس پشت رہ کر کشت وخون کرنے سے اکتا گیا ہوں۔ گرین کارڈ اور بیس لاکھ ڈالر جیب میں ہوں تو میں دنیا کے کسی پرسکون علاقے میں اپنا گھر بسالوں۔"

"ایس ٹی ایف اپنے آدمیوں کی سخت جانی، بے لوثی اور وفاداری کے لیے شہرت رکھتی ہے۔ وہ لوگ بدترین تشدد سہہ کر مرجاتے ہیں، اپنی فورس پر آنچ نہیں آنے دیتے۔ مجھے حیرت ہے کہ ان کے درمیان تم جیسے خود پرست اور خود غرض لوگ بھی موجود ہیں۔"

"فورس کے لیے پہلے میں بھی ویسا ہی تھا جیسا تم نے سنا ہے لیکن اب یہ یکسانیت کھٹکنے لگی ہے۔" میں نے اپنے لیے جواز پیدا کرتے ہوئے اسے بتایا "بیہ اکتاہٹ ہر انسان پر کبھی نہ کبھی غالب آتی ہے۔ مغرب میں اسے مڈل ایج کرائے سس کہا جاتا ہے۔ مجھ پر یہ قنوطیت ذرا قبل از وقت طاری ہو رہی ہے۔"

"تم ڈینی کے لیے واقعی اس قدر پریشان ہو، جتنا ظاہر کر رہے ہو؟" اس کا اگلا سوال چونکا دینے والا تھا۔ میں نے سر اٹھایا تو وہ غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"شاید اس سے بھی زیادہ۔" میں نے کسی توقف کے بغیر اسے جواب دیا "جیب میں دو ملین ڈالر آجائیں تو کوئی نہ کوئی ایجنٹ کچھ رقم لے کر گرین کارڈ کا بندوبست کرا سکتا ہے۔ ویسے بھی ڈینی کی گرفتاری میں مدد دینے والے کے لیے امریکی شہریت، تحفظ اور دوسرے فوائد مشتہر کیے گئے ہیں۔ دو ملین کے ساتھ یہ سب سہولتیں بھی مل جائیں گی۔"

"مجھے تمہاری بات ماننے میں اب بھی تردد ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"نہ مانو اور مجھے اپنے بلڈ الیکٹرولائزر پر لگا دو۔ پردۂ غیب سے کچھ ظہور میں نہ آیا تو تمہیں میری ذات سے چھٹکارا ضرور مل جائے گا۔"

"تم اس بریفنگ میں اپنی فورس کے اسٹیشن کمانڈر اول خان کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سرکاری حلقوں میں وہ ڈینی کا دست راست ہے۔ اگر تم اول خان سے اتنے قریب ہو تو تمہیں ڈینی کے بارے میں بھی کافی باخبر ہونا چاہیے۔" اس کی منطق خاصی وزنی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

شریک ہوئے تھے مگر ہمارے درمیان زیادہ ہم آہنگی نہیں ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اول خان مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے مگر میں اپنی کوششوں سے اس کے سر پر مسلط ہوں۔"

"تم کتنے عرصے سے اس کے ساتھ ہو؟" اوبرائن کے اگلے سوال پر میں گڑبڑا گیا۔

"بہ مشکل چند ہفتے ہی ہوئے ہوں گے۔" میں نے کرنل جمال دستی کے بنے ہوئے اپنے ایس ٹی ایف کے کارڈ کی تاریخ یاد کرتے ہوئے جواب دیا "اول خان کو ڈینی کے بارے میں میرے تجسس سے چڑ ہے۔ میرا خیال ہے کہ ڈینی اس کے لیے ذاتی دوستی' انا اور وقار کا مسئلہ بن چکا ہے۔"

"اس پر ہاتھ ڈالنا بہت مشکل ہے۔ کئی بار اس کا پیچھا کیا گیا ہے مگر ہر بار کچھ مسلح محافظ اس کے آگے پیچھے ہوتے ہیں۔" اس نے مایوسی سے بتایا "مختلف ذرائع سے جو خبریں ملتی رہتی ہیں' ان سے یہی پتا چلتا ہے کہ وہ دونوں گہرے دوست ہیں۔"

"بالکل ہیں۔" اوبرائن کو مزید کسی ٹیڑھے سوال سے روکنے کے لیے میں نے پُرزور انداز میں اس کی تائید کی "اسپیشل ٹاسک فورس کا مقامی اسٹیشن تمہاری دسترس سے باہر ہے لیکن میں وہاں مامور ہوں۔ مجھے پوری امید ہے کہ جلد ہی ڈینی کا کوئی نہ کوئی سراغ مل جائے گا۔"

"اول خان پہلے سے ہماری نظروں میں تھا۔ اب تم سامنے آئے ہو۔ اس کی کمزوریاں تلاش کرو۔ وہ بھی تم جیسا ایک انسان ہے۔ اس کی بھی کچھ امنگیں اور آرزوئیں ہوں گی۔ ایک مرتبہ اسے ہمارے دام میں لے آؤ۔ ہم اس سے ہر بات اگلوالیں گے۔ دو ملین کا انعام تمہارا ہوگا۔"

"وہ کسی چٹان کی طرح سرد' خشک اور بے مہر ہے۔ عورت پر پگھلتا ہے نہ پیسے کا حریص ہے۔ جس مٹی سے پیدا ہوا ہے' اس میں مل جانے کو اپنی زندگی کا مشن سمجھتا ہے۔ ایسے مشکل آدمی میں کسی کمزوری کا ملنا محال ہے۔ اس کے بارے میں نہ سوچنا ہی زیادہ بہتر رہے گا۔"

"مجھے آم کھانے سے مطلب ہے' پیڑ گننے سے نہیں۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا "ڈینی ہاتھ آجاتا ہے تو مجھے اول خان سے کوئی غرض نہیں....."

"میں پوری کوشش کروں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر پورے خلوص سے کہا۔

"اس دوران میں تم ایک اور کام کرو گے۔" اس نے قدرے توقف کے بعد کہا "واشنگٹن میں ایف بی آئی کے ذرائع پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ پاکستان کے مختلف شہروں میں ایس ٹی ایف کے کل دس مراکز ہیں۔ ان میں سے دو اسلام آباد میں ہیں۔"

وہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ اس کی بلکہ ایف بی آئی کی معلومات حیرت انگیز حد تک درست تھیں۔ وہ پاکستانی اور سفارتی مصلحتوں کا کھیل تھا کہ امریکا نے پاکستان میں اسپیشل ٹاسک فورس کے وجود کے بارے میں ہر سرکاری تردید کو قبول کرلیا تھا۔ اوبرائن کے الفاظ کے مطابق امریکا حقائق سے پوری طرح باخبر تھا۔ شاید ان کے پاس ثبوت دستیاب نہیں تھے یا پھر وہ کوئی چال بازی تھی کہ ہر احتجاج کے موقع پر انہوں نے ایس ٹی ایف کے بارے میں اپنا دعویٰ منوانے پر اصرار نہیں کیا تھا۔

پاکستان میں سلامتی کے ذمے دار مطمئن تھے کہ وہ امریکا جیسی عالمی قوت کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ایس ٹی ایف کے ذریعے چپکے چپکے قومی مفادات کے تحفظ کا مشن آگے بڑھا رہے تھے جبکہ ... امریکی تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے شاید کسی مناسب وقت کے منتظر تھے۔

"ان میں متعین افسروں اور کارکنوں کی تعداد کے بارے میں متضاد اطلاعات ہیں۔" اوبرائن اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "تم ہمیں ان کے محل وقوع اور نفری کے بارے میں اطلاعات فراہم کرو گے۔ یہ کام اندر کے کسی آدمی کے لیے زیادہ مشکل نہیں ہے۔"

"تم نے جب امریکا میں میری کتاب کی اشاعت اور اس کی مقبولیت کی بات کی تھی تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔" میں نے قدرے بے جان آواز میں کہا۔ "تم اس فورس سے واقف

ہیپاٹائٹس کیا ہے؟

ہیپاٹائٹس بی اور سی کیا ہے؟
بی اور سی وائرس انسان کو کس طرح اپنی گرفت میں لیتا ہے؟
کیا ہیپاٹائٹس قابل علاج مرض ہے؟
انمول اکسیر کتابچہ کا مطالعہ آپکو
حقیقت کا آئینہ دکھائے گا
خط لکھ کر مفت حاصل کریں

حکیم محمد اعظم بٹالوی
16-A
پیپلز کالونی فیصل آباد

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں ہو۔ اس میں داخلے کے دس راستے ہیں لیکن نکاس کا صرف ایک ہی راستہ ہے جو موت کی اندھی وادی میں نکلتا ہے۔ میں یہ کام نہیں کرسکوں گا۔"

"تیسری دنیا کے ایک چھوٹے سے ملک میں کوئی ایجنسی ایسی بھیانک نہیں ہوسکتی۔ تم پنل کرکے دوسروں کے لیے مثال قائم کرو پھر دیکھنا کہ دولت اور شہرت کے بھوکے کتنے باغی مغربی ملکوں میں' فرار ہوکر پناہ لیتے ہیں۔ ایس ٹی ایف کی شہرت اور دہشت کے خاتمے کے لیے میں ہر قدم اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ ہمارے پروگرام کے لیے اس فورس کی تباہی ناگزیر ہوگئی ہے۔"

"مجھے تمہارے مقاصد سے کوئی غرض نہیں لیکن میں اس کے لیے قربانی کا بکرا نہیں بنوں گا۔ انہیں میری غداری کی بھنک بھی مل گئی تو میرا کہیں نام ونشان تک نہیں ملے گا۔"

"مجھ سے انکار کی صورت میں بھی تمہارا انجام کچھ ایسا ہی ہوگا۔" اس نے مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وہ انجام زیادہ ذلت آمیز اور بھیانک ہوگا۔"

"یہ زیادتی ہے۔" میں نے احتجاج کیا۔ "ڈیل کی تلاش پر ہمارا سمجھوتا ہوچکا ہے۔ اب تم دوسری شرائط لگاتے جارہے ہو۔ مجھ پر اس طرح دباؤ مت ڈالو۔"

"ابھی تک تم اپنی فورس کے یک طرفہ دباؤ میں تھے۔ اب تمہاری ڈوری میرے ہاتھ میں بھی ہے۔ میری ہربات مانو ورنہ برے انجام کے لیے تیار رہو۔" اس نے اپنے ہاتھ میں موجود' میرے ریوالور کی نال میرے چہرے کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بہتر یہی ہوگا کہ تم گولی چلادو۔" میں نے دل کڑا کرکے کہا۔ "شاید میں نے یہاں آکر سنگین غلطی کی ہے جس کا خمیازہ مجھ ہی کو بھگتنا ہوگا۔"

اس نے ہنس کر میرا ریوالور اپنی گود میں ڈال لیا اور بولا۔ "اب تمہارے لیے مجھ کو کچھ نہیں کرنا ہوگا۔ تمہاری ہر سزا اور جزا تمہاری فورس کے سر ہوگی۔"

"تمہاری ابھی الجھی باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔" میں نے تشویش سے کہا۔

"تم انکار کرو اور چلے جاؤ۔ میرا دفتر ایک پریس ریلیز جاری کر دے گا کہ کرنل جمال دستی نامی کوئی شخص گرین کارڈ کے عوض ایس ٹی ایف کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی پیشکش لے کر آیا تھا۔ امریکا کو اس فرضی فورس کے بارے میں پاکستانی حکومت کی یقین دہانیوں پر پورا اعتماد ہے اس لیے کرنل جمال دستی کو کسی افسر سے ملاقات کے بغیر لوٹا دیا گیا۔"

میں نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے مکار اور بے رحم ثابت ہوگے۔ اب سمجھ میں آیا کہ لوگ تمہارے چنگل میں کس طرح پھنستے ہیں۔"

"امریکا کی آزاد معاشرت' فطری تہذیب اور خوش حالی کی شہرت نے تیسری دنیا کے ملکوں میں ہمیں ایک سہانے خواب کا روپ دیا ہوا ہے۔" اس نے پرغرور لہجے میں کہا۔ "تم ایک بے نام ونشان فورس کے کوئی گمنام افسر ہو لیکن تمہیں حیرت ہوگی کہ تمہارے ملک کے بڑے بڑے سیاسی اور آسودہ خاندانوں کے بڑے اور نوجوان امریکی ویزا کے لیے دن رات ہمارے آگے گڑگڑاتے رہتے ہیں۔ وہاں کی شہریت ملے یا نہ ملے' وہ خوابوں کی اس سرزمین کو ایک بار ضرور دیکھنا چاہتے ہیں' ان میں سے کئی ایسے ہوتے ہیں جو اپنی اس خواہش کی ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں اور میں ان سے سودا کرلیتا ہوں۔"

میرے ذہن میں جان کے کہے ہوئے فقرے گونج اٹھے۔ پچھلی بربادیوں کے بعد اوبرائن نے بڑی محنت سے پاکستان میں اپنا نیا نیٹ ورک تیار کیا تھا اور امریکی پاکستان سے اس کی روانگی کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ وہی ایک نکتہ تھا جس پر کھٹو مل کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا گیا تھا پھر کھٹو مل کے ساتھ ساتھ محض تین منٹ کی قلیل سی مدت میں چار امریکی جہنم واصل ہوگئے۔

"تم نے مجھے ہر طرف سے گھیر لیا ہے۔" میں نے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے۔ "میں تمہارے مطالبات پورے کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"اس کے لیے تمہیں تین دن کا مہلت دے رہا ہوں۔ یہ کتنی....."

"نہیں اولی! مجھے اتنا نہ پیسو کہ میں پلٹ کر جواب دینے پر مجبور ہوجاؤں۔" میں نے اس کا تحکمانہ فقرہ کاٹ کر احتجاج کیا۔ "مجھ پر وقت کی پابندی مت لگاؤ۔ اپنی کھال بچا کر میں جلد از جلد تمہارا کام کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے نرمی سے کہا۔ "شاید اپنے چار آدمیوں کے قتل نے مجھے جذباتی کردیا ہے ورنہ میں لوگوں سے دوستانہ انداز میں سودے بازی کرتا ہوں۔ تم پر وقت کی کوئی قید نہیں ہوگی۔ دیر ہوئی تو تم مجھے رپورٹ ضرور دیتے رہوگے۔"

"خدا کا شکر اور تمہارا شکریہ کہ تم نے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس کرلیا۔" میں نے سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

وہ ہنس پڑا۔ "اتنی عجلت نہ دکھاؤ۔ میری مزید کوئی شرط نہیں ہے۔ اب ہم کچھ باتیں کریں گے۔" وہ اٹھ کر ٹہلتا ہوا ایک کیبنٹ کی طرف بڑھا پھر پلٹ کر مجھ سے پوچھا۔ "ڈن میں کیا لیتے ہو؟"

"اس وقت تو جو مل جائے وہی چلے گی۔" میں نے کیبنٹ کے شیشے کے پیچھے سجی ہوئی بوتلوں پر سرسری نگاہ ڈال کر کہا۔ "تم نے میرے اعصاب ہلا کر رکھ دیئے ہیں۔"

"جن' واڈکا یا اسکاچ؟" اس نے پھر سوال کیا۔ "یہاں ہر ڈرنک دستیاب ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"ذرا اسٹرانگ لارج اسکاچ.... پانی کے ساتھ۔" ایک طویل وقفے کے بعد میں نے اس روز مطالبہ کر ہی دیا۔ غزالہ کی خوشنودی کے لیے میں نے ایک مدت سے ویرا کی دعوتوں کو بھی نظرانداز کیا ہوا تھا مگر اوبرائن کو اپنی بے بسی کا بھرپور تاثر دینے کے لیے وہ مطالبہ ضروری تھا۔

اوبرائن اپنے لیے کوئی سفید شراب لایا تھا' میرے گلاس کا رنگ طلائی ہو رہا تھا۔ وہ میرے قریب آیا تو اس کے گلاس سے آنے والی بو نے بتا دیا کہ وہ دن میں جن پینے کا شوقین تھا۔

"تمہاری کامیابی کے نام۔" اوبرائن نے جام تجویز کیا۔ میں نے پہلا گھونٹ لیا تو ہونٹوں سے معدے تک ایک سلگتی ہوئی تلخ لکیر سی تیرتی چلی گئی اور میری آنکھوں میں نمی سی امڈ آئی۔

میری فرمائش پر اوبرائن نے میرے گلاس میں پانی کی بہت کم مقدار استعمال کی تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ میں نے ایک طویل عرصے کے بعد ام الخبائث کو ہاتھ بلکہ منہ لگایا تھا۔

میری نگاہوں میں تیرنے والی نمی اوبرائن کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ وہ ہنس کر بولا۔ "یہ تمہاری فرمائش کے مطابق ہے۔ چاہو تو برف یا ٹھنڈا پانی ڈال لو۔"

میں نے رومال سے آنکھیں خشک کرتے ہوئے اس کے دوسرے مشورے پر عمل کیا اور دوبارہ اس کے پاس آبیٹھا۔ اس نے اپنی جیب سے میرا ریوالور نکال کر میرے حوالے کر دیا۔

"آئندہ تم اسلحہ لے کر نہیں آؤ گے۔"

"یہ میری پیشہ ورانہ مجبوری ہے۔ اسلحہ ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔ بہرحال آئندہ تمہاری طرف آتا ہوا تو ہتھیار گاڑی میں ہی چھوڑ دوں گا۔"

میں نے اوبرائن کی اجازت سے سگریٹ سلگا لی تو اس نے پوچھا۔ "جان' ایڈی اور ان کے دو کمانڈوز کے بارے میں تمہاری فورس کا کیا ردعمل ہے۔"

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے فوراً جواب دیا۔ "فورس اس معاملے سے باہر ہے۔ یہ خالص پولیس کیس ہے۔ ان کی طرف سے پوری روداد اخبارات میں آچکی ہے۔"

"پھر بھی تمہاری فورس کا کوئی نہ کوئی موقف تو ہوگا۔" اوبی نے اصرار کیا۔

"وہ اوپر والوں کی باتیں ہیں۔ میری سطح پر فورس ہر مقامی قضیے سے الگ تھلگ رہتی ہے۔" میں نے اسے کوئی راہ دیئے بغیر جواب دیا۔

"اگر یہ پولیس کیس تھا اور ایس ٹی ایف اس سے بالکل الگ تھلگ تھی تو تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ کھٹو مل نے ڈینی کے گھر پر حملے کے سلسلے میں ساری ذمے داری میرے اوپر ڈالی ہے؟" وہ مجھ سے پہلی ہی ملاقات میں ہر سوال کا جواب حاصل کرنے کا تہیہ کیے بیٹھا تھا اور نپے تلے انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔

اس بار میں نے گلاس سے ایک بڑا گھونٹ لیا اور پُراعتماد انداز میں ہنس کر پوچھا۔ "تمہارا قیاس کیا ہے؟ کیا میں نے غلط بیانی کی تھی؟"

"رفتہ رفتہ ہر بات کھل کر سامنے آجائے گی۔ اس وقت دونوں باتیں متضاد معلوم ہو رہی ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ ایس ٹی ایف اس قصے میں ملوث نہیں تھی۔"

"بالکل نہیں تھی۔ کھٹو مل کے اس اعتراف کا تعلق ڈینی کی اور تمہاری ذات سے تھا۔" میں نے وضاحت پیش کی۔ "تم جانتے ہو کہ چند وجوہ کی بناء پر ڈینی ایس ٹی ایف کے لیے ایک اہم اور حساس فائل ہے پھر تمہاری یعنی ایک بڑے ملک کے سفارتی مشن کی مشتبہ سرگرمیاں سامنے آئی تھیں۔ یہ دونوں معاملے پولیس کے اختیار سے باہر تھے...."

"مان لیا کہ یہ معاملے پولیس کے دائرۂ کار سے باہر تھے۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "انہیں اپنی معلومات سے آئی بی یا ایف آئی اے کو آگاہ کرنا چاہیے تھا۔ ان کے لیے اسپیشل ٹاسک فورس کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔"

"میں ان تفصیلات سے لاعلم ہوں۔" میں نے اقرار کیا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ اطلاعات ان میں سے کسی وفاقی ادارے کے ذریعے ایس ٹی ایف تک پہنچی ہوں۔ وفاقی ادارے اپنی آئینی اور قانونی حدود کے قیدی ہیں۔ فورس بالکل آزاد ہے۔"

اوبرائن نے تلخ لہجے میں کہا۔ "پاکستان میں

معذرت

برطانیہ کے جسٹس گراہم اپنی رحم دلی اور ملزموں سے نرم سلوک کے لیے مشہور تھے۔ ایک مقدمۂ قتل کا فیصلہ لکھتے وقت پھانسی کی سزا پانے والے سولہ افراد میں سے ایک کا نام لکھنے سے رہ گیا۔ کلرک نے جج کی توجہ اس فروگزاشت کی طرف دلائی تو جج نے مذکورہ ملزم کو بلا کر کہا "مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہارا نام ان قیدیوں کی فہرست میں نہیں لکھا جا سکا جنہیں پھانسی کی سزا دی گئی ہے۔ یہ ایک اتفاقی غلطی ہے اور میں اس پر تم سے معذرت خواہ ہوں اور تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ہی پھانسی دی جائے گی۔"

Downloaded from https://paksociety.com

آئین اور قانون کو صرف ایوزیشن کو کچلنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر با اختیار شخص کے ہاتھوں میں یہ دونوں دستاویزات کھلونا بنی ہوئی ہیں۔ وہ جب چاہے' کسی کو بھی مار سکتا ہے۔ یہی دیکھ لو کہ وردی والوں نے بیدریغ ہمارے چار آدمی مار دیئے اور آزادی سے دندناتے پھر رہے ہیں۔ ہمیں بہلایا جارہا ہے کہ تحقیقاتی کمیشن بنا دیا گیا ہے۔ ان کو چار آدمیوں کی لاشوں سے بڑے کون سے ثبوت کی تلاش ہے؟"

میں نے دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لیا کہ اس کا آخری تیکھا سوال بھی گزر گیا تھا اور وہ جذبات کی رو میں بہہ رہا تھا۔ میرے پاس اس کی ہاں میں ہاں ملانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ وہ گلاس خالی ہونے تک پاکستان اور پاکستانیوں کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالتا رہا۔ اس کے دماغ میں جو زہر بھرا ہوا تھا اس کا کوئی علاج نہیں تھا۔ میں یہ جانتا تھا کہ اس کے کوسنے پیٹنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ میں بہت تحمل سے اس کی ہرزہ سرائی سنتا رہا اور اس کی ہم نوائی کرتا رہا۔

اوبرائن ڈی ہنٹ میری توقعات کے برعکس ایک خطرناک آدمی ثابت ہوا تھا۔ اس کے پاس زیادہ وقت گزارنا مصلحت کے خلاف تھا۔ میں موقع پاتے ہی دوبارہ اٹھ گیا۔

"بہت عجلت میں ہو۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "میری اگلی ملاقات کا وقت ہونے والا ہے۔ میں تمہیں مزید نہیں روکوں گا مگر یہ خیال رکھنا کہ مجھے تمہارے کسی مثبت پیغام کا شدت سے انتظار رہے گا۔"

میں نے اس سے پرتپاک مصافحہ کیا اور اس نے ہاتھ ملا کر اپنی دہلیز سے ہی مجھے رخصت کرکے دروازہ بند کرلیا۔ اس سے گلوخلاصی ہونے پر میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی تمام تر چالاکی اور مکاری کے باوجود میں اس کے سامنے اپنا بہروپ قائم رکھنے میں کامیاب رہا تھا۔

اس معاملے میں میری کسی ذہانت سے زیادہ اس کی باخبری کام آئی تھی۔ چیف سیکریٹری کی صدارت میں ہونے والی خفیہ بریفنگ کے حوالے سے اس نے میرا نام نہ سنا ہوا ہوتا تو وہ شاید آسانی سے مجھے کرنل جمال دستی کبھی تسلیم نہ کرتا۔

آٹھویں فلور کی وہ راہداری بالکل ویران پڑی ہوئی تھی۔ لفٹ کے دروازے پر روشن اشارے سے ظاہر ہورہا تھا کہ لفٹ نیچے سے اوپر آرہی تھی۔ میں نے اسے روکنے کے لیے بٹن دبا دیا۔

بے آواز لفٹ میرے سامنے آکر رکی' دروازہ کھلا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بے خبری میں میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ لفٹ میں نادرہ موجود تھی۔

پچھلے چند مہینوں میں وہ کافی بدل چکی تھی۔ اس کی جاذبیت میں کمی آچکی تھی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ ناپید تھی۔ میں اپنی بوکھلاہٹ کے باوجود' اس سے نگاہیں چرا کر لفٹ کے فلور کے بٹن [illegible] نتیجے پہنچ سکا کہ وہ نادرہ کے مسکرایا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے مکمل اجنبیت رچی ہوئی تھی۔ وہ لفٹ سے نکلی اور میری طرف دھیان دیئے بغیر اوبرائن کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

نادرہ سے وہ غیر متوقع سامنا میرے لیے سنسنی خیز تھا۔ وہ اپنے شوہر اور بیٹے کی طرف سے پریشان ہونے کے باوجود امریکیوں سے متنفر تھی۔ میری تلاش کے بارے میں ان کے دباؤ سے نکلنے کے لیے اس نے میرا ہی سہارا لیا تھا اور ان سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

اس پس منظر میں اس کا اچانک اوبرائن کی طرف آنا معنی خیز تھا۔ میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ خالی لفٹ میرے سامنے موجود تھی۔ نادرہ پلٹے بغیر اوپلی کے فلیٹ کی ڈوربیل بجا کر جواب کے انتظار میں کھڑی ہوئی تھی۔ میرے لیے فلور پر مزید رکنے کا جواز نہیں تھا۔

اوبرائن' نادرہ کے لیے دروازہ کھول کر باہر جھانک لیتا تو مجھے موجود پاکر یہی سمجھتا کہ میں اس کے خلاف کسی قسم کی جاسوسی کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں پل بھر میں لفٹ میں داخل ہوا اور دروازہ بند ہونے سے پہلے ہی گراؤنڈ فلور کا بٹن دبا دیا۔

برق رفتار لفٹ نیچے چلی اور میرا دل لمحہ بھر کے لیے اچھل پڑا۔ آٹھویں منزل سے نیچے تک... کے اس مختصر سے سفر میں مجھے خیال آیا کہ نادرہ کراچی کے حالات سے ہراساں ہوکر ایک مدت پہلے سکھر منتقل ہوچکی تھی جہاں اس کی بہن اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھی۔ اس نے اپنا سوسائٹی والا مکان جوں کا توں چھوڑ دیا تھا جو امریکا جانے سے پہلے میرے تصرف میں رہا تھا۔ امریکا سے واپسی کے بعد ان دنوں بھی میں اسی مکان کے ایک عقبی کمرے میں پناہ گزیں تھا۔

نادرہ کا کلفٹن والا آراستہ فلیٹ ہم نے کرائے پر لیا ہوا تھا۔ وہی فلیٹ نادرہ سے میرے تعارف کا سبب بنا تھا۔ اس پر بالم اور جانی کے گروہ کے ناکام حملے کے بعد ہم نے وہاں کی رہائش ترک کردی تھی۔ کرائے کی مد میں نادرہ کو ادا کی ہوئی پیشگی رقم اس کے واجبات سے کہیں زیادہ تھی اس لیے میں نے نادرہ سے رابطہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

میرا خیال تھا کہ جلد یا بدیر اسے فلیٹ خالی ہونے کی اطلاع مل جائے گی۔ اس سے رابطہ نہ ہونے کا دوسرا اور اہم سبب یہ تھا کہ اس دوران میں مجھے سکون و اطمینان کا کوئی وقفہ نہیں مل سکا تھا۔

نادرہ کو میں نے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ محروم اور ناآسودہ زندگی گزارنے والی وہ دلکش خاتون کسی بھی طرح ایک اچھی اداکارہ نہیں تھی۔ لفٹ میں آمنا سامنا ہونے پر مجھے کسی اجنبی کی طرح نظرانداز کرکے' سپاٹ چہرے کے ساتھ گزر جانا اس کے بس سے باہر تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com